ابوالفضل

(احوال و آثار)

مؤلفہ

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور۔

ابو الفضل

(احوال و آثار)

مؤلّفہ

ڈاکٹر ظہور الدّین احمد

ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور۔

انتشارات ادارۂ تحقیقات پاکستان

شمارہ : ۳۵

تشکر

ادارۂ تحقیقات پاکستان متروکہ اوقاف بورڈ حکومت پاکستان کی مالی امداد کا ممنون ہے جس کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا کام آسان ہو گیا ۔

طابع : سید ظفر الحسن رضوی

مطبوعہ : ظفر سنز پرنٹرز ، ۹ - کوپر روڈ ، لاہور

طبع اول : اگست ۱۹۷۵ع

قیمت : ۲۲ روپے

فہرست

باب نہم ابوالفضل کا کردار

——:o:——

ابتدائیہ

اس کتاب کے لکھنے کے محرک اور مشوق دراصل استاد گرامی ڈاکٹر سید عبداللہ ہیں ۔ مکاتباتِ علامی درس میں شامل تھے اور وہ ان کی تدریس پر مامور تھے۔ سالہا سال کے مطالعہ سے استادِ معظم ابوالفضل کی شخصیت سے گہری واقفیت رکھتے تھے ۔ اس کے عقاید و افکار اور اسالیبِ بیان کو خوب سمجھتے تھے ۔ انھوں نے دورانِ درس میں کئی مرتبہ کہا کہ ابوالفضل بلند و بالا شخصیت کا مالک ہے اور ایک عالی پایہ مفکر ہے ۔ اس کے احوال و آثار کا مطالعہ کر کے اس پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے ۔ میرے دل میں یہ خیال جاگزیں رہا ۔ آخر محنت و کاوش کے بعد یہ مقالہ مکمل ہوگیا ۔ اصل مقالہ انگریزی میں تھا لیکن بعد میں عام مطالعہ کے پیشِ نظر اسے اردو میں منتقل کیا گیا ۔ اس کے اشاعت پذیر ہونے سے ایک مقتدر وزیر ، عالی رتبہ ادیب و انشا پرداز اور دقیق نقاد و مؤرخ کا تعارف ہو جائے گا ۔ میں نے اس کی متنازعہ فیہ شخصیت کا تجزیہ کر کے اسے صحیح خد و خال میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مجھے ڈر ہے کہ ابوالفضل اور اس کے خاندان کے مخالفیں شاید ہی میرے نتیجۂ نظر و فکر سے مطمئن ہوں ۔ بہرحال تصویر کے دونوں رخ سامنے آنے چاہییں ۔ امید ہے یہ کوشش قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی ۔

ظہورالدین احمد

۲۰ جون ، ۱۹۷۵ء

۵/۸۹ ۔ نسبت روڈ

لاہور

باب اول

سیاسی و معاشرتی حالات کا جائزہ

اس باب میں ہم آن سیاسی و معاشرتی حالات کا جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں جو اکبر کے سالِ تخت نشینی یعنی ۱۵۵۶ع کے وقت ملک میں موجود تھے تاکہ قاری کے ذہن میں اس زمانے کی مذہبی و معاشرتی فضا کا منظر سامنے رہے جس میں ابوالفضل پیدا ہوا ، جس میں اس نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور زندگی گزاری ۔ اس وقت کے سیاسی رجحانات اور مذہبی تحریکات کی وجہ سے اکبر کو یہ موقع ملا کہ اس نے مذہب و سیاست کی امامت کا دعویٰ کیا تاکہ مختلف مذہبی عقاید کی حامل رعایا اس کی وفاشعار رہے ۔ ان احوال و کوائف کے مطالعے سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملے گی کہ ابوالفضل بھی ، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اکبر کے دل و دماغ کو متأثر کیا اور جو سیاسی و مذہبی اصلاحات میں اس کا معاون رہا ، اسی ماحول کا پروردہ تھا ۔

سیاسی پس منظر[1] :

اسلامی مملکت کا مرکز دہلی تھا ۔ ہندوستان کا وسیع و عریض ملک مغلوں کی حکومت سے پہلے تمام کا تمام کبھی مسلمانوں کے زیرِ تصرف نہیں رہا ۔ ایک زمانہ تھا کہ تغلقوں کی حکومت بنگال اور دکن تک تھی ۔ لیکن یہ دور دراز کے صوبے جب مرکز کو کمزور دیکھتے تو فوراً بغاوت کرتے اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتے ۔ کچھ قدرتی اسباب بھی ایسے تھے جن سے اہلِ دکن کو مرکزی حکومت کے تصرف سے نکل جانے کے مواقع میسر آئے ۔ صوبۂ دکن دہلی سے سات آٹھ سو میل دور واقع تھا ۔

---

1. History of India, Elphinstone, p. 474, 478—482.

وسائلِ رسل و رسائل اس قدر محدود تھے کہ مرکز کے اقتدار کو کمزور کرنے میں معاون تھے۔ سڑکیں ناہموار تھیں۔ دکن تک پہنچنے کے لیے پہاڑوں اور دریاؤں سے گزرنا پڑتا تھا۔ جنوبی ہندوستان اور شمالی ہندوستان کے مسلمانوں میں سیاسی روابط نہیں تھے۔ بہت سے حبشی مسلمان ہندو ریاستوں کے فوجی ملازم تھے۔ ۱۳۴۷ع میں حسن علاء الدین ظفر خان نے محمد تغلق کے خلاف بغاوت کی اور گلبرگہ میں خود مختار بہمنی سلطنت قائم کر لی (۱۳۴۷-۱۵۲۶ع)۔

بنگال میں بہت سے شاہی خاندان حکمران رہے۔ ۱۲۰۲ع میں پہلا مسلمان حکمران بختیار خلجی مقرر کیا گیا۔ ۱۵۳۷ع میں ہمایوں نے بنگال فتح کیا۔ ۱۵۳۹ع میں یہ شیر شاہ کے تصرف میں آ گیا۔ اکبر کے آغازِ حکومت میں خاندان محمد سور وہاں حکمران تھا (۱۵۵۲-۱۵۶۳ع)۔

سلطنتِ دہلی کی حدود میں شمال مغربی صوبے، مغربی بہار، پنجاب، راجپوتانہ اور صوبجات وسطی کے چند اضلاع شامل تھے۔ ہمایوں کے ممالکِ محروسہ میں پنجاب، ملتان اور بہار کی مشرقی حدود تک کا علاقہ شامل تھا۔ جنوب میں رنتھمبور، گوالیار اور چندیری تک کا علاقہ پھیلا ہوا تھا۔ اس مملکت کا ۱/۵ حصہ راجاؤں اور جاگیرداروں کے تصرّف میں تھا جو مغل شہنشاہ کو خراج ادا کرتے تھے۔ ۴/۵ حصہ شہنشاہ کے نامزد حاکموں کے زیرِ انتظام تھا۔

اڑیسہ کا وسیع علاقہ گنگا ڈیلٹے سے لے کر گوداوری کے ڈیلٹے تک پھیلا ہوا تھا اور آزاد و خود مختار تھا۔ مغرب میں گجرات، افغان حاکم بہادر شاہ (۱۵۲۵-۱۵۳۶ع) کے زیرِ تصرف تھا۔ ہمایوں نے ۱۵۳۴ع میں اسے شکست دی۔ جوں ہی ہمایوں ملک بدر ہوا، گجرات پھر خود مختار ہو گیا۔ بعد میں بہادر شاہ نے مالوا اور صوبجات متوسطہ کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ اکبر کی تخت نشینی کے وقت گجرات کا حاکم احمد شاہ تھا (۱۵۵۳-۱۵۷۲ع)۔

مغل اقتدارِ اعلیٰ کے تحت راجپوتانہ کی ریاستیں نیم خود مختار رہیں۔

جے پور کے راجہ بہارامل نے بابر کی اطاعت قبول کر لی اور فوجی امداد بھی پیش کی۔ بعد میں ہمایوں نے اسے راجہ عنبر کا خطاب بھی دیا۔ فوجی نقطۂ نظر سے ایک اور اہم ریاست جودھپور تھی جس کے حکمران راجہ مالدیو نے شیر خان کے خلاف محاذ آرائی کی تھی۔ لیکن جب ہمایوں کو پسپا ہونا پڑا تو اس نے ہمایوں کا راستہ روکا اور اس کے ساتھیوں کو پریشان کیا۔ لیکن بعد میں راجہ نے شکست کھائی اور اس کی فوج اپنی پناہ گاہوں میں واپس بھاگ گئی۔ میواڑ کے تعلقات شیر شاہ سے دوستانہ تھے لیکن شیر شاہ کی وفات کے بعد اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ جیسلمیر اور بیکانیر کی ریاستیں بھی خود مختار تھیں۔ سندھ، میواڑ اور بھاگھیل کھنڈ، دوسری راجپوتانہ ریاستوں کی طرح اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لیے کوشاں تھیں۔ گوالیار، اورچھا، چندیری، مارواڑ اور دوسری چھوٹی ریاستیں آگرہ کے نزدیک واقع تھیں۔ جب کوئی زبردست حکمران بروئے کار آتا تو یہ خراج ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتیں اور جب کوئی کمزور حکمران برسرِ اقتدار آتا تو اس کے تصرّف سے نکل جاتیں۔ وسطی ہندوستان کی ریاستیں پہاڑوں اور جنگلوں کے اندر واقع ہونے کی وجہ سے اپنے دفاع میں مستحکم تھیں۔ اسی لیے کامل طور پر کبھی مسخّر نہ ہو سکیں۔

مندرجہ بالا غیر مسلم ریاستوں کے علاوہ دکن میں یہ پانچ آزاد مسلم ریاستیں قائم تھیں:

۱۔ بیجاپور میں عادل شاہی۔ ۲۔ گولکنڈہ میں قطب شاہی۔ ۳۔ احمد نگر میں نظام شاہی۔ ۴۔ برار میں عماد شاہی۔ ۵۔ بیدر میں برید شاہی خاندان حکمران تھے۔

شاہنشاہ:

مسلم حکمران کا فرض تھا کہ احکامِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور فتاوائے فقہا کے مطابق مملکت کا نظم و نسق چلائے[1]۔ نظری طور پر بادشاہ

---

1. Administration of the Sultanate of Delhi, p. 41—42.

قانونِ اسلامی کا سب سے بڑا ترجمان سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعض مقدمات میں وہ علماء و فقہا کے متفقہ فیصلوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ عموماً وہ اکثریت کے فیصلوں پر عمل کرتا تھا۔ اگر وہ قانونِ اسلامی کے خلاف عمل کرتا تو علماء کے فتوے سے اسے تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جا سکتا تھا اور اس کے احکام کی نافرمانی کی جا سکتی تھی[1]۔

قانون کے مطابق تو بادشاہ کا انتخاب ہونا چاہیے، لیکن روایت یہ چلی آ رہی تھی کہ بادشاہ اپنے خاندان میں سے جانشین نامزد کرتا تھا۔ امرائے دربار اور مقتدر علماء نامزد بادشاہ پر متفق ہو جاتے اور اس کی حکومت کا اعلان کر دیتے[2]۔

بادشاہِ دہلی خلیفۂ بغداد کو اسلامی ممالک کا صدرِ اعظم تسلیم کرتا تھا۔ ۱۲۵۸ع میں ہلاکو خاں کے ہاتھوں خلافتِ عباسیہ کے زوال پر خاندانِ عباسیہ کا ایک فرد المستکفی باللہ مصر میں جا پہنچا جہاں ۱۲۶۱ع میں اسے خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ بعد میں اسے امیر المومنین سمجھ کر اس کی اطاعت کا حلف اٹھایا جاتا رہا۔ ۱۵۱۷ع میں خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا تو ترکیہ میں خلیفۂ عثمانی نے اپنے لیے امیر المومنین کا اعزاز حاصل کرنے کا دعویٰ کیا۔ تیموری عہدِ سلطنت میں مسلمانوں کی مشترکہ حکومت کا تصوّر ختم ہو گیا اور ہر ملک کا اپنا حکمران آزاد خلیفہ سمجھا جانے لگا۔ خلیفہ کا حقیقی امتیاز ختم ہو گیا اور بادشاہ امیر المومنین کا نمائندہ نہ رہا۔ اس لیے ہمایوں کے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے پر خلیفہ کے ساتھ اس کی وابستگی کا سوال ہی پیدا نہ ہوا[3]۔

نہ بابر نے اور نہ ہی ہمایوں نے پہلے مروجہ نظامِ سلطنت میں کوئی تبدیلی کی[4]۔ بابر حاکمِ مطلق تھا۔ صوبوں کے ناظم، منصب دار اور

---

1. Administration of the Sultanate of Delhi, p. 58.
2. Ibid., p. 52.
3. Ibid., p. 32—38.
4. Provincial Government of the Mughals, p. 48—49.

جاگیردار براہِ راست اس کے زیرِ فرمان تھے اور اس کے حکم سے بر طرف کیے جا سکتے تھے ۔ بادشاہ کامیاب بغاوت کے بل پر ہی تخت سے اتارا جا سکتا تھا ۔ ایک لائق اور انصاف پسند حکمران ہی اچھی طرح سلطنت کا نظم ونسق چلا سکتا تھا ۔ جوں ہی بادشاہ یا مرکز کمزور ہوتا صوبوں کے ناظم اور جاگیردار خود مختار ہو جاتے اور اس طرح مملکت کی بنیادیں ہی متزلزل ہو جاتیں ۔ بادشاہ اپنے وزراء اور امراء کے ہاتھوں میں بھی محفوظ نہیں تھا ۔ اکثر ایسا ہوا کہ صوبوں کے ناظم یا فوج کے سالار باغی ہو گئے اور انھوں نے اپنے خاندانوں کا نیا سلسلہٴ حکومت قائم کر لیا[1] ۔

حکومت فوج کے بل بوتے پر قائم رہتی ۔ اگر اس سے زیادہ طاقتور فوج ہوتی تو پہلی حکومت کا تختہ الٹ دیتی جیسا کہ شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دی ۔

فوج :

بادشاہ کے تحت ہر صوبہ مقامی فوج رکھتا تھا ۔ ناظمانِ صوبہ اور جاگیردار اپنے اپنے مناصب کے مطابق پیادہ و سوار سپاہیوں کے دستے تیار رکھنے کے ذمہ دار تھے ۔ صوبائی فوج کے علاوہ مرکزی فوج کے سپاہیوں کی ایک مناسب تعداد ہر صوبے میں متعین ہوتی تھی ۔ ان کی تنخواہ شاہی خزانے سے ادا کی جاتی تھی ۔ کچھ سپاہیوں کو گھوڑے ، وردی اور ساز و سامان بھی بادشاہ کی طرف سے ملتا ۔ اکثر سپاہی اپنے ساتھ خود گھوڑے اور ساز و سامان لاتے اور اپنے افسروں اور کمان داروں کے ہمراہ بھرتی کیے جاتے[2] ۔

بغاوت اور ہنگاموں کے دوران میں شاہی فوج مقامی سپاہ کی امداد کے لیے روانہ کی جاتی تھی ۔ اگر اس فوج کا کمانڈر ناظم کے منصب کے برابر ہوتا تو وہ براہِ راست بادشاہ کے زیرِ فرمان ہوتا ۔ بعض اوقات بادشاہ

---

1. Central Structure of Mughal Empire, p. 349.
2. Army of the Indian Mughals, p. 255.

صوبوں کو فوج بھرتی کرنے کا حکم دیتا ۔ صوبوں کے ناظم اس سلسلے میں علاقے کے جاگیر داروں اور زمینداروں سے امداد لیتے[1] ۔

مغلوں کے ہلکے گھڑ سوار رسالے ہندوستان کی بھاری بھرکم پیادہ فوج سے بہتر تھے ۔ دفاعی قلعوں میں محفوظ چھوٹی ریاستوں کا فتح کرنا بھی بڑا مشکل کام تھا ۔ مفتوحہ علاقوں میں امن قائم کرنا اور امدادی فوج کا بھیجنا بھی بڑا کٹھن تھا ۔

ہمایوں کی فوج ایرانیوں ، ترکوں اور افغانوں پر مشتمل تھی ۔ بعض اوقات ان کے باہمی اختلافات اور مناقشات کی بنا پر سلطنت کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا[2] ۔

انتظامِ سلطنت[3] :

عدلیہ کا انتظام قضاۃ کے سپرد تھا جو علماء میں سے نامزد کیے جاتے تھے ۔ فقہ حنفی کا اقتدارِ اعلیٰ قائم تھا ۔ اس لیے حنفی علماء کے فتوے پر عمل ہوتا تھا ۔ قضاۃ کے سامنے ہر نوع کے دیوانی و فوجداری مقدمے پیش ہوتے تھے ۔ فوجداری قانون ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے یکساں تھا ۔ زمین کے نزاعی مسائل عہدہ دارانِ محاصل طے کرتے تھے ۔ ناظمِ صوبہ کے سامنے داد خواہی کے لیے ہر عہدہ‌دار یا ظالم کے خلاف شکایت کی جا سکتی تھی ۔ مذہبی معاملات میں بادشاہ ، علماء اور اراکینِ سلطنت سے مشورہ لیتا تھا ۔ بادشاہ خود رعایا کی شکایات سنتا اور ان کی مشکلات کا ازالہ کرتا ۔ شیخ الاسلام کا منصب موجود تھا ۔ یہ لقب عام طور پر قاضی القضاۃ یا صدر الصدور کے لیے استعمال ہوتا ۔ اس عہدے کے لیے سب سے بڑا نیکوکار شخص مقرر کیا جاتا ۔ بادشاہ خود اس کے احکام بجا لاتا اور اس کے مشورے

---

1. History of India, Elphinstone, p 483 – 484.
2. Provincial Government of Mughals, p. 256–257.
3. History of India, Elphinstone, p. 482 – 486 ; The Mughal Administration by Sarkar, p. 17, 109 ; Central Structure of Mughal Empire, p. 306 – 310.

سے بے دینوں اور مرتدوں کے قتل کا حکم نافذ کرتا ۔ مذہبی معاملات کے لیے دربار میں علماء سے مشورہ کیا جاتا تھا[1] ۔

حکومت کی طرف سے کوئی مذہبی مؤسسات قائم نہیں تھے ۔ مخیّر حضرات کی بنا کردہ مساجد اخراجات کے لیے خود کفیل تھیں ۔ اولیاء اللہ کی خانقاہوں ، ان کے مزارات اور دوسری مؤسساتِ خیریہ کے لیے خاص وظائف دیے جاتے تھے اور زمینیں وقف کی جاتی تھیں ۔ ہر ضلعے میں ایک صدر کا تقرر ہوتا جو ان اوقاف کی نگرانی کرتا ۔ ایک صدر الصدور ہوتا تھا جو نا انصافی ، بد عنوانی اور بد انتظامی کے خلاف شکایات اور اپیلیں سنتا تھا ۔ وہ دربار کا بھی رکن ہوتا تھا اور اس کا بڑا اثر و رسوخ ہوتا تھا[2] ۔

اقوامِ ہند :

ہندوستان میں دو بڑی قومیں تھیں ؛ ہندو اور مسلمان ۔ ہندوؤں کو مذہبی آزادی حاصل تھی[3] ۔ ان کو ذمّی ہونے کی وجہ سے جزیہ اور مالیہ ادا کرنا پڑتا تھا ۔ مملکت کی انتظامیہ میں انہیں اعلیٰ مناصب پر متعین کیا جاتا تھا[4] ۔ ہندو زمیندار مالیہ وصول کرتے تھے ۔ بعض کو وراثةً یہ اختیارات حاصل تھے ۔ وہ جنگ کے زمانے میں سپاہیوں کی مقررہ تعداد مہیا کرتے تھے[5] ۔

ہندوؤں کی اپنی عدالتیں ہوتی تھیں جہاں وہ دھرم شاستر کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے ۔ ان عدالتوں میں حکومت کی طرف سے ودھوان پنڈت مقرر ہوتے تھے[6] ۔ قصبوں اور دیہاتوں میں مقدمات کا فیصلہ پنچایتیں کرتی تھیں جو قدیم زمانے سے چلی آتی تھیں[7] ۔

---

1. Central Structure of Mughal Empire, p. 256.
2. Ibid., p. 258.
3. Foundation of Muslim Rule in India, p. 298—299.
4. Ibid., p. 308.
5. History of India, Elphinstone, p. 483—84.
6, 7. Central Structure of Mughal Empire, p. 309; Provincial Government of the Mughals, p. 246—248.

ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم شادی کرنے کا بھی رواج تھا ۔ ہندو جو اسلام قبول کر لیتے تھے، اسی گاؤں میں اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ رہتے تھے[1] ۔ ایران ، بخارا اور عرب کے مسلمان یہاں آ کر اپنے نسلی امتیازات کھو بیٹھے ۔ انھیں پاکیزگیِ خون کا دعویٰ نہ رہا ۔ انھوں نے بہت سے ہندو عقاید ، رسم و رواج اور آدابِ معاشرت کو اپنا لیا[2] ۔

بدھ مت کے پیرو تقریباً ناپید تھے ۔ جین مت کے پیرو گم نام زندگی گزار رہے تھے ۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں ملک کے اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے تھے ۔ ماؤنٹ ابو ۔ سروہی ۔ گجرات میں سترنجیا ۔ میسور میں سروانا بنگولہ ان کے مراکز تھے ۔ پارسی یعنی زرتشتی مذہب کے پیرو ایران سے مہاجرت کے بعد مغربی ساحل خاص طور پر گجرات میں مقیم تھے ۔ کچھ یہودی ، شامی اور ارمنی، عیسائی بھی سواحل میں مقیم تھے ۔ پرتگیزوں نے گوا کی بنیاد رکھی تھی اور بعض دوسری بندرگاہوں پر بھی قابض تھے ۔

مذہبی اور اجتماعی تحریکیں

شیعیت :

شیعہ کے معنی فرقہ یا جماعت کے ہیں ۔ شیعہ ، نبیِ اکرم صلعم ، حضرت علی ، ان کے داماد ، حضرت فاطمہ ، ان کی بیٹی اور ان کے اخلاف کے پیرو تھے ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی ، نبی کے صحیح اور قانونی خلیفہ اور حقوقِ خداوندی کی بنا پر امامت کے وارث ہیں ۔ وہ کہتے ہیں

---

1. L'Inde Mystic, p. 151 ; Mughal Administration, p. 247.
2. Encyclopaedia of Religion & Ethics, Vol. VI, p. 453—58.

کہ نبی اکرمؐ نے خمِ غدیر پر حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کیا[1]۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ائمہ نے نبی اکرمؐ سے نور حاصل کیا۔ اس لیے وہ معصوم ہیں اور مذہبی معاملات میں غلط کار نہیں ہو سکتے۔ بعض شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ نورِ خدا کا مظہر ہیں۔

شیعہ عموماً امامیہ یا اثنا عشریہ کہلاتے ہیں، یعنی بارہ اماموں کے پیرو:

۱- علی (م-۴۰ھ/۶۶۰ع)
۲- حسن (۳-۴۱ھ/۶۲۴-۶۶۱ع)۔
۳- حسین (۴-۶۱ھ/۶۲۵-۶۸۰ع)۔
۴- علی زین العابدین (م-۹۵ھ/۷۱۳ع)۔
۵- محمد الباقر (۵۰-۱۱۳ھ/۶۷۰-۷۳۱ع)۔
۶- جعفر صادق (۸۳-۱۴۸ھ/۷۰۲-۷۶۵ع)۔
۷- موسیٰ بن جعفر (۱۲۸-۱۸۳ھ/۷۴۵-۷۹۹ع)۔
۸- علی بن موسیٰ رضا (۱۴۸-۲۰۳ھ/۷۶۵-۸۱۷ع)۔
۹- محمد الجواد (۱۹۵-۲۳۰ھ/۸۱۰-۸۳۵ع)۔
۱۰- علی الہادی (۲۱۲-۲۵۲ھ/۸۲۷-۸۵۶ع)۔
۱۱- حسن العسکری (۲۱۳-۲۶۰ھ/۸۲۸-۸۷۴ع)۔
۱۳- محمد المہدی (۸۷۸ع میں غائب ہوئے)۔

شیعہ متعہ کے قائل ہیں یعنی ایک مقررہ مدت کے لیے شادی کرتے ہیں۔ مقررہ میعاد ختم ہونے کے بعد عارضی نکاح خود بخود منسوخ

۱- خم غدیر: مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے تین میل کے فاصلے پر سڑک کے بائیں کنارے وادی میں ایک تالاب تھا۔ ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع سے واپسی پر ۱۸ ذوالحجہ ۸ ہجری کو اسی مقام پر رسول اکرم نے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
"من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا میں مولا ہوں، علی اس کا مولا ہے)

ہو جاتا ہے ۔ وہ اپنے اس اعتقاد کے ثبوت میں قرآن کی مندرجہ ذیل آیت پیش کرتے ہیں :

فاستمتعتم بہ منهن فأتوهن اجورهن فريضة (سورہ ۴ : آیت ۲۴)

(ان عورتوں میں سے جن سے تم تمتع کے طالب ہو ، ان کے حق مہر ادا کرو ، یہ فرض ہے)

روایت میں ہے کہ آنحضرت کے صحابی ابن عباس ''منهن'' کے بعد 'الی اجل مسمّی'' کے کلمات کا اضافہ کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ مقررہ مدت تک ان سے منفعت حاصل کرو ۔ شیعوں کے ہاں نکاح ، طلاق اور وراثت کے قوانین دوسرے مسلمانوں سے مختلف ہیں ۔ ان کے احادیثِ نبوی اور فقہی قوانین کے مجموعے الگ ہیں ۔

شیعوں کی مساجد بھی الگ ہیں ۔ نماز کے متن میں بھی اختلاف ہے اور نماز میں بعض حرکات بھی اہلِ سنّت سے مختلف ہیں ۔ ان کے اجتماعات کے مراکز بھی جداگانہ ہیں جہاں وہ حضرت حسین کے ماتم کے لیے جمع ہوتے ہیں ۔ اور یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک سوگ مناتے ہیں ۔ تعزیوں اور ذوالجناح کا جلوس نکالتے ہیں ۔ اہلِ تشیع اور اہلِ تسنن کے اختلاف و مناقشہ کا اصلی سبب یہ ہے کہ اول الذکر گروہ کے افراد رسول اکرم ؐ کے پہلے تین خلفاء کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے ۔

شیعہ سنی کا اختلاف ہندوستان میں بھی جا گزیں ہو چکا تھا ۔ جب ہمایوں ایران سے واپس آیا تو اس کے ہمراہ ایرانی سپاہی ، امراء اور علماء بھی آئے ۔ ان کا بھی اثر و نفوذ قائم ہوا ۔ ایران میں شیعیت مملکت کا مذہب قبول کر لیا گیا تھا ۔ شیعہ حکمرانوں کے خلاف ہندوستان میں غصہ و نفرت کے جذبات پیدا ہوئے تھے ۔ سنی علما بھی شیعوں کے سخت مخالف تھے ۔ شیر شاہ سوری ایران کے صفوی بادشاہوں کے خلاف تھا اور لڑائی کر کے ایران کو فتح کرنا چاہتا تھا ۔ عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے

کہ ایک مرتبہ مولانا رفیع الدین صفوی[1] نے حجِ کعبہ کے لیے حجاز جانے کی اجازت مانگی ۔ اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تم سے ایک اہم خدمت لینا چاہتا ہوں ۔ تم ترکیہ کے سلطان کے پاس جا کر اس کو صفویوں کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ کرو تاکہ ہم دونوں مل کر ان کو مغلوب کر سکیں ۔ بدایونی کی اصل عبارت یہ ہے :

''شیر شاہ گفت : مرا درین وادی جای مضایقہ نبود اما شما را برای مصلحتی نگہداشتہ ام و آن اینست کہ داعیہ دارم کہ در اندک فرصت بعونِ ایزد تعالیٰ و تقدس عرصہ دلکشای ہندوستان را از خار کفر پاک ساختہ و چند قلعہ کہ ماندہ عنقریب باندک توجہ تسخیر کردہ از کنار دریای شور گذشتہ تا قزلباش کہ سدِ راہ جماعہ حاج و زوار بیت الحرام گشتہ بدعتی در دین قویم و ملتِ مستقیم محمدی صلی اللہ علیہ و سلم پیدا کردہ ، محاربہ کنم و شما را از آنجا بوکالت و رسالت نزد سلطانِ روم فرستم تا میان من و او عقد برادری دین بستہ خدمت یکی از دو حرم شریف زاد ھما اللہ شرفا ازو بالتماس برای من بگیرید ۔ آن گاہ من ازیں طرف و خوندگار از آں طرف آمدہ قزلباش را از میان برداریم برای ادای ایں پیغام غیر از شما کسی را لایق نمی بینم و محض از برای حصول ایں مطلب دل بر رخصت شما نمی توانم نہاد[2] ۔''

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ہمایوں نے شیعی مشرب قبول کر لیا

---

۱ ۔ رفیع الدین صفوی : وہ ایک اہلِ علم و فضل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے علومِ معقول جلال الدین دوانی مصنف 'اخلاق جلالی'، سے پڑھے۔ حدیث مشہور محدث شمس الدین عبدالرحمٰن السخاوی سے پڑھی ۔ وہ سکندر لودھی کے عہدِ حکومت (۱۴۸۸-۱۵۱۷ع) میں ہندوستان آئے اور آگرہ میں مقیم ہو گئے ۔ ۹۵۴ھ/۱۵۱۷ع میں فوت ہوئے ۔

('اخبار الاخیار'، ص ۲۵۱-۲۵۲)

۲ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۱ ، ص ۲۷۰-۲۷۱ ۔

تھا[۱] - بعض کا خیال ہے کہ ہمایوں کو اس شرط پر امداد دی گئی تھی کہ وہ ہندوستان میں شیعیت کی تبلیغ کرے گا - ہمایوں کے عہدِ حکومت میں شیعہ منصب داروں نے سلطنت کے نظم و نسق میں اہم حصہ لیا - بیرم خان وزیر شیعہ تھا لیکن اس نے شیعہ مذہب کی تبلیغ میں سر گرم حصہ نہیں لیا - شمالی ہندوستان میں کافی تعداد میں شیعہ آباد تھے ، لیکن اکا دکا مناظروں اور مناقشوں کے سوا وہ سنیوں کے ساتھ امن و صلح سے زندگی بسر کر رہے تھے ۔ مذہب کے متعلق ہمایوں کا رویہ مصالحانہ اور روادارانہ تھا - اس نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کیا جس نے اسے مندرجہ ذیل الفاظ میں نصیحت کی تھی :

"ترقیٔ اسلام از تیغِ احسان است نہ از تیغِ ظلم و از مناقشاتِ اہلِ سنت و شیعہ چشم پوشی کن الا ضعفِ اسلام موجود است[۲] -"

جس زمانے میں مخدوم الملک[۳] مذہبی امور کا سربراہ تھا ، شیعہ حضرات پر سختی کا دور دورہ تھا - شیعہ سنی اختلاف اکبر کے لیے بھی دردِ سر کا باعث بنا -

مہدویت[۴]:

مہدی کا لقب سب سے پہلے علی بن حنفیہ کے نام منسوب کیا گیا

---

۱ - تاریخ فرشتہ ، ج ۱ ، ص ۲۳۷ (اشاعت نولکشور) -
History of India, Elphinstone, p 465.

۲ - یہ وصیت نامہ سٹیٹ لائبریری رامپور میں موجود ہے -

۳ - مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری : اس کا تعلق قبیلۂ انصار سے تھا - اس کے آباء و اجداد سلطان پور میں آباد ہوگئے - وہ فقہ ، حدیث اور عربی زبان میں ماہر تھا - ہمایوں نے اسے مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کا خطاب دیا - اسلام شاہ سوری کے عہد میں (۹۵۲-۹۶۰ء) وہ مذہبی امور کا سربراہ تھا - وہ پختہ عقاید کا سنی تھا اور دین سے انحراف کرنے والوں کے لیے بلائے بے درماں - اکبر کے دربار میں بھی اسے بڑا احترام و اقتدار حاصل تھا - لیکن بعد میں پہلی سی قدر و منزلت نہ رہی - اسے مکہ بھیج دیا گیا - واپسی پر وہ (۹۹۰ھ) گجرات میں فوت ہوا -

4. Encyclopaedia of Religion & Ethics, Vol. VII, p. 336.

اور مختار بن ابی عبید نے اسے استعمال کیا تاکہ وہ حضرت حسین کی شہادت کے بعد صاحبِ موصوف کو خلافت کا مستحق قرار دے۔ مہدی کے عمومی معنی 'خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ' لیے جاتے ہیں۔

ظہورِ مہدی کا عقیدہ بعض احادیث پر مبنی ہے[1]۔ مسلمانوں کا خیال ہے کہ ایک ایسا شخص آئے گا جو نا انصافی کو ختم کرے گا اور صحیح دین و اخلاق دوبارہ رائج کرے گا۔ روایات میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ مہدی خاندانِ نبوت میں سے ایک فرد ہوگا اور اس کے ظہور کی خصوصی علامات ہوں گی۔ اسلامی ممالک میں کئی اشخاص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔

اکبر کی تخت نشینی کے وقت ہندوستان میں مہدوی تحریک جاری تھی۔ یہ تحریک قرنِ دہم ہجری کے آغاز میں شروع ہوئی۔ بعض لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اس صدی میں مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ جونپور کے ایک زبردست عالم اور مقرر نے ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا[2]۔ اگرچہ پختہ عقاید کے مسلمانوں نے اس کی سخت مخالفت کی

۱۔ علامہ تمنا عمادی نے ان تمام احادیث کا تنقیدی جائزہ لیا ہے جو ظہورِ مہدی سے متعلق ہیں۔ چار احادیث 'ترمذی' کی، دس 'ابوداؤد' کی اور سات 'ابن ماجہ' کی ہیں۔ انھوں نے ان تمام کا مکمل تجزیہ کر کے ان کو مجہول اور ضعیف ثابت کیا ہے۔ دیکھیے ماہنامہ 'طلوعِ اسلام' لاہور، شمارہ مارچ، مئی ۱۹۵۴ء۔

۲۔ عبدالقادر بدایونی نے بیان کیا ہے کہ میں ایک دفعہ سرہند میں محمد حسین خان کی معیت میں میاں عبداللہ نیازی سے ملا۔ گفتگو کے دوران میں سید محمد جونپوری کے مہدی موعود ہونے کا ذکر آ گیا۔ عبداللہ نیازی ایک بوڑھے مغل کو لے کر آئے جو فراہ میں سید کی وفات کے موقع پر موجود تھا۔ اس نے بیان کیا کہ سید نے خود انکار کیا تھا کہ وہ مہدی موعود نہیں ہے۔ (منتخب التواریخ، ج ۱، ص ۴۰۵؛ ج ۳، ص ۳۶)
اس امر کی تصدیق 'مآثر الامرا' کے مصنف نے بھی کی ہے (ج ۱، ص ۱۲۵) اور مزید بتایا ہے کہ اس کے پیرو سید محمد کو مہدی موعود نہیں مانتے تھے بلکہ صرف مہدی کہتے تھے یعنی توفیقِ خداوندی سے ہدایت یافتہ۔

لیکن اس کے باوجود ملک کے چند نامور اور با اثر علماء نے اس کے دعوے کی تصدیق کی اور اس کے مرید ہوگئے - مہدوی روزِ حشر کو قریب سمجھتے تھے - انھوں نے اپنا تمام مال و متاع غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا - وہ قوانینِ اسلامی کے بے باک مبلّغ تھے اور قانونِ مملکت کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے[۱] -

بنگال کا ایک عالم شیخ علائی بیانہ میں مقیم ہو گیا تھا - عبداللہ خاں نیازی کے زیرِ اثر اس نے مہدویت کو قبول کر لیا - وہ شعلہ بیان مقرّر تھا - اس کی حرکی شخصیت کی وجہ سے بہت سے لوگ مہدوی عقاید کے پیرو ہوگئے -

مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری نے شیخ علائی کے خلاف اسلام شاہ سوری (۱۵۴۵-۱۵۵۲ع) کے کان بھرے اور بتایا کہ یہ شخص بغاوت پھیلائے گا جس کا فرو کرنا بادشاہ کے اختیار سے باہر ہو جائے گا - شیخ علائی کو دربار میں بلایا گیا اور اسے کہا گیا کہ اپنے عقاید کی توضیح کرے - چند ایک علماء مثلاً سید رفیع الدین صفوی ، شیخ مبارک اور ابوالفتح تھانیسری[۲] کو منصف مقرر کیا گیا - لیکن وہ قطعی رائے نہ دے سکے - بادشاہ شیخ علائی کے خلوص اور دینی حمیت سے بہت متأثر ہوا - اس نے مہدوی عقاید ترک کرنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے قبول نہ کیا - آخر اس کو شہر بدر کر کے دریائے نربدا پر واقع سرحدی قصبہ ہانڈیا میں بھیج دیا گیا - وہاں کا حاکم بھاری خان سروانی ، اپنے سپاہیوں سمیت شیخ کا مرید ہو گیا - مخدوم الملک نے تو اس کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا - اور وہ

---

۱ - منتخب التواریخ ، ج ۱ ، ص ۳۹۸ -

۲ - ابوالفتح تھانیسری ، جلال الدین : ان کے آباء و اجداد بخارا سے آئے تھے - وہ بہت ذہین تھے - سات سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علومِ دینی سے فارغ التحصیل ہو کر استاد بن گئے - یہ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید تھے اور اپنے تقوی اور علم کی وجہ سے معروف تھے - ۹۸۹ھ میں فوت ہوئے - (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ، ص ۴۳۹ ، ۴۴۰ -)

بادشاہ کو بھی مستقبل کے خطرات سے آگاہ کیے جاتا تھا۔ آخر شیخ علائی کو بہار میں ایک بہت بڑے عالم میاں بڈھا کے پاس بھیجا گیا تا کہ وہ اس کے عقاید کا جائزہ لے کر اپنی رائے لکھے۔ یہاں بڈھا نے لکھا کہ اسلام کا انحصار مہدی پر عقیدہ رکھنے یا نہ رکھنے پر نہیں اور ظہورِ امام کے متعلق علماء میں بہت اختلاف ہے اس لیے وہ شیخ علائی کے ارتداد کے متعلق فتویٰ نہیں دے سکتا۔ یہ خط میاں بڈھا کے بیٹوں نے روک لیا اور مخدوم الملک کے خوف سے مشکوک سا بیان لکھ دیا اور فیصلہ مخدوم الملک پر چھوڑ دیا۔ بادشاہ نے علائی کو مخدوم الملک کے حوالے کر دیا جس کے حکم سے شیخ کو اتنے دُرے لگائے گئے کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ع میں انتقال کر گئے۔ اس واقعہ سے پہلے ۹۵۵ھ/۱۵۴۸ع میں میاں عبداللہ نیازی کو بھی سخت سزا کا سامنا کرنا پڑا تھا[1]۔ اکبر کے عہد تک یہ مذہبی تعذیب جاری رہی۔ ہمایوں کی واپسی اور بیرم خان کے عروج پر یہ ظلم و تشدد کچھ عرصے کے لیے کم ہوگیا کیونکہ ان دونوں کا شیعیت کی طرف خاصا میلان تھا۔ مہدویوں کے خلاف یہ تشدد اور دوسرے اہلِ عقیدہ کے خلاف علماء کی مخالفت نے اکبر کے ذہن پر آخر کار برا اثر ڈالا۔

عام لوگوں میں ظہورِ مہدی کا عقیدہ عام ہونے کی وجہ سے مفاد پرست اشخاص کو موقع ملا کہ وہ قرنِ دہم کے اواخر میں اکبر کے لیے 'امامِ زمان' کا لقب تجویز کریں۔

تصوّف اور بھگتی[2]:

تصوف صوف سے مشتق ہے جس کے معنی اونی کپڑا ہے۔ صوف کا لباس سادہ و بے تکلف زندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا اور بعض متقی عبادت گزار اشخاص مسلمانوں کے تعیش پسند رجحانات کے خلاف احتجاجاً پہنتے تھے۔ سب سے پہلا شخص جس کے نام کے ساتھ صوفی کا نام استعمال

۱۔ منتخب التواریخ، ج ۱، ص ۴۰۵۔

2. Literary History of Persia. E. G. Browne, Vol. II, pp. 416—438 ; Encyclopaedia of Islam under the word 'Tasawwuf'.

ہوا ، ابو الہاشم شامی (م-۷۷۷ع) تھا ۔ سب سے پہلا مصنف جس نے تصوف کی اصطلاح کو استعمال کیا وہ یحیٰی بن معاذ رازی (م-۸۲۱-۸۲۲ع) تھا ۔ تصوف کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی کے اواخر اور نویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوا ۔

تصوف کی اصلیت کے متعلق مختلف آراء ہیں ۔ بعض کا خیال ہے کہ تصوف پیغمبر کے الہامی نظریات کا ترجمان ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عربی مذہب کے خلاف آریائی ذہن کا ردِ عمل ہے ۔ بعض کا قول ہے کہ یہ نو افلاطونی فلسفے کے زیرِ اثر وجود میں آیا ہے ۔

تصوف کوئی باقاعدہ مرتّب علم نہیں تھا ۔ یہ تو آزاد اور وسیع المشرب مذہب تھا ۔ رسالۂ قشیریہ ، تذکرۃ الاولیاء ، مؤلفۂ فرید الدین عطار اور نفحات الانس مؤلفہ عبدالرحمٰن جامی میں بزرگ صوفیہ کے جو اقوال ملتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں روح کی تسکین اور اطمینان کے لیے ایک گہری خواہش ، خدا سے والہانہ محبت ، ثواب و عقاب سے بے نیازی ، ظاہرداری اور ریاکاری کے خلاف شدید جذبات کا اظہار ملتا ہے ۔ تصوف میں وحدت الوجود کا عقیدہ بایزید بسطامی اور جنید بغدادی کے توسط سے داخل ہوا ۔ بایزید بسطامی نے کہا :

"سبحانی ما اعظم شانی-لوائی اعظم من لواء محمد"[1]

جنید نے کہا : "خدا تعالیٰ تاسی سال بزبان جنید با جنید سخن گفت[2] ۔"

خدا ، تصور و تفکر اور عشق کا موضوع تھا ۔ اس کی ذات ایک حقیقت تھی ، باقی سب کچھ سراب تھا ۔ دسویں صدی کے آغاز میں منصور الحلاج کے نعرۂ 'انا الحق' نے ایک تہلکہ مچا دیا ۔ مروجہ مذہب کے خلاف اعلانات کے جرم میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا ۔ گیارھویں صدی کے اواخر میں غزالی (م-۱۱۱۱-۱۲ع) نے تصوف کو ایک فلسفے کی صورت میں پیش

---

۱ - تذکرۃ الاولیاء ، ص ۱۷۶ -
۲ - خزینۃالاصفیاء ، ج ۱ ، ص ۷۶ -

کیا ۔ صوفی شعراء سنائی ، عطار اور رومی نے نظریۂ تصوف کو مقبول بنانے میں بڑا حصہ لیا ۔

صوفی ظاہری رسوم کے پابند نہیں تھے ۔ وہ رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر تمام بنی نوعِ انسان کو خدا کی مخلوق سمجھتے تھے ۔ وہ مذہب میں غلو اور تعصب کو پسند نہیں کرتے تھے ۔ انھوں نے صلحِ کل اور محبت کا پیغام دیا ۔

ہندوستان میں بزرگ صوفیہ معین الدین چشتی اجمیری (۱۱۴۳ - ۱۲۳۵ع) بابا فرید گنج شکر (۱۱۸٦ - ۱۲٦۵ع) گیسو دراز (۱۳۲۱ - ۱۴۲۲ع) اور نظام الدین اولیاء (۱۲۳٦ - ۱۳۳۵ع) کا بڑا احترام تھا اور تمام ملک میں انھیں معزز و مقدس مانا جاتا تھا ۔ گجرات ، دہلی اور آگرہ اہم مراکز تھے جہاں صوفیان کرام رہتے تھے، تبلیغ کرتے تھے اور روحانی فیوض و برکات سے مالا مال کرتے تھے ۔ مروجہ علوم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد طلبہ کا یہ ایک طریقِ کار بن گیا تھا کہ وہ تصوف کا مطالعہ کرتے تھے اور ایک مرشد کے مرید ہو کر روحانی تربیت اور فیض حاصل کرتے تھے لاہور میں شیخ داؤد (م - ۹۳۸ھ) آگرہ میں شیخ سلیم چشتی (۸۸۸ - ۹۷۹ھ) اور دہلی میں شیخ عبدالعزیز (م - ۹۴۵ھ) جیسے اولیائے کرام کا بڑا چرچا تھا اور عوام و خواص ان کے ارادت مند تھے ۔

تصوف کا ہندو مت پر بھی اثر پڑا ۔ جنوب میں رامانج (۱۰۱٦ - ۱۱۳۷ع) نے فلسفۂ ویدانت سے ایک نظریہ نکالا ۔ اس میں مرکزی خیال دیوتا کی شخصیت تھی جس کی پرستش اور والہانہ محبت میں انسان کی نجات وابستہ تھی ۔ اس نظریے سے بھگتی پوجا کی تحریک پیدا ہوئی ۔ رامانج نے رام کو موضوعِ پرستش قرار دیا ۔ اس کی تحریک تصوف کے مندرجہ ذیل عقاید سے مماثلت رکھتی تھی :

۱ - ذات پات کے تمام امتیازات کی تخریب ۔
۲ - انسان کی نجات کے لیے قوتِ ایمان ۔
۳ - توحید اور انسانی مساوات ۔

۴ - زندہ پیر و مرشد کے توسط سے ذاتِ خداوندی میں فنائیت -
۵ - عوام کی بولی میں حق کی تبلیغ کرنا - حق کو کتبِ مقدسہ تک محدود نہ رکھنا اور صرف صاحبِ امتیاز افراد کے لیے مخصوص نہ کرنا -
۶ - عقاید اور مذہبی مباحث کے بجائے شدتِ جذبات کے ذریعے روحانی تربیت -
۷ - پرستش میں موسیقی اور گیتوں کی اہمیت -
۸ - بت پرستی سے اجتناب -

رامانند ، تلسی داس ، کبیر اور نانک نے انھی نظریات کی تبلیغ کی - رامانند (م - ۱۴۱۱ع تقریباً) نے ذات پات کے خلاف بغاوت کی اور معاشرے کے کمین اور پس ماندہ افراد کی ترقی کے لیے کوشش کی - عوام پر اس کے گیتوں کا بڑا اثر ہوا - اس کے مرید تلسی داس نے اپنی دلکش اور پر خلوص کوِتا کے ذریعے ہندوؤں کے دلوں میں راما بھگتی کا ولولہ پیدا کیا - اس کے ایک اور پیرو کبیر (۱۳۹۸ - ۱۴۹۲ع تخمیناً) نے اپنے پر اخلاص طعن و طنز سے انسانی اخوت اور صلح جوئی کا پیغام دیا اور انسانی زندگی کا منتہائے مقصود وصالِ محبوبِ حقیقی قرار دیا - اس نے کہا : "میں اس جذبۂ اخوت کے لیے قربان ہونا چاہتا ہوں جس سے ذات پات اور رنگ و نسل کا امتیاز مٹ جائے[1] -" اگرچہ وہ مسلم گھرانے میں رہتا تھا لیکن ہندو و مسلم دونوں اس کے جنازے کے دعویدار ہوئے - کبیر کی بھگتی تحریک نے عوام کو بہت متأثر کیا - رائے داس ، ہندو کفش دوز ، سائیں حجام ، دھنا جاٹ ، پیپا اور ایک حکمران راجہ نے اس کا اتباع کیا اور ایک ذاتی دیوتا کی پرستش کو اپنا شعار بنایا[2] - سور داس نے رادھا اور کرشنا کی محبت کے گیت گائے - کیشو داس اور میرا بائی نے بھی اپنے گہرے جذبۂ محبت سے بھگتی تحریک کو فروغ بخشا - نانک (۱۴۶۹ - ۱۵۳۹ع) نے مسلم معاشرے میں پرورش پائی - اس نے ترکِ علائق کر کے ہندو اور مسلم درویشوں اور عارفوں سے ملاقات کے لیے شہر شہر کی سیر کی اور بنارس

---

1. & 2. Making of India, p. 92, 93.

کے مقاماتِ مقدسہ دیکھے اور زیارتِ مکہ سے بھی سرفراز ہوئے ۔ وہ توحید پرست تھے اور نورِ روحانی سے فیضیاب ۔ انھوں نے ظاہری رسوم و قیود کی مخالفت کی ۔ مذہبی حد بندی توڑنے کا مشورہ دیا ۔ وہ کہتے تھے ، اصل مرید وہ ہے جو اپنے نفس کو پاک کرے ۔ مخلص و قانع اور اپنے قول و فعل کا صادق ہو ۔ پنجاب میں ان کے بہت سے پیرو ہو گئے جنھوں نے بعد میں اپنے آپ کو مذہبی و سیاسی جماعت بنا لیا اور سکھ قوم کے نام سے روشناس ہوئے ۔

بنگال میں بھی بھگتی تحریک کا چرچا ہوا ۔ وہاں کے بزرگ عارف چیتن (۱۴۸۵ - ۱۵۳۳ء) نے راما کی بجائے کرشنا کو موضوعِ پرستش و عشق قرار دیا ۔ اس نے وجد اور رقص و موسیقی کو بڑی اہمیت دی ، اس کا خیال تھا کہ عاشق وجد و کیف کی حالت میں اپنے محبوب سے ہم کلام ہوتا ہے ۔

ان تمام تحریکوں کا مقصد یہ تھا کہ معاشرتی قیود ختم ہوں ۔ ظاہری رسوم کی پابندی کم اور روحانی تربیت کے ذریعے مذاہب میں اتحاد و یکسانیت پیدا ہو ۔ ان رہنماؤں کی کوششوں سے اگرچہ یہ تحریک ایسی کوئی مخصوص صورت اختیار نہ کر سکی جس سے عوام اپنے آپ کو منسوب کر سکتے لیکن اکبر سے پہلے سولھویں صدی میں لوگوں میں باہمی الفت و رواداری کی ایسی فضا پیدا ہو چکی تھی جو دنیا کے کسی ملک میں موجود نہیں تھی ۔

روشنیہ[۱] :

مہدویہ سے ملتی جلتی تحریک روشنیہ تھی ۔ روشنیہ ظہورِ مسیح پر اعتقاد رکھتے تھے ۔ ان کا قول تھا : ”خدا حقیقتِ مطلق اور عقلِ کل ہے ۔ انبیاء کی ارواحِ مقدسہ خدا سے نور حاصل کرتی ہیں ۔ آفتاب و باراں میں

---

۱ ۔ دبستان المذاہب ، ص ۳۰۴-۳۱۹ ۔
Journal of Indian History, 1930, p. 318 – 319 : Asiatic Researches Vol. II, p. 386.

بھی قوائے روحانی موجود ہیں - مختلف ادوار میں بعض تاریخی شخصیتوں میں بھی یہ الٰہیاتی روح موجود ہوتی ہے - لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کو دریافت کریں اور شناخت کریں - یہ شخص روحانی ریاضت کے بعد خدائی صفات کا مجسم بن جاتا ہے -" سولھویں صدی میں الہ آباد کے مغرب میں کالنجر کا رہنے والا ملا سلیمان اس نظریے کا مبلغ تھا - وہ بایزید انصاری (پیر روشن) کا استاد تھا - بایزید گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا ، ہندوستان میں اس کی آمد و رفت رہتی تھی - وہ پیرِ کامل کی تلاش میں رہتا تھا - جب وہ کنی گرام ، گومل اور قرم کے درمیان اپنے وطن واپس آیا تو اس نے خلوت اختیار کر لی اور عبادت و ریاضت سے روحانی برکات حاصل کیں اور معرفتِ خداوندی کے اعلیٰ مراتب پر پہنچا - اس نے اپنے روحانی مقام کے متعلق لکھا ہے:

"بہر سو کہ نظر می کردم بچشمِ دل بی مثل دیدم - ہیچ چیز از ہستی او جدا نمی دیدم و ہیچ آواز بی تسبیحِ حق نمی شنیدم[1] -"

بایزید کا مسلک اہلِ تصوف کا مسلک تھا - اس نے اپنی تکمیل کے بعد دوسروں سے کہا :

"جو شخص میرے پاس آئے ، وہ یقین کرے اور مجاہدہ اختیار کرے - قرآن کی اطاعت ، نبی کی احادیث اور اولیاء و مشائخ کے اقوال کے مطابق فرماں برداری میں اخلاص سے کام کرے وہ عنایتِ خداوندی سے شریعت سے طریقت ، طریقت سے حقیقت ، حقیقت سے معرفت اور قربت و وصلت کی خبر سنے گا اور خفی و جلی شرک کی پلیدی سے باہر نکل آئے گا -"

اس نے اپنی تصانیف خیر البیان ، صراط التوحید ، مقصود المومنین اور حالنامہ میں اپنی زندگی کے احوال و کوائف اور عقاید و افکار پر روشنی ڈالی ہے -

۹۴۹/۱۵۴۲ء تک اس کے بہت سے مرید ہو گئے اور اس نے بے دینوں اور احکامِ خداوندی کے نافرمانوں کے خلاف جہاد شروع کیا -

---

۱ - صراط التوحید ، ص ۱۰ -

پرانے طریق کے پیر و علماء اور متصوفین نے بایزید کی مخالفت کی اور اسے مرتد و کافر قرار دیا ۔ شروع شروع میں بایزید نے اکبر بادشاہ کے پاس صراط التوحید کا نسخہ بھیجا ۔ اس نے خوشی کا اظہار کیا اور نذر و تحائف بھیجے ۔ بعد میں میرزا حکیم کے فوجی دستوں سے چپقلش کی وجہ سے بایزید اور اس کے ہمراہیوں میں نفرت و عداوت کا سلسلہ چل نکلا ۔

شطاریہ[1]

اس سلسلۂ تصوف کے بانی شیخ بایزید طیفور بسطامی (م - ۲۶۰ھ) ہیں ۔ شطار کے معنی ہیں تیزی سے چلنے والا یعنی سلوک و معرفت کی منازل کو تیزی سے طے کرنے والا ۔ اصطلاح میں وہ شغلِ باطنی جس سے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے ۔ اس سلسلے کے ایک پیشوا شاہ عبداللہ شطاری (م - ۸۹۰ھ) برِصغیر پاک و ہند میں آئے اور ان کے توسط سے اس سلسلے کی اشاعت ہوئی ۔ ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ شیخ محمد عطا معروف بہ شیخ قاضی شطاری ، ان کے فرزند ابو الفتح ہدایت اللہ سرمست (م - بعد ۹۴۶ھ) اور حاجی حمید الدین حضور (م - ۹۳۰ھ) نے صوبۂ بہار میں اس سلسلے کی اشاعت کی ۔ سب سے زیادہ چرچا حاجی حمید الدین حضور کے خلیفہ شاہ محمد غوث گوالیاری (م - ۹۷۰ھ) کے توسط سے ہوا ۔ چنانچہ آگرہ ، دہلی ، برہانپور ، احمد آباد ، اجمیر ، سرہند وغیرہ میں ان کے مریدوں کی کثرت ہو گئی ۔

شاہ عبداللہ سفر میں شاہانہ لباس پہنتے ۔ ان کے مرید فوجی وردیاں پہنتے ۔ ساتھ ساتھ پرچم اٹھائے ہوئے ڈھول تاشے بھی بجاتے ۔ جہاں پہنچتے اعلان کرتے : "کوئی ہے جو خدا کا رستہ دیکھنے کا آرزو مند ہو" ۔

ظہیر الدین بابر کے دل میں محمد غوث گوالیاری کا احترام تھا ۔ چنانچہ اس نے ان کی سفارش پر رحیم داد ناظمِ گوالیار کی خطا معاف کی اور اس کو

---

۱ - شاہ غوث گوالیاری ، محمد مسعود احمد ، میر پور خاص ، ۱۹۶۴ع ۔

رہیں بر سرِ حکومت رہنے دیا[1]۔

ہمایوں کو بھی شیخ محمد غوث اور ان کے بھائی شیخ بہلول سے گہری عقیدت تھی اور اس نے ان سے دعوتِ اسماء کا طریقہ سیکھا تھا۔ بدایونی نے بتایا ہے کہ ۹۶۶ھ میں شیخ محمد غوث اکبر سے ملے اور اس کو اپنی ارادت میں لے لیا۔ اس کے الفاظ ہیں :

"بادشاہ را در صغرِ سن بتحریص و ترغیبِ تمام بوسائل و وسایط در سلک ارادت آورد[2]۔"

شیخ گدائی اور بیرم خاں کو یہ ملاقات سازگار نہ ہوئی۔

معتمد خان نے بتایا ہے کہ شیخ محمد غوث ۹۷۰ھ میں آگرہ میں ہی وفات پا گئے۔ وصیت کے مطابق نعش گوالیار پہنچائی گئی۔ اکبر نے مزار پر مقبرہ تعمیر کروایا اور اخراجات کے لیے تین لاکھ پانچ ہزار روپیہ کی جاگیر مقرر کی[3]۔

شاہ غوث کے فرزندِ اکبر اور خلیفہ شاہ عبداللہ کے ساتھ بھی اکبر کو بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ شاہزادہ سلیم کی تقریبِ بسم اللہ پر ہاتھی، گھوڑے اور سوار بھجوا کر گوالیار سے آنے کی درخواست کی اور انہوں نے یہ تقریب انجام دی۔ شیخ نور الدین ضیاء اللہ (م - ۱۰۰۶ھ) کے ساتھ ابو الفضل کی راہ و رسم تھی۔ مکاتباتِ علامی میں ان کے نام ایک خط ۹۹۶ھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔

سید محمد غوث ہندو تصوف سے خوب آگاہ تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ بھی تعظیم سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے بحرالحیات کے نام سے امرت کنڈ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

۱۔ تزک بابری مترجمہ نصیر الدین حیدر، کراچی، ۱۹۶۱ع، ص ۳۵۴-۳۵۵۔

۲۔ منتخب التواریخ عبدالقادر بدایونی، کلکتہ، ۱۸۶۹، ص ۳، ۵۰۔

۳۔ اقبالنامہ، معتمد خان، ج ۱، ص ۱۳۹۔

شطاریوں کے نزدیک طرقِ الی اللہ تو بے شمار ہیں لیکن تین زیادہ قریب ہیں : (۱) طریقِ اخیار (۲) طریقِ اصحابِ مجاہدات و ریاضات - (۳) طریقِ شطار - تیسرا طریق اقرب الطرق الی اللہ ہے - اس کے اصولِ طریق دس ہیں : توبہ ، زہد ، توکل ، قناعت ، عزلت ، توجہ ، صبر ، رضا ، تسلیم ، ذکر کا نام دیا جاتا ہے - ان سب صفات کا مفہوم و مطلب ماسوی اللہ کی محبت سے خروج ہے -

شطاریوں کا خاص طریق ذکرِ اسمائے الٰہی ہے- ان کے نزدیک تین قسم کے اسماء ہیں : جمالی ، مشترک اور جلالی - وہ اسی ترتیب سے ان کے ذکر کی تلقین کرتے ہیں - ان کے نزدیک اسماء کی تقسیم یوں ہے :

جمالی - یا ملک - یا قدوس - یا علیم
مشترک - یا سلام - یا مؤمن - یا مہیمن
جلالی - یا قہار - یا جبار - یا متکبر[1]

نقطوی[2]

تحریکِ نقطوی کا بانی محمود پسیخانی آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے - اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہر چیز خاک سے پیدا ہوتی ہے جسے وہ نقطہ کہتا تھا - اس لیے اس کے ماننے والے نقطوی یا اہلِ نقطہ کہلائے - چونکہ وہ پسیخان (گیلان) کا رہنے والا تھا اس لیے اس کے پیرو اس کے نام و مقام کی مناسبت سے محمودیہ اور پسیخانی بھی کہلائے - ان کے متبعین میں سے جو شادی نہیں کرتے ، واحدیہ اور جو شادی شدہ ہوتے ، امناء کہلائے -

---

۱ - رسالۂ شطاریہ ، بہاءالدین بن ابراہیم عطاءالانصاری ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۰۲۷ ، برگ ۱۳۵ ب-۱۳۷) -

۱ - عالم آرائی عباسی ، سکندر منشی ، تہران ، ج ۲ ، ص ۳۲۳-۳۳۶ ، دبستان المذاہب ، نولکشور ، ۱۸۸۱ ، ص ۲۹۹-۳۰۳ - مآثر الامرا ، شاہنواز خان کلکتہ ، ج ۳ ، ص ۲۸۵ - منتخب التواریخ ، عبدالقادر بدایونی ، کلکتہ ، ج ۲ ، ص ۲۸۸ ، ج ۳ ، ص ۲۰۴-۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۳۷۸-۳۷۹ - نقطویان یا پسیخانیان ، صادق کیا ، تہران ، ۱۳۲۰ ھ ش -

نقطوی حشر و نشر ، دوزخ و بہشت اور آخرت کے قائل نہیں تھے۔ وہ تناسخ کو مانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہر صورت و جسم کے ذرات اس کائنات میں موجود رہتے ہیں اور وہ گھاس ، پتھر ، حیوان اور انسان کی صورتوں میں نمودار ہوتے ہیں۔

محمود نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو انسانِ کامل اور مرکب مبین کہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دینِ اسلام ختم ہو گیا ہے اور دورِ عرب جاتا رہا ہے۔ اب دورِ عجم ہے۔ یہ دور آٹھ ہزار سال کا ہو گا۔ اس میں آٹھ مبین ہوں گے۔ پہلا مبین وہ خود ہے۔ چونکہ وہ عالم ، عامل ، متقی ، پرہیزگار اور خوش بیان تھا ، اس لیے اس کے بہت سے پیرو ہو گئے تھے لیکن وہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھتے تھے۔ شاہ عباس صفوی بادشاہِ ایران نے بے دینوں اور ملحدوں کو ختم کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور چن چن کے نقطویوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ کچھ لوگ جان بچا کر ہندوستان چلے گئے۔ ان میں سے نقطویوں کا ایک عالم رہنما میر شریف آملی بھی تھا جو اکبر کے دربار میں پہنچا۔ اس کی تعظیم و تکریم ہوئی۔ ۹۹۳ھ میں وہ کابل کا صدر و امین تھا۔ ۹۹۹ھ میں بنگال و بہار کا امین ، صدر اور قاضی تھا۔ ۱۰۰۶ھ میں اجمیر اس کی جاگیر میں شامل ہوا۔ ۱۰۰۹ھ میں اسیر گڑھ کے محاصرے میں وہ بادشاہ کے ہمراہ تھا۔ ابو الفضل کے ساتھ بھی شریف آملی کے دوستانہ مراسم تھے۔ مکاتباتِ علامی جلد سوم میں میر شریف آملی کے نام سات خطوط مندرج ہیں۔ بقول بدایونی شریف آملی نے ہی محمود بسیخانی کے رسالے سے استشہاد کر کے تصریح کی کہ ۹۹۰ھ میں باطل کو مٹانے والا ایک شخص نمودار ہو گا۔ نقطوی عقیدہ رکھنے والے دو شاعر وقوعی نیشاپوری اور تشبیہی کاشی بھی ہندوستان آ گئے تھے۔

ایران میں سید احمد کاشی نقطویوں کا سرغنہ تھا ۔ شاہ عباس صفوی نے اسے اپنی تلوار سے خود قتل کیا ۔ اس کے گھر میں تلاشی پر اس کے کاغذات میں سے وہ خط ملا جو ابو الفضل نے اکبر بادشاہ کی طرف سے احمد کاشی کو لکھا تھا ۔

پنجاب یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے فاضل استاد محمد اسلم نے اپنی کتاب "دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دینِ الٰہی کے اکثر عقاید اور آداب و رسوم نقطویوں سے مأخوذ ہیں ۔

———:o:———

باب دوم

ابوالفضل کے اب و جد

باب اول میں مذہبی و معاشرتی احوال و کوائف کا جائزہ پیش کرنے کے بعد اب ہم ابو الفضل کی زندگی کے حالات بیان کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا جائزہ اس کی زندگی کے تغیرات و ذہنی کشمکشوں کے سمجھنے میں پس منظر کا کام دے گا۔

آباء و اجداد

ابو الفضل نے اپنے خود نوشت سوانح حیات میں بتایا ہے[1] کہ میرے آباء و اجداد نسلاً عرب تھے اور یمن میں رہا کرتے تھے۔ میرے پانچویں جد شیخ موسیٰ نویں صدی ہجری میں ترکِ وطن کر کے سوستان[2] کے موضع ریل میں آ کر آباد ہو گئے۔ ان کے بیٹے اور پوتے خوشگوار زندگی بسر کرتے رہے اور ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ ان میں ایک شیخ خضر ابو الفضل کے دادا تھے جو دسویں صدی کے آغاز میں وسطی ہند کے اولیائے کرام کی زیارت کے لیے سوستان سے باہر گئے۔ سید یحییٰ بخاری[3]،

---

۱ - آئین اکبری، حصہ سوم، ص ۲۵۸-۲۸۳ -

۲ - سوستان: قدیم سندھ کے پانچ صوبوں میں سے ایک تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل پانچ اضلاع تھے -
۱ - بودھیہ (بدھوں کا علاقہ) - ۲ - جھنکان - ۳ - کوہستان رو جیان
۴ - کوہ پایہ - ۵ - مکران کے سرحدی علاقے۔ اس کا موجودہ نام سہوان ہے۔ (چچ نامہ، ص ۱۵) -

۳ - سید یحییٰ بخاری: مخدوم جہانیاں جہانگشت کے خاندان کے ایک بزرگ اعلیٰ روحانی اقدار کے مالک تھے -

شیخ عبدالرزاق قادری[1] اور شیخ یوسف سندھی[2] جیسے بزرگ اساتذہ اور عرفا کے زیرِ اثر وہ ناگور[3] میں آباد ہو گئے ۔ وہاں ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ع میں ابو الفضل کے والد شیخ مبارک پیدا ہوئے ۔ وہ ابھی نوجوان تھے کہ ان کے والد شیخ خضر خاندان کے بعض افراد کو سوستان سے لانے کے لیے گئے مگر وہ راستے میں ہی فوت ہو گئے ۔ اسی اثنا میں ناگور میں طاعون کی وبا پھیل گئی ۔ شیخ مبارک کی والدہ کے سوا خاندان کے سب افراد ہلاک ہو گئے ۔ ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ع میں ان کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا اور شیخ مبارک تنہا رہ گئے ۔

ابو الفضل اور فیضی سے عداوت رکھنے والے اشخاص ان کے والد شیخ مبارک کو نیچ خاندان سے منسوب کرتے تھے کیونکہ ان دنوں مبارک عموماً گھر کے نوکروں کا نام رکھا جاتا تھا ۔ شیخ مبارک نے بھی یہ بات سن لی تھی ۔ اس لیے انھوں نے اپنے بیٹوں کے ذہن سے اس قسم کے شبہات دور کرنے کے لیے ایک مرتبہ لکھا :

"بابای من ۔ فضلای این عہد کہ ہمہ جو فروش و گندم نما اند و دین را بدنیا فروختہ تہمت آن بر ما بستہ اند ۔ از گفتۂ آن نباید رنجید ۔ از آنجا کہ از طرف نجابت ما گفتگو دارند ، دل بتشویش نباید نمود ۔ در ایامی کہ والدین ودیعت حیات نمودند ، بحد تمیز نرسیدہ بودم ۔ والدۂ من مرا در سایۂ عواطف یکی از سادات ذوی الاحترام در کمال عسرت پرورش می نمود و در تربیتِ من از درس علمی و دیگر تا دیب کمال سعی بکار می برد ۔ از آنکہ پدرم مرا حسب فرمودۂ بزرگی موسوم بہ مبارک ساختہ بود ، روزی یکی از ہمسایہ ہای حسد پیشہ آن سید والا نژاد کہ غمخواری و تیمارداری ما بیکسان می نمود ، مادر را

---

۱ ۔ عبدالرزاق قادری : عبدالقادر ثانی کے بیٹے اور اپنے وقت کے مشہور درویش ۔ ۹۴۲ھ میں ناگور میں فوت ہوئے ۔

۲ ۔ یوسف سندھی : عبدالرزاق قادری کے معاصر ۔ ناگور میں رہتے تھے ۔ علم شریعت و طریقت کے ماہر تھے ۔

۳ ۔ ناگور : ریاست جودھپور کا ایک ضلع ۔ جودھپور بیکانیر ریلوے پر واقع ہے ۔

بکلمات درشت رنجانیدہ مرا بعدم نجابت مطعون نمود و آن سید والا او را زجر و توبیخ تمام فرمود ۔ الحال کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ما و شما را از فضل بی پایان خویش در سایۂ لطف و کرم بادشاہ عادل ، فخرِ زمین و زمن بدین مرتبہ و پایہ رسانده کہ فضلای عصر از راہ ہم چشمی حسد میدارند و رشک می برند[1] ۔"

والدِ محترم

مبارک ذہین لڑکا تھا ۔ اس نے چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم پڑھ لیے ۔ اس نے شیخ عطن[2] سے سلوک و طریقت میں تربیت حاصل کی ۔ چار مہینے شیخ فیاض بخاری مریدِ خواجہ عبیداللہ احرار[3] کی صحبت میں روحانی فیض حاصل کیا ۔ ہمایوں کی شکست اور ہنگاموں کے دوران وہ ناگور چھوڑ کر احمد آباد چلا گیا ۔ وہاں اس نے علوم کے دوسرے شعبوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی ۔ اسلامی فقہ کے چار مشہور مذاہب کی فقہ کا دقیق مطالعہ کیا اور مجتہد[4] کا امتیاز حاصل کیا ۔ روایتاً وہ حنفی فقہ کے پیرو تھے لیکن وہ کورانہ تقلید نہیں کرتے تھے ۔ انھوں نے علمِ کلام و تصوف پر مختلف رسائل کا مطالعہ کیا ۔

---

۱ ۔ منتخب اللباب ، خافی خان ، ج ۱ ، ص ۱۹۸-۱۹۹ ۔

۲ ۔ **عطن** : یہ ترک تھے ۔ سکندر لودھی (۱۴۸۱-۱۵۱۷ع) کے عہد میں ناگور میں آباد ہوگئے ۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں فوت ہوئے ۔

۳ ۔ **عبیداللہ احرار** : ناصر الدین عبیداللہ محمود بن شہاب الدین احرار ضلع تاشقند کے گاؤں یاغستان میں ۸۰۶ھ میں پیدا ہوئے ۔ ۸۹۵ھ کو سمرقند میں فوت ہوئے ۔ (خزینۃ الاصفیاء ، ج ۱ ، ص ۵۸۲-۵۸۶) ۔

۴ ۔ **مجتہد** : وہ شخص جو قرآن ، تفسیر ، حدیث اور مذاہبِ اربعہ کی فقہ پر کامل عبور رکھتا ہو ۔ نیکو کار اور پرہیزگار ہو اور مسائل کے استنباط میں کمال درک رکھتا ہو ۔

شیخ ابن العربی[1] ، ابنِ فارض[2] اور شیخ صدر الدین قونوی[3] کے نظریات و افکار سے آشنا ہوئے۔ وہ خطیب ابو الفضل گازرونی[4] کے مرید ہوئے۔ جنھوں نے بو علی سینا کی شفا اور اشارات کے دقیق مطالب سمجھائے اور تذکرہ[5] اور المحیط[6] کی مشکلات کو حل کیا۔ انھیں شیخ عمر تھٹوی کے درس میں بھی بیٹھنے کا موقع ملا اور شطاری[7] ، طیفوری[8] ، چشتی[9] اور سہروردی[10]

---

۱ - ابن العربی : محی الدین محمد بن علی بن محمد عربی اندلس میں مرسیا کے مقام پر ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۳۳ھ میں دمشق میں فوت ہوئے - وہ بے شمار کتب و رسائل کے مصنف تھے۔ ان میں سے فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ عالمگیر شہرت رکھتی ہیں۔ وہ عقیدۂ وحدت الوجود کے سب سے بڑے داعی اور مبلغ تھے۔ متأخر صوفیہ ان سے بے حد متأثر ہوئے۔
(خزینۃ الاصفیاء ، ص ۱۲)

۲ - ابن فارض : (۵۷۰-۶۳۳ع) وہ ابوالقاسم عمر بن ابی الحسن علی تھے اور عام طور پر ابن الفارض کی کنیت سے مشہور تھے۔ وہ عربی کے بڑے عالم اور صوفی شاعر تھے۔

۳ - صدر الدین قونوی : ایک درویش عالم جو علومِ باطن میں ماہر تھے۔ شیخ فخر الدین عراقی اور جلال الدین رومی نے ان سے بڑا استفادہ کیا۔ ۶۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء ، ص ۱۱۴)

۴ - خطیب ابوالفضل گازرونی : ایک عالم و فاضل شخص جنھوں نے جلال الدین دوانی ۔ مولانا محی الدین اشکبار اور خواجہ حسن بقال جیسے علماء و فضلاء سے تلمذ حاصل کیا۔ احمد آباد (گجرات) میں آ کر آباد ہو گئے۔

۵ - تذکرہ : ابو العلی حسن بن احمد الفارسی (م-۹۳۹ھ) کی مشہور کتاب۔

۶ - المحیط : مشہور ریاضی دان و منجم بطلیموس (Ptolemy) یونانی کی کتاب کا عربی نام جس میں کروی اور مستوی مثلثات کی بحث ہے۔ ریاضی کے اس شعبے کی ایجاد ہپرکوس (Hipparchus) نے کی - لیکن بطلیموس نے اس کی تشریح و توضیح اس طرح کی کہ ۱۴۰۰ سال تک کوئی اس کا عدیل و ہمتا نہ ہو سکا۔

۷ - شطاری : شیخ عبداللہ شطار سے منسوب تصوف کا سلسلہ۔ شطار کے معنی تیز دوڑنے والا۔ تصوف کی اصطلاح میں وہ شخص جو کامل طور پر فنا فی اللہ ہو جائے۔ شیخ عبداللہ کا مصنفہ رسالہ شطاریہ مشہور ہے۔ قلعہ منڈو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سلسلوں سے نسبت رکھنے والے علماء و مشائخ سے فیضاب ہوئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنا وقت ذکر و فکر، عبادت و ریاضت اور ترک و فنا میں صرف کریں لیکن احمد آباد کے ایک اور صوفی عالم نے انھیں منع کیا اور آگرہ جا کر درس و تدریس اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔

آگرہ میں قیام:

۶ محرم ۹۵۰ھ/۱۰-۱۱ اپریل ۱۵۴۳ع کو انھوں نے آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے میر رفیع الدین صفوی ایجی[1] کے مکان کے متصل قیام کیا۔ یہیں انھوں نے قریش خاندان میں شادی کی۔ ابوالفضل نے اپنی والدہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ فیاض، حیادار اور اعلیٰ کردار کی خاتون تھی۔ شیخ نے اپنا مدرسہ شروع کیا۔ عوام و خواص میں ان کی بہت قدر ہوئی لیکن متعصب اشخاص ان کی آزاد فکر و رائے کے مخالف بھی تھے۔ شیر شاہ سوری نے انھیں زرِ معاش و زمین دینے کا اشارہ بھی کیا لیکن انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ان کی عالی ظرفی اور بلند ہمتی کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ ہمایوں کے عہدِ حکومت میں ایران و توران سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(مالوا) میں ۸۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ۲، ص ۳۰۶)

۸ - طیفوری: طیفور بن بسطامی یعنی بایزید بسطامی کے پیرو۔ بایزید روحانیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ ۲۶۲ھ میں فوت ہوئے۔

(آئین اکبری، حصہ دوم، ص ۳۰۸)

۹ - چشتی: ایک گاؤں چشت سے منسوب جہاں ابو اسحاق شامی رہتے تھے اور جو بعد میں چشتیہ سلسلۂ صوفیہ کے بانی ہوئے۔ ۳۲۹ھ عکہ میں فوت ہوئے۔

۱۰ - سہروردی: شیخ ضیاءالدین نجیب عبدالقاہر سہروردی کے پیرو۔ شیخ ۵۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ آداب المریدین ان کی مشہور تصنیف ہے۔

۱۱ - ایجی: ایج کا رہنے والا۔ ایج نام یکی از دھستانہای بخش اصبہانات، شہرستان فسا و در جنوب خاوری بخش واقع گردیدہ۔

(فرہنگ جغرافیای ایران، جلد ۷)

بھی طلبہ آئے اور ان کے درس میں شامل ہوئے - ہیمو کے دورِ اقتدار میں آگرہ کے بہت سے لوگ ادھر ادھر بکھر گئے اور بعض قیدی بنا لیے گئے - شیخ مبارک کی سفارش سے ہیمو نے ان کو آزاد کیا اور ان سے معذرت بھی کی - اکبر کی تخت نشینی سے پہلے ملک میں امن و امان نہیں تھا - لوگ اپنے وطن سے ہجرت کر رہے تھے لیکن شیخ مبارک صبر و قناعت سے اپنی جگہ مستحکم رہے اور اپنے کام میں مشغول رہے -

اہلِ تعصب کی مخالفت :

اکبر کے پہلے سال حکومت یعنی ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ع میں طاعون کی وبا پھیلی - ملک میں قحط پڑ گیا - بہت سے اشخاص ہلاک ہو گئے - ہر شخص اپنی جان کے بچاؤ کے لیے ادھر ادھر بھاگا لیکن شیخ مبارک ستر مردوں اور عورتوں کے ساتھ اپنی جگہ قائم رہے - اکبر کے استحکامِ سلطنت پر ملک میں امن و امان قائم ہوا - خوشحالی کا دور دورہ ہوا - لوگ علومِ متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے - شیخ مبارک کے مدرسے میں علماء کا اجتماع ہوتا اور مختلف مسائل پر اعلیٰ پیمانے پر بحث ہوتی - شیخ مبارک آزاد بیباک رائے کا اظہار کرتے اور ظاہر پرست مقلدین کی پروا نہ کرتے - حاسدوں نے ان پر مہدویت کا الزام لگایا[1] کیونکہ اسلام شاہ کے عہد میں مخدوم الملک نے شیخ علائی پر مہدویت اور ارتداد کا الزام لگایا تھا اور اس کے عقاید کی تحقیق کے لیے علماء کی ایک جماعت مقرر کی گئی تھی جس میں شیخ مبارک بھی شامل تھے - شیخ نے اپنی بے باک آزاد رائے کا اظہار کیا تھا -

عراق کا ایک شیعہ سید پیش امام تھا - دربار کے علماء نے حنفی فقہ کی ایک مبہم روایت کے مطابق یہ قرار دیا کہ اس کی امامت جائز نہیں - بچارے کا مستقبل مخدوش ہو گیا - وہ شیخ مبارک کے پاس گیا اور اپنا مسئلہ بیان کیا - شیخ مبارک نے ایک مستند حوالے سے بتایا کہ روایت میں جس عراق کی طرف اشارہ ہے - وہ عراق عجم ہے عراق عرب نہیں - اس لیے اس

---

۱ - آئین اکبری ، حصہ سوم ، ص ۲۰۶ -

مسئلے کا اطلاق تم پر نہیں ہوتا ۔ اس شیعہ سید نے اپنا معاملہ بادشاہ کے حضور پیش کیا ۔ حاضر علماء مسئلے کی یہ تعبیر سن کے حیران رہ گئے ۔ انھیں معلوم ہوگیا کہ اس استدلال اور استناد کو بتانے والا اور حمایت کرنے والا کون ہے ، چنانچہ حاسد بر افروختہ ہوئے اور انھوں نے شیخ کو شیعیت سے منسوب کیا[1] ۔

۹۷۷ھ/۱۵۶۹ - ۷۰ع میں شیخ مبارک اور ابو الفضل علماء کی ایک مجلس میں اکٹھے ہوئے جہاں مخدوم الملک بھی موجود تھا ۔ کسی مسئلے پر مخدوم الملک نے اپنا علم جتانے کے لیے پر زور تقریر کی ۔ ابو الفضل نے عمدہ انداز میں اس کا جواب دیا اور مخدوم الملک کو شرمندہ ہونا پڑا ۔ چنانچہ مخدوم الملک اور اس کے ہمنوا علما نے شیخ مبارک اور اس کے خاندان کو تباہ کرنے کی سازش کی ۔

اذیت رسانی :

بدایونی لکھتا ہے : ۹۸۳ھ میں شیخ عبدالنبی صدر الصدور[2] مخدوم الملک اور دوسرے علماء نے متحد ہو کر شیخ مبارک کے خلاف بادشاہ کے پاس شکایت کی کہ وہ مہدوی ہے اور شر پسند بدعتی ۔ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے[3] ۔ انھوں نے شیخ پر مقدمہ چلانے کی اجازت لے لی اور گرفتار کرنے کے لیے پولیس کو روانہ کیا ۔ ایک نیک دل شخص نے اس سازش کے متعلق شیخ مبارک کو آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ کچھ عرصے کے لیے

---

۱ - منتخب التواریخ (اشاعت نولکشور) ، ص ۲۰۶ ۔

۲ - شیخ عبدالنبی : وہ عبدالقدوس گنگوہی عالم و صوفی کا پوتا تھا ۔ شیخ نے مکہ و مدینہ میں احادیث پڑھی تھیں ۔ اس کے علم و تقوی کی وجہ سے سب احترام کرتے تھے ۔ اکبر اس کی جوتیاں اس کے پاؤں کے سامنے رکھتا تھا ۔ دربار میں اس کا بڑا اقتدار تھا ۔ بعد میں وہ اپنی ریا کاری اور علمی سطحیت کے باعث نظروں سے گر گیا اور منصب سے محروم کر کے مکہ بھیج دیا گیا ۔ وہ ۹۹۱ھ میں فوت ہوا ۔

۳ - منتخب التواریخ ، ص ۲۰۰ ۔

کسی اور جگہ چھپ رہیں - جب تک کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ بادشاہ کے سامنے اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکیں - اس شخص کے مشورے پر شیخ مبارک ، ابوالفضل اور فیضی آدھی رات کے وقت بے کسی و بےچارگی کے عالم میں نا معلوم منزل کی طرف چل دے - شیخ مبارک گھر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن نازک اور حساس حالت کے پیشِ نظر فیضی کے کہنے پر وہ مجبور ہو گئے - دوسرے دن صبح ان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا - مکینوں کو غائب پا کر غصے میں مسجد کا ممبر توڑ دیا گیا[1] اور شیخ کے چھوٹے بیٹے ابوالخیر کو گرفتار کر کے لے گئے - دربار میں ان کے فرار ہونے کی اطلاع دی گئی - اکبر بڑا زیرک تھا - وہ علماء کی خود غرضی کو بھانپ گیا - اس نے ابوالخیر کو آزاد کرنے اور پولیس کو محاصرہ ترک کرنے کا حکم دیا - علماء نے شیخ اور ان کے بیٹوں کو مفرور قرار دیا - اس لیے شیخ کے شاگرد اور دوست بھی ان کو پناہ دینے میں متذبذب تھے - شیخ مبارک نے سلیم چشتی[2] سے درخواست کی کہ وہ اکبر سے سفارش کریں کیونکہ اکبر کے دل میں ان کا بڑا احترام تھا لیکن انھوں نے مشورہ دیا کہ شیخ مبارک گجرات کی طرف چلے جائیں[3] -

شیخ مبارک اور ان کے بیٹے گرفتاری کے خوف سے دن کو چھپتے اور رات کو سفر کرتے - پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے - وہ تین ماہ اور انیس دن تک در بدری ، پریشانی اور سر گردانی میں رہے - آخر مرزا عزیز کوکہ[4] نے اکبر کو بتایا کہ شیخ عالم و فاضل اور قانع شخص

---

۱ ، ۳ - منتخب التواریخ ، ص ۲۰۰ -

۲ - سلیم چشتی (۸۸۴-۹۷۹ھ) فرید گنج شکر کی اولاد میں سے تھے - ان کی دعا سے اکبر کے ہاں بیٹا ہوا اور انھیں کے نام پر اس کا نام سلیم رکھا گیا - وہ فتح پور سیکری کے محلات کے اندر مدفون ہیں -

۴ - مرزا عزیز کوکہ : یہ اکبر کا رضاعی بھائی تھا - وہ پنج ہزاری منصب رکھتا تھا اور خان اعظم کے لقب سے سرفراز تھا - وہ مختلف اوقات میں گجرات - بہار اور بنگال کا گورنر رہا - وہ بڑا بے باک تھا اور اکثر اکبر سے الجھ پڑتا تھا - وہ مذہبی انحراف کے خلاف احتجاجاً اکبر کی اجازت کے بغیر مکہ روانہ ہو گیا - لیکن واپس آ کر اس نے دین الٰہی قبول کر لیا - وہ ۱۰۳۳ھ میں فوت ہوا -

ہے - اس نے بادشاہ سے زمین حاصل کرنے کی کبھی خواہش نہیں کی - وہ دینی علوم کی نشر و اشاعت میں مصروف تھا - ایسے شخص کو اذیت دینا کسی طرح مناسب نہیں - اکبر کو صحیح صورتِ حال سے آگاہی ہوئی اور اس نے فوراً شیخ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا - دشمن سخت ناکام ہوئے - دربار میں شیخ کا احترام کیا گیا اور انھیں گھر جانے کی اجازت دے دی گئی - ابوالفضل نے ان تمام پریشان حالیوں کی تفصیل اپنی خود نوشت سرگذشت میں بیان کی ہے[۱] -

شیخ مبارک نے آگرہ میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا - صرف ایک مرتبہ کچھ عرصہ کے لیے وہ حضرت نظام الدین اولیاء اور خواجہ قطب الدین بختیار کے مزارات پر حاضری کے لیے دہلی گئے - اپنے سفر میں وہ دوسرے مشایخ سے بھی ملے - اس سفر میں ابوالفضل بھی ساتھ تھے - چنانچہ وہ بھی ان بزرگوں کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے -

شیخ مبارک نے دربار میں کوئی عہدہ قبول نہیں کیا - لیکن وہ کبھی کبھی کسی تقریب یا جشن کے موقع پر دربار میں جاتے ، اکبر کو دعا دیتے یا مبارکباد کہتے اور رخصت ہو جاتے - کبھی کبھی مذہبی مسائل پر ان سے مشورہ بھی لیا جاتا -

۹۸۱ھ میں جب اکبر گجرات فتح کر کے واپس آیا تو شیخ مبارک بھی مبارکباد کے لیے حاضر ہوئے - امراء اور اراکینِ سلطنت نے بڑے عجز و نیاز سے مبارکباد کہی - لیکن شیخ نے بڑی جرأت سے لطافت آمیز نکتہ پیدا کرتے ہوئے کہا[۲] :

"اگرچہ عموم خلایق مراسم تہنیت بہ آن خدیو جہان بتقدیم میرسانند لیکن آنچہ اکنون از عالمِ غیب بر خاطر اخلاص گزین میزند ، آنست کہ آن خداوندِ عالم مبارکبادی با معتقدان اخلاص نہاد فرمایند کہ ایزدِ جہان بخش از فزونی نیک اندیشی و نیک کرداری ما چنین عطیہ کبریٰ و سعادت عظمی کرامت فرمودہ (کہ عبارت ازاں ذاتِ مقدس

---

۱ - آئین اکبری ، حصہ سوم ، ص ۲۶۷-۲۷۳ -

۲ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۳۹ -

است) کہ از فراخ حوصلگی و نیک سرانجامی نشاء ظاہر پیشوای ملک معنی گردانیدہ چنین فتوحاتِ عالی را چہرہ کشاست ۔"

بادشاہ کو یہ نکتہ بہت پسند آیا ۔

استادِ شہ :

اکبر کو حقیقتِ اشیا جاننے اور مذہبی مسائل سمجھنے کا بے حد شوق تھا ۔ اس کے لیے عربی کا جاننا ضروری تھا ۔ ابوالفضل اور فیضی کے کہنے سے اس نے شیخ مبارک سے عربی گرامر پڑھنا شروع کیا اور صرفِ ہوائی سے سبق کا آغاز کیا ۔ بیٹوں نے اکبر سے کہا : "شیخ ما اصلا تکلف ندارد ۔" اکبر نے کہا: "تکلف را بشما گذاشتہ ایم ۔" کچھ عرصہ کے بعد انتظامی مصروفیات کی بنا پر درس کا یہ سلسلہ جاری نہ رہا[1] ۔

مشیر :

۹۸۷ھ/۱۵۷۹ع میں اکبر کی رضا کے خلاف شیخ عبدالنبی صدرالصدور کے حکم سے رسولِ خدا کے خلاف کلمہ نا سزا استعمال کرنے کی بنا پر متھرا کے ایک برہمن کو قتل کر دیا گیا ۔ بدایونی کا بیان ہے کہ بادشاہ نے اس مسئلے کے متعلق تحقیق کی ۔ "یکی می گفت کہ گواہان کہ گذراندند کہ جرح و تعدیل کردہ باشد و دیگری می گفت کہ عجب از شیخ عبدالنبی آنکہ او خود را از اولاد امام اعظم می گیرد و حال آنکہ بمذہب امام اعظم سبِ نبی از کفار مطیع الاسلام موجب نقض عہد و ابرای ذمہ نمی شود ۔ پس شیخ مخالفت جدِ خویش چگونہ نمودہ[2] ۔"

اس مسئلے پر بحث کے دوران میں اکبر نے بدایونی سے پوچھا : "اگر فقہا کی آراء میں سے ایک رائے بھی سزائے قتل کے منافی ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے ؟" بدایونی نے اثبات میں جواب دیا ۔ اکبر برافروختہ ہوا اور اس نے کہا : "کیا شیخ صدر اتنی بھی معلومات نہیں رکھتا ۔" اسی بنا پر

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۸۱-۸۲ ۔

۲ ۔ ایضاً ، ج ۳ ، ص ۸۰-۸۲ ۔

شیخ کے اس فرمانِ قتل پر مذمت کی گئی ۔ عبادت خانے کی مجالس میں باہمی نزاع و مجادلہ کی وجہ سے اکبر کی نظروں میں ان علماء کا وقار پہلے ہی گر چکا تھا[1] ۔

کچھ عرصہ کے بعد کسی تقریب کے موقع پر شیخ مبارک دربار میں گئے ۔ اکبر نے اس مسئلے کے متعلق شیخ سے گفتگو کی ۔ شیخ نے کہا :

''شما امام زمانِ خود و مجتہدید ۔ در اجرای احکامِ شرعی و ملکی چہ احتیاج باین جماعہ دارید کہ ہیچ بہرہ از علم جز شہرت کاذب ندارند ۔''

اکبر نے جواب دیا : ''ہرگاہ شما استاد ما باشید و سبق پیش شما خوانده باشیم ۔ چرا از منت این ملایان خلاص نمی سازید ۔'' شیخ نے کہا : ''دعوئ اجتہاد فرمائید و از ایشان محضری بطلبید ۔'' علماء کی مجلس میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی ۔ اجتہاد اور مجتہد کی تعریفیں متعین کی گئیں ۔ غازی خان بدخشی[2] نے بھی شیخ مبارک اور دوسرے علماء سے اتفاقِ رائے کیا اور کہا : ''ایک امامِ عادل جو سیاسی مصلحتوں کو سمجھتا ہے ۔ وہ ایک فقیہ سے بہتر شخص ہے ۔'' چنانچہ شیخ مبارک نے ایک محضر تحریر کیا جس کا متن یہ تھا :

''مقصود از تشئید این مبانی و تمہید این معانی آنکہ چون ہندوستان صنت عن الحدثان بمیامن معدلت سلطانی و تربیت جہانبانی مرکز امن و امان و دائرۂ عدل و احسان شدہ طوایف انام از خواص و عوام خصوصاً علمای عرفان شعار و فضلای دقایق آثار کہ ہادیان بادیۂ نجات و سالکان مسالک اوتوالعلم درجات اند ، از عرب و عجم رو بدین دیار

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۳ ، ص ۸۳ ۔

۲ ۔ **غازی خان بدخشی** : اس کا اصل نام قاضی نظام تھا ۔ وہ اپنے زمانے کا مستند عالم شمار ہوتا تھا ۔ وہ بدخشان کے حاکم سلیمان کا ملازم تھا ۔ اکبر نے اسے زیرک اور دقیق نظر پایا ۔ اور اسے ہزاری منصب عطا کیا ۔ اس نے بہت سی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے ۔ چنانچہ اسے غازی خاں کا خطاب ملا ۔ وہ ۹۹۲ھ میں فوت ہوا ۔

(آئین اکبری مترجمہ انگریزی ، ج ۱ ، ص ۴۴۰)

نہادہ توطن اختیار نمودند ۔ جمہور علمای فحول کہ جامع فروع و اصول و حاوی معقول و منقول اند و بدین و دیانت و صیانت اتصاف دارند ، بعد از تدابیر وافی و تامل کافی در غوامض معانی آیۂ کریمہ "اطیعواللہ و واطیعوالرسول و اولی الامر منکم" و احادیث صحیح "ان احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ امام عادل۔ من یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی" و غیر ذالک الشواہد العقلیہ والدلایل النقلیہ قرار دادہ حکم نمودند کہ مرتبہ سلطان عادل عنداللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است و حضرت سلطان الاسلام کہف الانام امیرالمومنین ظل اللہ علی العالمین ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلداللہ ملکہ ابداً اعدل و اعقل و اعلم باللہ اند ، بنا برین اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہاست ، بذہن ثاقب و فکر صایب خود یک جانب را از اختلاف بجہت تسہیل معیشت بنی آدم و مصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ بآن جانب حکم فرمایند ، متفق علیہ می شود و اتباع آن بر عموم برایا و کافۂ رعایا لازم و متحتم است و ایضاً اگر بموجب راہ صواب نمای خود حکمی را از احکام قرار دہند کہ مخالف نصی نباشد و سبب ترفیہ عالمیان بودہ باشد ، عمل بران نمودن بر ہمہ کس لازم و متحتم است و مخالفت آن موجب سخط اخروی و خسران دینی و دنیوی است و این مسطور صدق وفور حسبۃً للہ و اظہار الاجراء حقوق الاسلام بمحضر علمای دین و فقہای مہتدین تحریر یافت و کان ذالک شہر رجب سنہ سبع و ثمانین و تسعمایۃ (۹۸۷ھ)[۱]۔"

اس محضر پر شیخ عبدالنبی صدرالصدور، مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری، جلال الدین ملتانی قاضی القضاۃ[۲] ، صدر جہاں ، مملکت کے مفتی اعظم ،

---

۱ ۔ طبقات اکبری ، ج ۲ ، ص ۳۴۵ : منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۷۱ ۔

۲ ۔ جلال الدین ملتانی : اس کا وطن نواح بھکر (سندھ) میں تھا ۔ وہ ایک بےباک جید عالم تھا ۔ اس نے آگرہ میں قیام کیا اور تعلیم و تدریس میں مشغول

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

غازی خان بدخشی اور دوسرے قاضیوں اور مفتیوں نے دستخط کیے۔ شیخ مبارک نے دستخط کیے اور مندرجہ ذیل عبارت کا اضافہ کیا:

"این امریست کہ من بجان و دل خواہان و از سالہا باز منتظر آن بودم۔"

تنقیدِ محضر:

بنیادی طور پر یہ اقرار نامہ درست تھا۔ قرآن میں ہے:

"اطیعواللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم۔ فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر۔ ذالک خیر و احسن تأویلا (النساء ۴: آیت ۵۹)

ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبِ اختیار حاکموں کی۔ اگر کسی معاملے میں ان (حاکموں) کے ساتھ اختلاف پیدا ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی اچھی اور بہترین تعبیر ہے۔"

زندگی کے روز مرہ مسائل کے متعلق خدا کی طرف یعنی کلامِ خداوندی (قرآن) کی طرف ہر وقت رجوع کیا جا سکتا ہے لیکن پیغمبر کی وفات کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہو گیا۔ قاضی یعقوب کی معزولی پر اسے آگرہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس نے اکبر کی مخالفت کی۔ اسے دکن بھیج دیا گیا جہاں سے وہ مکہ چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔ (منتخب التواریخ، ج ۳، ص ۷۸)

۴۔ صدر جہان۔ میران صدر جہان قنوج کے نزدیک گاؤں میں پیدا ہوا۔ علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد وہ شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی سفارش پر پہلے مفتی اور بعد میں صدر بنایا گیا۔ وہ عبداللہ خان اوزبک والی توران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ اکبر کے عہد میں اسے دو ہزاری اور جہانگیر کے عہد میں چہار ہزاری منصب ملا۔ اس نے دینِ الٰہی قبول کیا تھا۔ وہ ۱۰۲۰ھ میں فوت ہوا۔

(آئین اکبری مترجمہ انگریزی، ج ۱، ص ۴۶۸)

رسول کی طرف رجوع ختم ہو گیا ۔ اس کی وفات کے بعد یہ فریضہ اس کے خلفا کی طرف منتقل ہوا ۔ متنازعہ امور میں انھی کا فیصلہ آخری تھا ۔ اس اہم فریضے کی بنا پر خلیفہ یا نمائندہ شخص دانا عالم اور متقی ہونا چاہیے تاکہ وہ صحیح رائے دے سکے ۔ اقرار نامہ کی غایت تو یہ ہے کہ تمام فیصلے قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوں اور اس کے مرتبین کا بھی یہ مقصد تھا کہ بادشاہ اسلامی روایات کے مطابق خلفا کے نقشِ قدم پر چلے ۔ خلیفہ دین کا محافظ ، مملکت کا پاسبان اور ریاست کا منصفِ اعلیٰ تھا ۔ وہ قوانینِ خداوادی سے انحراف نہیں کر سکتا تھا ۔ وہ اس قانون کا آخری ترجمان تھا اور اس قانون کو نافذ کرنا بھی اسی کا فرض تھا! ۔ اس پس منظر کے پیش نظر اکبر نے ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ پڑھنے کی کوشش کی لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا اکبر امام عادل ، پاسبانِ شریعت عالم اور متقی کے معیار پر پورا اترتا تھا اور احکامِ خداوندی کی ترجمانی کرنے کی اہلیت رکھتا تھا ۔ انھی اوصاف کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ کہ محضر بنانے والوں اور تائید کرنے والوں نے اکبر کو امام عادل کا مقام دینے میں لغزش کھائی ہے ۔

کرنل میلسن (Malleson) نے اکبر کے متعلق اپنی کتاب میں لکھا ہے :

"Abul Fazal's proposition that the king was the temporal as well as the spiritual guide of his subjects, struck at the fundamental principle of Islam, according to which the Quran stands above every human Ordinance[1]."

کرنل صاحب کو محضر کے معانی سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے ۔ اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ بادشاہ کے احکام اسی صورت میں قابلِ اطاعت و اتباع ہوں گے جب وہ احکامِ قرآنی کے منافی نہ ہوں گے اس لیے ابوالفضل کا یہ نظریہ کہ بادشاہ دین و سیاست دونوں میں حکم ہو گا ۔ قرآن کے مخالف نہیں ۔

---

1. Akbar and Rise of the Mughal Empire, pp. 156-157.

مسٹر کھوسلہ کی نظر سے بھی یہ نکتہ اوجھل رہا ، اس لیے اس نے لکھا کہ :

"The document established the legal omnipotence of the sovereign power[1]."

ابوالفضل نے لکھا ہے کہ محضر کے بڑے خوشگوار نتائج پیدا ہوئے -

۱ - از فزونی شناسائی بارگاہِ مقدس مجمع دانشوران سلل و نحل آمد و از آنجا (کہ بر آئین شایستگی چند با خود دارد) ہر کدام نصیبۂ آفرین بر گرفت و از فرط انصاف گزینی نکوھیدگی ہیچ طایفہ پردہ باف نیکوئی او نتوانست شد -

۲ - ہنگامۂ صلحِ کل در پیشگاہ خلافت رونق پذیرفت و گروھا گروہ مردم با گونا گون احوال کامروای صورت و معنی گشتند -

۳ - تباہ سرشتی و کج گرائی فرومایگان روزگار از خیر بسیجی و حق سگالی گیہان خدیو در کمتر زمانی شرمسار نادانی گشتہ بچارہ گری ایام بیدانشی تگاپوی نمودند و بسیاری بکیفر کردار خویش در شکنجۂ ناکامی فروشدند[۲] -"

بادشاہ اور شیخ مبارک کے پیشِ نظر مندرجہ بالا مقاصد تھے - لیکن مذہبی علما ان مقاصد کی تحصیل میں حائل تھے - اس محضر سے علما کے اقتدار کو بڑا دھچکا لگا - چنانچہ یہ اقرار نامہ خود ان کے اقتدار کے اختتام کا اعلامیہ تھا - مسٹر سمتھ نے اس محضر کے متعلق لکھا ہے :

"This document is infallibility degree and a momentous innovation which should extend the autocracy of Akbar from the temporal to the spiritual side and make him Pope as well as King[3]."

---

1. Mughal Kingship and nobility p. 185.

۲ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۲۷۳ -

3. Akbar the Great Mughal, p. 176.

مسٹر سری رام شرما نے اس اعتراض کا بڑی اچھی طرح جواب دیا ہے - وہ لکھتا ہے :

"Akbar made no claim to infallibility in any metaphysical sense. His interpretation of the laws was to be final, just as the ruling of the Privy Council. His decisions could not and in fact did not, silence opposition to his views. The authority rested in him could be used effectively only by Akbar himself for justifying his own personal practice. He did not claim to define the religious beliefs of his subjects and force his decisions on them as Tudor Governor of the Church had claimed to do at this period in England[1]."

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کے لیے مذہب اور حکومت دونوں کا سربراہ ہونا اسلامی تاریخ میں کوئی اجنبی واقعہ نہیں - حضرت محمدؐ اور ان کے خلفا حکومت کے اقتدارِ اعلیٰ کے بھی مالک تھے اور اپنی مملکت کے قاضی القضاۃ بھی تھے - کسی مسئلہ کے متعلق آخری فیصلہ حاصل کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جا سکتا تھا - ہاں ان کے لیے لازم تھا کہ وہ ماہرین سے یا اپنے وزرا سے مشورہ کریں جیسا کہ فرمانِ خداوندی تھا : ''شاورھم فی الامر[۲] -'' اسلام میں مذہبی ریاست کا تصور نہیں - اسلامی ممالک میں سلطنت یا بادشاہت کے قیام سے مذہبی پیشوائیت بھی قائم ہوئی جو قوانینِ اسلامی کی تاویل و تفسیر کرتی اور جمعہ کے خطبات میں بادشاہ کی حمایت کا اعلان کرتی - بادشاہ اور مذہبی پیشوا ایک دوسرے کے محتاج ہو گئے - ایک افرنگی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ ایک ہی شخص پوپ اور بادشاہ کے اختیارات رکھتا ہو - اسی لیے ان کے نزدیک اکبر بادشاہ کے لیے مذہبی اقتدارِ اعلیٰ کا انتقال بہت اجنبی تھا -

مسٹر بکل (F.W. Bickle) نے اپنے مقالہ مطبوعہ J.R.A.S. 1924 (صفحات ۵۹۱ - ۶۰۸) میں محضر کی ایک اور تعبیر پیش کی ہے - اس نے ایرانی شیعہ بادشاہ اور خلفائے ترکی کے ساتھ اکبر کے آباء و اجداد میں

---

1. Religion policy of Mughal Empire, p. 39-40.

۲ - قرآن - ۳ : ۱۵۹ -

سے امیر تیمور ، بابر اور ہمایوں کے روابط کا جائزہ لیا ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ اس محضر میں اکبر کو امیرالمومنین اور امام عادل کہا گیا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو ایران کے صفویوں اور ترکی کے عثمانیوں کے سیاسی اثر اور دباؤ سے آزاد کر لیا ہے۔ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں لقب اختیار کر کے وہ سنیوں اور شیعوں دونوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔ لیکن اگر محضر کے مرتبین نے ترکی و ایران کے سیاسی و مذہبی تسلط سے آزادی کا مقصد مخفی رکھا تو ان کی ذہانت قابلِ داد ہے۔

وفات :

۱۵۸۴/۹۹۵ء میں ابوالفضل نے شیخ مبارک کو آگرہ سے لاہور بلایا۔ وہ اپنی وفات تک یعنی ۱۷ ذی القعدہ ۱۰۰۰/۱۵ اگست ۱۵۹۳ء تک لاہور میں قیام پذیر رہے[1]۔ ان کی نعش امانت کے طور پر دفن کی گئی۔ بعد میں ۱۰۰۲ھ میں اسے آگرہ میں منتقل کیا گیا۔ بدایونی نے سالِ وفات شیخ کامل اور فیضی نے فخرالکمال سے نکالا۔ ابوالفضل آگرہ میں اپنے والد کے مرقد کے متعلق لکھتے ہیں :

"آنروی آب چار باغی از فردوس مکانی یاد گار۔ زاد گاہ نگارندۂ شگرفنامہ است و خوابگاہ نیا و مہین برادر[2]۔"

بعد میں ابوالفضل نے نعش کو آگرہ کے نزدیک سکندرہ میں منتقل کیا اور مقبرہ تعمیر کرایا۔ یہ مقبرہ ابوالفضل کی بہن لاڈلی بیگم کے نام سے "لاڈلی بیگم کا مقبرہ" مشہور ہے۔ دروازے پر طغرا حروف میں مندرجہ ذیل کتبہ اب بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم و بہ ثقتی۔ ھذۃ الروضۃ العالم الربانی و العارف الصمدانی جامع العلوم شیخ مبارک اللہ قدس سرہ۔ قد وقف بنائۂ بحرالعلوم شیخ ابوالفضل سلمہ اللہ تعالٰی فی ظل دولت ملک العادل

---

۱ - آئین اکبری ، حصہ سوم ، ص ۲۷۶ -
۲ - ایضاً ، حصہ اول ، ص ۴۴۱ -

یطلبہ المجد والاقبال و الکرم جلال‌الدین اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ سلطنتہ باہتمام حضرت ابی البرکات - سنہ اربع و الف

یہ زمین سرکار انگریزی نے متھرا کے ایک ہندو سیٹھ لکھمی‌چند کے ہاتھ بیچ دی تھی جس نے سنگِ مرمر اکھاڑ کر بیچ دیا اور مقبرہ تباہ کر دیا[1] -

اخلاق و کردار:

ملا عبدالقادر بدایونی شیخ مبارک کا شاگرد تھا - وہ کئی سال تک ان کے درس میں شریک ہوتا رہا اور اپنے علم و فضل اور مباحثہ و مناظرہ کی لیاقت حاصل کرنے کے لیے ان کا ممنون تھا - اس نے "منتخب التواریخ" میں شیخ مبارک کے متعلق مندرجہ ذیل جامع نوٹ لکھا ہے :

"از علمای کبار روزگار است و در صلاح و تقویٰ و توکل ممتاز ابنای زمان و خلائق دوران است - در ابتدای حال ریاضت و مجاہدہ بسیار کردہ و در امر معروف و نہی منکر بنوعی بجد بود کہ اگر کسی در مجلس وعظ انگشتری طلا یا حریر یا موزۂ سرخ یا جامۂ سرخ و زرد پوشیدہ می آمد فی الحال می فرمود کہ از تن بر آرد و ازاری را کہ از پاشنہ گذشتہ بودی ، حکم بپارہ کردن آن می کرد[2] و اگر آوازِ نغمہ در راہگذری شنودی جست نمودی و آخر حال از غیرت الہی بطور مشغوف نغمہ شد کہ یک دم بی استماع صوتی و نقشی و سرودی و سازی آرام نمی گرفت - القصہ سالک اطوار مختلف و اوضاع متلون بود - چند گاہی در عہد افغانان بصحبت شیخ علائی بود و در اوائل عہدِ شاہی

---

1. Agra, Muhammad Latif, p. 193.

۲ - بلوخمن نے اس عبارت کا یوں ترجمہ کیا ہے :

"In legal decisions he was so severe as to maintain that for every hurt increasing a simple kick, death was the proper punishment." Àin-i-Akbari, introdaction, p. XIX.

بلوخمن صاحب ازار کے لفظ سے دھوکا کھا گئے - ٹخنوں سے بڑھا ہوا پاجامہ پھاڑ دینا ان کے فرنگی ذہن میں نہیں آ سکا -

چون جماعۂ نقشبندیہ[1] استیلا داشتند نسبت خود باین سلسلہ درست کرد و چند گاہی منسوب بہ مشایخ ہمدانیہ بود و آخرہا کہ عراقیہ دربار را فرو گرفتند برنگ ایشان سخن می گفت و تکلموا الناس علی قدر عقولھم شیوۂ او بود و ہلم جرا - بہرحال پیوستہ بدرس علوم دینیہ اشتغال داشت و علم شعر و معما و فنون و سایر فضائل خصوصاً علم تصوف را بر خلاف علمای ہند خوب و رزیدہ - شاطبی[2] را یاد داشت و باستحقاق درس می گفت و بقرأت عشرہ قرآن مجید را یاد گرفتہ بود و ہرگز بخانۂ ملوک نرفت و بسیار خوش صحبت بود و نقلہای غریب داشت و در آخر عمر کہ ضعف بصر پیدا کرد و از مطالعہ باز ماند منزوی شد - تفسیری نوشت مانند تفسیر کبیر مشتمل بر چہار جلد مضخم و منبع نفائس العیون نام نہادہ و از غرایب امور است این کہ در خطبہ آن تفسیر تحریر مقصدی کردہ کہ از آنجا بوی دعوی مجددی مایۂ جدید می آید و تجدید خود آن بود کہ معلوم است و دران ایام کہ توفیق اتمام آن یافت پیوستہ از روی آگاہی قصیدۂ فارضیہ تائیہ[3] کہ ہفت صد بیت است[4] قصیدہ بردہ و قصیدہ کعب بن

---

۱ - نقشبندیہ : محمد بن محمد بہاء الدین البخاری (۷۱۷-۷۹۱ھ/۱۳۱۷-۱۳۸۹ء) نقشبندی سلسلۂ تصوف کے بانی تھے- نقشبند کے معنی مصوّر کے ہیں یعنی وہ علم لدنی کی بے نظیر تصاویر و نقوش بناتے تھے یا وہ دل میں خدا کا کامل تصور نقش کرتے تھے یا مرتسم کرتے تھے -

(Encyclopaedia of Islam, Vol. III, p. 84)

۲ - شاطبی : (۵۳۸-۵۹۰ھ) ان کا پورا نام ابو محمد القاسم ابو فرا بن خلف الاندلسی الشاطبی تھا - وہ گرامر اور لسانیات میں ماہر تھے - انھوں نے قرآن کی قرأت اور تجوید پر حرزالامانی فی وجہ التہانی کے عنوان سے ۱۱۷۳ اشعار پر مشتمل ایک نظم لکھی - یہ نظم عموماً شاطبی کے نام سے مشہور ہے -

(D. E. B. A. P. 1091)

۳ ، ۴ - ابن الفارض : (۵۷۶-۶۳۲ھ) اس کا نام ابوالقاسم عمر بن حسن علی تھا اور وہ ابن الفارض کے نام سے مشہور تھے - وہ عالم صوفی اور شاعر تھے - قصیدۂ تائیہ ان کی مشہور نظم ہے - اسے نظم السلوک بھی کہتے ہیں - یہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

زبیر[1] ودیگر قصاید محفوظ را ورد داشت‌ومی‌خواند۔ ملای باین جمعیت بنظر نیامد اما حیف کہ بجہت شومی حب دنیا و جاہ در لباس فقر ہیچ جای آشتی بدین اسلام نگذاشت . . . بجہت ظہور بعض امور دنیاوی و بی دینی و غوص در مال و جاہ و زمانہ سازی و مکر و فریب و غلو در وادی تغیر مذہب و ملت آنچہ سابق داشت او اصلاً نماند[2] ۔"

بدایونی نے یہ بہت زیادتی کی ہے کہ شیخ مبارک کو ابن الوقت اور دولت و منصب کا حریص قرار دیا ہے ۔ حالانکہ شیخ کی زندگی کے واقعات خود شاہد ہیں کہ وہ ایسا نہیں تھا ۔ اگر وہ ابن الوقت ہوتا تو وہ شیخ علائی کی حمایت میں کبھی اپنی آزاد رائے نہ دیتا ۔ جب اسلام شاہ سوری نے شیخ علائی کے عقاید و کردار کے متعلق اس کی رائے طلب کی تھی ۔ وہ صدر الصدور اور مخدوم الملک کا ہم نوا ہو کر ان کے غضب و انتقام سے محفوظ رہ سکتا تھا ۔ اگر اسے دولت و منصب کی ہوس ہوتی تو وہ سوری بادشاہوں کے عہد حکومت میں اس کے لیے کوشش کرتا ۔ اس حال میں کہ اس کے بیٹے مملکت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے اور اکبر بادشاہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

چھوٹی بڑی دو نظمیں ہیں جنھیں صغری و کبری کہتے ہیں ۔ یہاں تائیہ کبری مراد ہے ۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے :

سقتنی حمیا راحۃ مقلتی وکاسی محیامن عن الحسن جلّت

(Arabic Poetry, Clonston, U.H., p. 312)

۱ ۔ کعب بن زہیر : (م۔۲۲۶ھ) کعب کا باپ زہیر زمانہ جاہلیہ معلقات کا مشہور شاعر تھا ۔ کعب نے اسلام قبول کرنے سے پہلے رسول خدا کے متعلق ہجویہ اشعار کہے ۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق قصیدہ لکھا جس کو سن کر رسول خدا نے شانوں سے اپنی چادر اتار کر اس کے شانوں پر ڈال دی ۔ یہ اس کے لیے اعزاز اور حفظ و امان کا نشان تھا ۔ بعد میں یہ نظم و قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہو گئی ۔ بردہ کے معنی چار ۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے :

بانت سعاد فقلبی الیسوم مقبول مقیم اثرہا لم یغد مکبول

۲ ۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۷۳ ۔ ۷۵ ۔

مصاحب تھے ، وہ اپنے باپ کو آسانی سے شیخ الاسلام جیسا منصب دلا سکتے تھے۔

کیا شیخ مہدوی تھا ؟

شیخ مبارک کو مہدوی اور رافضی کہا گیا ہے۔ بلوخمن نے بھی لکھا ہے کہ وہ مہدوی عقاید کا پیرو ہو گیا تھا[1]۔ یہ اِلزام صحیح نہیں۔ بدایونی نے خود اس الزام کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے :

''می گویند (شیخ مبارک) روش مہدویہ دارند۔ این چون باشد! گفتم! بہ بزرگی و ولایت میر سید محمد جونپوری قدس سرہ قایلند اما بہ مہدویت قایل نیستند۔ جواب دادند کہ در کمالات میر چہ شک است۔ در آن مجلس میر سید محمد میر عدل مرحومی و مغفوری ہم کہ نسبت تلمذ میاں (حاتم سنبھلی) داشت حاضر بود۔ گفت : کہ ایشان را مہدی بچہ سبب می گویند۔ گفتم : بتقریب امر معروف و نہی منکر۔ باز استفسار نمودند کہ میر عبدالحی خراسانی کہ چند گاہ اسم صدارت داشت ، روزی مذمت شیخ پیش خانخانان می کرد۔ تقریب آن را دانستی کہ چہ بود ؟ گفتم : چون شیخ رقعہ بوی نوشتہ بود مشتمل بر مواعظ و نصایح و ازان جملہ ترغیبِ نمازِ جمعہ بر سنت در مسجد حیی۔ او را بد آمد و حمل برین کرد کہ شیخ مہدوی است[2]۔

لین پول نے شیخ مبارک کو شیعہ وحدت الوجودی کہا ہے[3] لیکن اس عقیدے کے متعلق کوئی سند پیش نہیں کی۔ یہ محض قیاس آرائی ہے۔ وہ چونکہ صوفی منش درویش تھا اس لیے اس کے متعلق یہ خیال کر لیا گیا کہ اس زمانے کے صوفی عموماً وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اس لیے شیخ بھی ضرور قائل ہو گا لیکن اس کی شیعیت کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ محض افترا ہے۔ شیخ مبارک جیسا آزاد مفکر شیعی عقاید کا پیرو

---

1. Preface to Aini-Akbari, p. IV

۲ - منتخب التواریخ ، ج ۳ ، ص ٦٧ ، ٦٨ -

3. Medieval India under Muhammaden Rule, p. 279.

نہیں ہو سکتا -

شیخ مبارک اور بیرونی سیاح :

بیرونی ممالک سے جو اشخاص دربار میں آتے وہ شیخ مبارک کو بھی ملنے جاتے - وہ اس کی روشن خیالی ، رواداری اور درویشی کی تعریف کرتے - پادری رودولف (Rudolf) اکبر کے دربار میں پہلے تبلیغی وفد کا قائد تھا - اس نے اپنے ایک خط مؤرخہ اپریل ۱۵۸۲ع میں لکھا ہے :

"There is here an old man (Shaikh Mubarak), the father of the Emperor's Secretary, in whom he confides in matters of faith. He has left the world and is of great virtue and given much to contemplation of Divine things, whence he appears disposed to receive the light of our faith and we have already visited him several times at his house with much consolation[1]."

اسی وفد کے ایک اور رکن مونسریٹ (Monserrate) نے بھی شیخ مبارک کی بہت تعریف کی ہے - اس نے لکھا ہے :

"He (Shaikh Mubark) was devoted to religious dedication and who had little faith in Muhammad and his book. All his sons follow this old man's example and openly declare that the Quran contains many impious, wicked and highly inconsistent passages and that hence they were convinced that it had not been sent by God. The priests were astonished at this old man's wisdom, authority and friendliness to Christianity. He was wont devoutly to kiss the Gospel and to place it on his head. He looked upon the Priests as angels and used to declare that the young interpreter (Francis Henrique) was exceedingly fortunate fellow since he consistently enjoys their company. In his private conferences with the king he held it his most previous privilege to extol the learning and humility of the Fathers[2]."

---

1. The Jesnits and the Great Mughal, p. 38.
2. Monserrate's Commentry, p. 55-56.

مونسریٹ نے قرآن کے متعلق شیخ مبارک کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ۔ اس میں ضرور اسے اشتباہ ہوا ہے ۔ شیخ مبارک تو قرآن کا شیدائی تھا ۔ حافظِ قرآن تھا اور مختلف قرأتوں سے تلاوت کر سکتا تھا ۔ اس نے زندگی کے آخری سالوں میں چار جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی ۔

موسیقی دان :

بدایونی نے لکھا ہے کہ شروع شروع میں شیخ مبارک عام علماء کی طرح موسیقی سے بدکتے تھے ۔ بعد میں ایسے رسیا ہوئے کہ گانا سنے بغیر چین نہیں آتا تھا ۔ وہ موسیقی کو سمجھتے تھے ۔ ایک مرتبہ انھوں نے بادشاہ سے موسیقی پر گفتگو کی ۔ بادشاہ نے کہا : "میں آپ کے سامنے باکمال موسیقاروں کا فن پیش کروں گا ۔ چنانچہ شیخ منجھو اور میاں تان سین دوسرے فنکاروں کے ہمراہ شیخ مبارک کے گھر بھیجے گئے تاکہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں ۔ انھوں نے سب کو سنا اور میاں تان سین سے کہا : "میں نے سنا ہے کہ آپ بھی کچھ گا سکتے ہیں ۔" بدایونی کا بیان ہے کہ اس نے تان سین کو بھی کچھ وقعت نہ دی ۔

"تا آخر سرود او را با صوات حیوانات تشبیہ دادہ بہیچ بر آورد[1] ۔"

نگارشات :

۱ ۔ نقیب خان اکثر فرصت کے اوقات میں اکبر کو تاریخ اور علوم سے متعلق کتابیں پڑھ کر سنایا کرتا تھا ۔ کتاب "حیات الحیوان[2]" اکثر پڑھ

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۳۶۵ ۔

۲ ۔ **حیات الحیوان :** اس کا مصنف کمال الدین ابوالبقا محمد بن موسی بن عیسی الدمیری المصری ہے ۔ اس نے ۷۵۳ھ میں یہ کتاب ۵۶۰ کتابوں اور ۱۹۹ شعرا کے دیوانوں سے انتخاب کر کے مرتّب کی ۔ اس میں شعراء ، فضلا اور فلاسفہ کے سوانح حیات بیان کیے گئے ہیں ۔ خلفائے راشد ، اور بنو امیہ کے چند خلفاء کے احوال و واقعات بھی مندرج ہیں ۔ عنوانات ہجائی ترتیب سے مرتّب کیے گئے ہیں ۔ (D. E. B. A. P. 88)

کر سنائی جاتی تھی - چونکہ کتاب عربی میں تھی اس لیے پڑھنے والا ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ کرتا جاتا تھا - ابوالفضل کے کہنے پر شیخ مبارک نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا -

۲ - شیخ مبارک نے 'منبع نفایس العیون' کے نام سے چار جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی - آج تک اس کا کوئی قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا -

۳ - ابوالفضل کے نام شیخ مبارک کا ایک مکمل خط ملا ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک نسخۂ خطی بعنوان 'مجموعۂ مفاوضات' میں منقول ہے - شکستہ خط ہونے کی وجہ سے اس کے بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے - ہم اس کی اہمیت اور نایابی کے پیشِ نظر اسے یہاں درج کرتے ہیں :

"نوشتہ شیخ مبارک بہ ابوالفضل فرزندِ خود ،

خدا تعالیٰ بستگی و نفس الامری و عقل دور اندیش و دل دانا و فراخ حوصلگی و برداشت ناملائم و قواعد آہستگی کہ تحمل از تقصیرات و معذور داشتن زلات و گذشتن از جرائم کوتہ حوصلہای (ہست) و آگاہ دلی شبا روزی و خدمت والدین و مطالعۂ کتب اخلاق ناصری و تحفۃ العراقین خاقانی ، مثنوی مولوی روم و کلیات شیخ فرید ، جام جم اوحد الدین و تاریخ بابری روز بروز نصیب آن گرامی کناد - بخدای کہ ہژدہ ہزار عالم از کتم عدم بصحرای وجود موجود گردانیدہ سبزہ ریاحین را بر صحنِ چمن جلوہ گر ساختہ نزہت و نضارت بخشیدہ بعلم الانسان بہ عقل دور اندیش پیش بین بلند پرواز بار داد - بروح پر فتوح مہدی کہ اشرف موجودات و اکمل مخلوقات و لحظہ و لمحہ نمیگذرد تأسف و تألم بحسرت و ندامت زیادہ از زیادہ بر دل ریش و سینۂ مجروح طبیعت برہم خوردہ این مدعی کذاب معرفت راہ نمی‌باید - فکیف درین مقام بی وفا کہ ہیچ کس را رخصت اقامت ندادہ اند در چنین جای معاملہ تو از حضور دور باشی - دراین وقت شرم نکردی - زنہار حاضر الوقت بودہ زود برنگ دلوی (؟) دامن رضای ما گرفتہ

متوجه ملازمت گردی و اگر از فرسودگی روزگار که دشمن خاص الخاص فضلاست ، نه لباس آدمیانه و نه خرج ماحضر داری و از حضوری ما شرم می کنی و بخدمت هم نمی رسی ، یقین است که راه مرضی خدای مجازی رفته قرة العین خود را بدست نافهمی سوخته وسیلهٔ آزار خود گشته باشی - چه آزردگی من در معنی آزردگی جهان آفرین است - بعزت الله در حق تو دعاگویم که ازین مضطرب و مذبذب برگردی - از دوری مهجوری آن فرزند رشته دلم چون دل گندم آدم ترقیده و هوشم چون هوش صاعقه موسی گردیده - مفطر اسمعیل و فطرت عیسی در حیرت افتاده - اشکم از طوفان نوح سبقت داده - بصارت دیده ام دیدهٔ یعقوب گرفته و حسن یوسف برقع محاق پزیرفته - همچو تن ایوب بکرمان دوخته - عمر سلیمانیم چون نار ابراہیم سوخته - حلقومم حلقوم اسماعیل گشته و فرقم زکریا وار ته اره خونخواره آمده زمام اختیار ناقهٔ صالح وار از دست رفته - پس از جمیع مقدمات سیر فرسوده احوال پریشانی ما را در وہم دل گذرانیده در . . ایام که قصوی مقصد دینی و دنیوی است ، پریشانی و تحمل و تعطل نورزی که بجز ازین ہنگام خرمی و خوشحالی و کامرانی چیز دیگر نخواہد بود و این مقدمات فسخ نوکری (۱۴۸ ب) که تو در نظر داری بعز قبول ما نمی افتد - معهذا نتیجه بخش نه - ای دانای آگاه دل رموز دان گاہی مفهوم نکردی که ہزار بار بتوگفته ام و طرفه صخره سنگی که مؤثرت نمی گردد - پیشه نوکری دست بستن پیش مخلوق و منتظرلقمه بودن است و این از عمل حسنه نیست - باوجودکه الله تعالیٰ همه چیز داده باشد چه از خورش و چه از خوبی‌ها و همه برادر در آغوش تو باشند - فرض کردم که این همه ترا میرسد اما صحبت من در پر عنقاست - نی نی عظیم(؟) آنجا ترا حظ قوت ہم نخواہد بود - معلوم است که این سرزدگی حاصلت . . . بالجمله اوقات به تعیش و عزت گذرد غنیمت است - سید نورالله خیلی آزردگی شما ابرازکرده که ہمیشه ازگردش فلک و انقلاب ازمنه در عتاب است و مشکی - ای قرةالعین - تاچه ضرور صاحبی که قدر اہلیت و قابلیت و

سلیقہ ندارد پیش او بودن ، خورشید را بگل اندودن است ۔ ترا صحبت دولتمندی کہ شعردانی و نظم خوانی و انشا فہمی و معما شگافی مجموعہ خوبی‌ها داشتہ باشد درکار است ۔ خوب ۔ الماضی لا ذکرلہ والحال یدخل فی‌الحال ۔ خود را بملازمت رساند و کابل طبیعت نگردد و اگر عیاذاً باللہ طرزی دیگر بخاطر راہ دادہ باشد ، بسان پسر نوح خواہد گردید ۔ کاغذ تمام شد و نیروی نوشتن بانجام آمد ۔ والسلام۔ عزم گفتن ز اول قدم‌است ۔ بہتر آنست خود را ازان باز داشتہ بخیال دیگر پردازد ۔ چنانچہ اللہ تعالی قابلیت باو عطا فرمودہ است و جا کرامت فرماید ۔ اللہ بس و ما سوای اللہ ہوس[۱] ۔''

۴ ۔ شیخ مبارک کی ایک اور تحریر جو انھوں نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے لکھی تھی وہ ''منتخب اللباب'' مؤلفہ خافی خان میں منقول ہے ۔ اسے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں[۲] ۔

۵ ۔ ''مآثر الامراء'' کے مؤلف نے ایک اور کتاب ''جوامع الکلم'' شیخ مبارک سے منسوب کی ہے ۔ اس کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا ۔

۶ ۔ فیضی کے نام شیخ مبارک کا ایک خط سندھ یونیورسٹی لائبریری کی بیاض سے دستیاب ہوا ہے جسے سید حسام الدین راشدی نے اپنے مرتب تذکرۂ شعرای کشمیر (تکملہ) بخش سوم میں (ص ۱۰۹۸ - ۱۱۱۹) پر درج کیا ہے ۔ اس خط میں بھی شیخ مبارک نے اپنے اب وجد کے احوال و کوائف بیان کیے ہیں اور اپنے خاندان کے غیر اصیل ہونے پر اعتراض کا دفاع کیا ہے ۔ اس تحریر کو یکجا رکھنے کے لیے ہم اسے یہاں دوبارہ نقل کرتے ہیں ۔ اس خط کے مل جانے سے یہ ظاہر ہوا کہ شیخ نے اس موضوع پر تین خط لکھے ہیں ۔ ایک ابوالفضل کے نام ۔ دوسرا فیضی کے نام اور تیسرا وہ خط جس کا اقتباس خافی خان نے دیا ہے ۔ اس کا مکتوب الیہ مذکور نہیں ۔

---

۱ ۔ مجموعہ مفاوضات ، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ Pix 33 ص ۱۴۷-۱۴۸ ۔

۲ ۔ منتخب اللباب ۱ ، ص ۱۹۸-۱۹۹ ۔

نامهٔ شیخ مبارک به ابوالفیض فیضی :

بعد از دعای بقای ایمان کامل که اصل اجل نعم الهی است و سرمایهٔ نامتناهی بر ضمیر فیض پذیر فرزند دلبند سعادتمند، قرهٔ عینی، ثمرهٔ فواد، ابوالفیض (ایده الله تعالی بالفیض الابدی و الفضل السرمدی) مخفی نماند که زمانه بواسطه شومی علمای بی دیانت و فقهای پر خیانت فساد بی نهایت انگیخته و گرد حوادث ریخته ، حضرت حجة الاسلام امام محمد غزالی (قدس سره) فرمود : آن کسان که راه دین را روان من ساختند ، اکنون این راه میزنند ، چگونه درین راه توان رفت ۔"

شیخ اوحدی که از بندگانِ دیندار است ، در جام جم می فرماید :

روح قرآن بر آسمان بردند نقد تحقیق از میان بردند
از حقیقت بدست کوری چند مصحفی ماند کهنه گوری چند

ترکان ناخوانده و سپاه ساده لوح ، بر مراتب ازین جماعت بهتر اند ۔ یکی بزور چاپلوسی و خاک بوسی افغانان شیخ الاسلام لقب یافته و دیگری بواسطه غلط نمایی و خود ستائی صدرالکرام ۔ بواسطه تعصب و جاه دنیوی فتوی بر قتل سید می دهند و افغانان بی ایمان که سبِّ نبی کرده ، قتل او را مشروع میدانند ۔

سبحان الله این چه اسلام است ۔ زنهار صدزنهار ۔ از حیله و مکر این زاهدان که دعوی اسلام می کنند ، ایمن مباشند که بیباک تر ازینند ۔ اگر این بندگان حضرت خلدالله ملکه علوم عقلی و نقلی پیش فقیر خوانده و ابواب انواع علوم و معارف بر ایشان مفتوح شده ، در مجلس اشرف اقدس به این سفید ریشان سیاه دل و خود پرستان بی حاصل مباحثه می کنند ، ادب می نمایند ۔

چون بیکسی هر دو برادر و کثرت هجوم فساد در نظر می آید بسیار دلگیری دست میدهد که مبادا این جماعة حیله ور در مقام ظرافت شوند ۔ رفته رفته ضرر کشان ، آن فرزند باید برادر خود را نصیحت نماید که سکوت کردن فرض وقتست و آن که خاطر را تسلی بخشد ، آن است

که بندگان حضرت خلافت پناهی بنور ولایت خاص آن جماعت را در یافته اند - تعصب و بی دیانتی آنها دانسته اند - الحمدلله علیٰ ذالک حق سبحانه تعالیٰ ظلال دولت و اقبال امتداد داراد -

ونیز شنیده شد که یکی از کوریان در مجلس بعضی دشمنان نام والدهٔ سیدهٔ فقیر را به اهانت برده است - او را به غضب خدا و رسول سپرده شد -

ای فرزند - از نسبت لاف زدن استخوان بدان فروختن است و افتخار به کمال غیر کردن نشان کوری است - مثنوی :

بندهٔ عشق شدی ترک نسب کن جامی
که درین راه فلان ابن فلان چیزی نیست
چون نادانان نه در بند پدر باش
پدر بگذار فرزند هنر باش
چو دود از روشنی نبود افشانند
چه حاصل زآنکه آتش را فروزند

پسر نوح کافر گشته و از بت تراش حضرت ابراہیم بوجود آمد - بیت :

گرد نام پدر چه میگردی پدر خویش شو اگر مردی

فقیر مبارک بن خضر بن رکن الدین بن عبدالله بن موسیٰ بن عبدالقیوم بن عبدالله قریشی است و این شیخ موسیٰ و پدرانش از عرب بودند - و در یمن سکونت داشتند و این شیخ موسیٰ سیر عالم بسیار کرده بود آخر به ارادت در ولایت سند در قصبه ریل آمد و متوطن شده - بعد در همانجا متأهل شد - بدرویشی و فقر و زهد آراسته بود - همین روش در فرزندان او بود - تا والد من (در خانهٔ) شیخ منور پدر نظام الدین ناگوری متوطن شده - فقیر خود با والده ام از ولایت سند بر آمده ، در ناگور به جوار حضرت سلطان التارکین متوطن شد -

فقیر خورد بودم که والدم (خضر) بجهت آوردن بعضی اقربا به سند رفته بود و مادرم در خانهٔ شیخ منور مذکور گذاشته بود - والد من

از تقدیر الٰهی به سند رفته وفات یافته و مادرم بیکس مانده مرا می پرورید و در تعلیم من سعی بلیغ می نمود - حق سبحانه بر بیکسی و یتیمی و غریبی من نظر کرد - الطاف بی غایات خود انداخته فقیر را رشدی عظیم و قلبی سلیم و فهمی مستقیم حفظ نموده - در چهارده سالگی علوم متداوله موهوب شدو شیخ زادهای جاهل حسد تمام می بردند -

درمیان عورات یک بار گفتگو شد - مادر را لت کردند - مادرم گریه کنان به خانهٔ مغفور مرحوم سید السادات شیخ عبدالرزاق قادری حسینی بغدادی (رحمة الله علیه) که یکی از اولاد حضرت غوث ربانی سید عبد القادر جیلانی قدس سره بودند و بر پدرم شیخ خضر عنایت و شفقت بسیار داشتند ، رفته داد خواهی کرد و هم چنین به خدام شیخ یوسف سندهی که سیار هفت اقلیم است و بیست حج گذاشته بود و بر احوال پدرم اطلاع داشت ، رفته مظلومی خود را گفت - اینها آن جماعة بی اندام را طلب فرمودند که شما چرا این سید زادی بیکسی غریب را لت کرده اید - اینان در جواب گفتند - که زن شیخ خدمتگار و خانه زاد ماست که شیخ را داده بودیم و او با اولاد و همشیرهای ما دشنام میداد - ما هم او را لت کردیم - اگرچه آن شیخ زادهای جاهل به واسطهٔ خلاصی خود تهمتی در معرکه کرده بودند اما چون خدام عالی مقام که اسامی ایشان در متن مذکور شده از احوال پدر و مادر اطلاع داشتند ، آن جماعه جهال بی اندام را بسزا رساندند و شدتها کردند - بعد ازان فقیر با والده در جوار جناب سید یحیی مذکور می بودم - ازان سپس والده هم به رحمت حق پیوسته و آن سه بزرگوار نیز ازین عالم رخت اقامت بر بستند و بنیاد حادثهٔ مالدیو شد فقیر را در سر سودای مسافرت افتاد و سفرها کرد - از محنتهای سفر و احوال مسافرت چه نویسد مگر به شما گفته شده -

ای فرزند ارجمند - حوصله را فراخ می باید کرد و از سخن که اهل سخن بگویند از جا نباید رفت - از آن دم تا این دم مردم سنجیده و حق

شناس در ہر عصر بسیار کم بودند و ہمیشہ تہمت و افتراء و حسد و بغض و حقد در عالم بودہ ۔ حق سبحانہ از شر اہل فساد در امان خود محفوظ دارد ۔ حضرت بادشاہ اسلام خلداللہ ملکہ و اقبالہ و حصول آمالہ ما را توفیق مزید خدا جوئی و حق پرستی و دوست نوازی و دشمن گدازی روز بروز زیادت گرداناد و شہزادگان کامگار برخوردار را بہ کمال سیری و روشن ضمیری رساناد ۔

(از جنگ خطی ذخیرۂ دانشگاہ سند)

(منقولہ از 'تذکرۂ شعرای کشمیر' تکملہ ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی بخش سوم ، ص ۱۰۹۸ - ۱۱۱۹ -)

اولاد :

شیخ مبارک کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں ۔

بیٹیاں :

۱ - ایک بیٹی ۹۹۷ھ میں خداوند خاں دکنی سے بیاہی گئی جو پہلے نظام شاہ کا امیر دربار تھا - ۹۹۵ھ میں مغل دربار کا ملازم ہوا اور اسے ہزاری منصب ملا - وہ ۹۹۸ھ میں فوت ہوا ۔

۲ - دوسری بیٹی کی شادی غازی خان بدخشی کے بیٹے میر حسام الدین سے ہوئی جو ہزاری منصب رکھتا تھا ۔ اس نے دکن میں خانخانان کے ساتھ خدمات انجام دیں - بعد میں اس نے ترک علائق کر کے درویشی اختیار کر لی ۔ وہ دہلی میں ۱۰۳۳ھ میں فوت ہوا ۔

۳ - تیسری کی شادی راجہ علی خان والی خاندیس کے بیٹے سے ہوئی - ان کا ایک بیٹا صفدر خان اکبری عہد کے پینتالیسویں سال میں ہزاری

---

۱ - مآثر الامراء ، ج ۲ ، ص ۵۸۵ -

منصب پر سرفراز تھا۔

۴ - چوتھی بیٹی لاڈلی بیگم تھی جو اسلام خان شیخ علاؤالدین چشتی سے بیاہی گئی تھی۔ اسلام خان شیخ سلیم چشتی کا پوتا تھا۔

بیٹے:

۱ - ابوالفیض فیضی: اکبر کا ملک الشعراء ۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء میں پیدا ہوا۔
۲ - ابوالفضل: ٦ محرم ۹۵۸ھ میں پیدا ہوا۔
۳ - ابوالبرکات: ۱۷ شوال ۹٦۰ھ میں پیدا ہوا۔
۴ - ابوالخیر، ۲۲ جمادی الاول ۹٦۷ھ میں پیدا ہوا۔
۵ - ابوالمکارم، ۲۳ شوال ۹۷٦ھ میں پیدا ہوا۔
٦ - ابوتراب، ۲۳ ذی الحجہ ۹۸۸ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی والدہ دوسری تھی۔

باب سوم

حیات ابوالفضل

بچپن اور تعلیم :

ابوالفضل شیخ مبارک کے دوسرے فرزند تھے ۔ وہ آگرہ میں چھ محرم ۹۵۸ھ/۱۴ جنوری ۱۵۵۱ع کو پیدا ہوئے ۔ ابوالفضل نے خود لکھا ہے کہ میں ایک سال سے اوپر عمر میں گفتگو کر سکتا تھا اور پندرہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار سے تمام علوم سیکھ لیے تھے[1] ۔ ہم یقینی طور پر تو نہیں کہہ سکتے کہ ابوالفضل نے اپنے ایام تحصیل میں کون کون سی کتابیں پڑھیں لیکن معاصر اور ابوالفضل کی تحریروں سے اتنا معلوم ہوسکتا ہے کہ اس زمانے میں مدرسوں میں کون کون سی کتابیں شامل درس ہوا کرتی تھیں ۔ ابوالفضل نے خود عبدالحی کے بیٹے کو مندرجہ ذیل کتابیں پڑھنے کی سفارش کی[2] ۔

مطول[3]، ہدایہ[4]، منار[5]، بزدوی[6]، حاشیہ مطالع[7]، جامی[8]، شاطبی[9]،

---

۱ ۔ مکاتبات علامی ، ص ۳۴۴ ، آئین اکبری ، حصہ سوم ، ص ۲۷۶ ، ۲۷۷ ۔

۲ ۔ رقعات ، ص ۷۸ ۔

۳ ۔ مطول : تلخیص المفتاح مصنفہ شیخ محمد بن‌عبدالرحمن القزوینی (م-۷۳۹ھ) پر سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی (م-۷۹۳ھ) کی شرح ۔

۴ ۔ **الهدایہ شرح البدایہ :** فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب البدایہ کے مصنف برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی (۵۳۰-۵۹۳ع) ہیں ۔ انھوں نے خود ہی بدایہ کی شرح ہدایہ لکھی ۔

۵ ۔ **مینار الانوار :** اصول فقہ پر کتاب ۔ اس کے مصنف ابو البرکت عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م-۷۱۰ھ) ہیں ۔

۶ ۔ **بزدوی :** یہ بھی اصول فقہ پر کتاب ہے ۔ اس کا اصل نام اصول یا کنزالوصول

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

مختصر[۱] ، وقایہ[۲] ، شرح شمسیہ[۳] -

شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب "اخیار الاخیار" مؤلفہ ۹۹۹ھ میں ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں[۴] -

قرآن مجید ، میزان الصرف[۵] ، مصباح[۶] ، کافیہ[۷]، مختصر النحو[۸] ، لب[۹] ، ارشاد[۱۰] ، شرح شمسیہ[۱۱] ، شرح عقاید نسفی[۱۲] ،مختصر[۱۳] ، مطول[۱۴] ، گلستان و بوستان سعدی اور دیوان حافظ -

عبدالقادر بدایونی فقہ میں شرح وقایہ[۱۵] ، علم کلام میں شرح صحایف[۱۶] اصول فقہ میں تحقیق[۱۷] اور فقہ حنفی میں کنز[۱۸] کا ذکر کرتا ہے جو اس نے ایام تحصیل میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں[۱۹] - بدایونی نے مزید بتایا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الی معرفت الاصول ہے - اس کے مصنف علی بن محمد البزدوی ہیں (-۴۸۲ھ) کتاب مصنف کے نام سے مشہور ہے -

۷ - حاشیہ مطالع : اصل نام لوامع الاسرار شرح مطالع الانوار ہے - اس کے مصنف قطب الدین رازی (م-۷۶٦ھ) ہیں -

۸ - شرح جامی : اس کا پورا نام شرح جامی علی الکافیہ یا الغوائد الضیائیہ ہے - اس کے مؤلف نور الدین عبدالرحمن جامی (۸۱۷-۸۹۲ع) ہیں -

۹ - شاطبی : کتاب کا نام حرز الامانی فی وجہ التہانی ہے - یہ قرأت و تجوید پر ایک قصیدہ ہے جس کے مصنف ابو محمد القاسم ابو فرا بن خلف شاطبی (۵۳۸-۵۹۰ع) ہیں - کتاب مصنف کے نام سے مشہور ہے -

۱ - مختصر : پورا نام مختصر المطول علی تلخیص المفتاح ہے جس کے مصنف مسعود بن عمر التفتازانی (۷۲۲-۷۹۳ع) ہیں -

۲ - وقایہ : پورا نام وقایہ الروایہ فی مسائل الہدایہ ہے - مؤلف برہان الدین محمود ہیں -

۳ - شرح شمسیہ : پورا نام تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح رسالۃ الشمسیہ ہے - مؤلف قطب الدین محمد بن محمد رازی (۷٦۹ھ-) ہیں -

۴ - اخبار الاخیار : ص ۳۱۱-۳۱۲ -

۵ - میزان الصرف : گرامر کی عام کتاب جس کا مصنف معلوم نہیں -

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کہ اس کے زمانے میں منطق میں شرح شمسیہ اور علم کلام میں شرح صحایف پڑھائی جاتی تھی - شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز الحق ملتانی دونوں بھائیوں نے شمالی ہندوستان میں آ کر مدارس میں علوم عقلی کی تدریس کا آغاز کیا[1] -

ابوالحسن ندوی نے ان تمام کتابوں کا جائزہ پیش کیا ہے جو آٹھویں صدی ہجری میں پڑھائی جاتی تھیں[2] اور یقیناً ابوالفضل کے زمانے میں بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۶ - مصباح : نحو کی کتاب - المصباح فی النحو مصنفہ ابو الفتح نصیر الدین بن عبدالسیّد المطریزی (۵۳۸-۶۱۰ھ) -

۷ - کافیہ : نحو کی کتاب الکافیہ فی النحو جس کے مصنف ابو عمرو عثمان بن عمر معروف بابن الحاجب (۵۷۰-۶۴۶ھ) ہیں -

۸ - مختصر النحو : اس کے مصنف حمید الدین ابو الحسن علی بن محمد الکوہستانی البخاری (۶۶۶ھ-؟) -

۹ - لُب : پورا نام لب الالباب فی علم الاعراب ہے - مؤلف نصیر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی (۶۸۵ھ-؟) ہیں -

۱۰ - ارشاد : از قاضی شہاب الدین دولت آبادی -

۱۱ - شرح شمسیہ : دیکھیے نوٹ سابق -

۱۲ - شرح عقاید النسفی : العقاید کا مصنف ابو الحفص عمر النسفی - شارح مسعود بن عمر التفتازانی (۷۲۲-۷۹۳ھ) -

۱۳ - مختصر ، دیکھیے نوٹ سابق -

۱۴ - مطول " "

۱۵ - شرح وقایہ : از عبیداللہ بن مسعود صدر الشریعہ صغیر (۷۴۷ھ-؟) -

۱۶ - شرح صحایف ؟

۱۷ - تحقیق : پورا نام التحقیق فی شرح الحسامی از ابو العزیز بخاری (۷۱۰ھ-؟) -

۱۸ - کنز : پورا نام کنز الدقایق ہے - مصنف ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی ہے - (۷۱۰ھ-؟) -

۱۹ - منتخب التواریخ : ج ۳ ، ص ۲ ، ۵۶ ، ۸۴ - ج ۱ ، ص ۳۳۴ ،

۱ - ایضاً ، ج ۱ ، ص ۳۲۴ -

۲ - ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ، ص ۹۵-۹۶ ،

بھی پڑھائی جاتی تھیں -

صرف و نحو : مصباح ، کافیہ ، لب الالباب اور ارشاد -

فقہ : ہدایہ -

اصول فقہ : منار اور اصول بزدوی -

تفسیر : مدارک[۱] ، بیضاوی[۲] ، کشاف[۳] -

حدیث : مشارق الانوار[۴] مصابیح السنہ[۵] -

تصوف : عوارف المعارف[۶] ، فصوص الحکم[۷] ، لمعات[۸] ، نقد النصوص[۹] -

عربی ادب : مقامات حریری[۱۰] -

منطق : شرح شمسیہ -

علم الکلام : شرح صحایف -

---

۱ - **مدارک** : مدارک التنزیل و حقایق التأویل از ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (۷۱۰ھ ؟) -

۲ ، **بیضاوی** : انوار التنزیل و اسرار التاویل از نصیر الدین عبداللہ عمر البیضاوی (۶۸۵ھ؟) -

۳ - **کشاف** : الکشاف من الحقایق التنزیل از محمود بن عمر جار اللہ زمخشری (۴۶۷ھ-۵۳۸ع) -

۴ ، **مشارق الانوار** النبویہ من صباح الاخبار المصطفویہ از رضی الدین ابوالفضائل حسن بن محمد العمری الصغانی (۵۷۷-۶۵۰ع) ،

۵ - **مصابیح السنہ** : از ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی (۵۱۶ھ؟) -

۶ - **عوارف المعارف** : از ابو حفص عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی (۵۳۹-۶۳۲ھ) -

۷ - **فصوص الحکم** : از ابو حفص محی الدین محمد بن علی معروف بابن العربی (۵۶۰-۶۳۸ھ) ،

۸ - **لمعات** : از فخر الدین ابراہیم عراقی ، صوفی شاعر (۶۲۴-۷۰۹ھ) -

۹ ، **نقد النصوص** : فی شرح نقش فصوص از نور الدین عبدالرحمن جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ) -

۱۰ - **مقامات حریری** : از ابو محمد القاسم بن علی الحریری (۴۴۶-۵۱۶ھ) -

بعد میں دسویں صدی ہجری میں مطالع[1] ، مواقف[2] اور ان کی شرحیں ، مطول ، مختصر ، تلویح[3] ، شرح عقاید نسفی ، شرح وقایہ اور شرح جامی کا اضافہ ہوا[4] ۔

ابوالفضل دس سال تک توجہ و انہاک سے پڑھتے اور پڑھاتے رہے ۔ ان کے مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ انھیں دو دو تین تین دن کھانے پینے کا ہوش نہ رہتا[5] ۔ وہ ایک دوست کو خط میں اپنی اس قدیم درس و مطالعہ کی زندگی کا حال بتاتے ہوئے لکھتے ہیں :

"خوشا بیداریہای لیالی عزلت و سحر خیزیہای محنت و صفحہ شماری‌های سبق مقرری و مطالعہ کردنہای حواشی مغلقہ و شروح مشکلہ کہ نکتہ ازاں یافتہ باشی و بحثی بروی کار آوردہ و بذوق آن شب را بیدار داری و خواب صبح را بچشم خود حرام گردانی ۔ علی الصباح سبقت گزینی و در اول قرأت سبق اطمینان آن نکتہ کردہ باشی و مقبول طبائع استاد و شرکاء گشتہ باشی و آواز احسنت و نغمہ آفرین از ہر طرف در گوش ہوش جای گرفتہ باشد[6] ۔"

وہ قدیم مصنفین کے دقیق مسائل کو بڑی خوبی سے سمجھاتے تھے ۔ بعض اوقات انھوں نے قدیم مصنف کے نقائص کی اس طرح نشاندہی کی کہ اتنی چھوٹی عمر میں علماء اس سے توقع نہیں رکھتے ۔ ایک مرتبہ وہ ملا

---

۱ ۔ **مطالع الانوار** : از سراج الدین ابو الثنا محمد بن ابی بکر الارموی (۵۹۴-۶۸۲ھ) ۔

۲ ۔ **المواقف** : فی علم الکلام ۔ از عبدالرحمن بن احمد عضد الدین الایجی (۷۰۱-۷۵۶ھ) ،

۳ ۔ **التلویح فی کشف** حقایق التنقیح ۔ از مسعود بن عمر التفتازانی (۷۲۲-۷۹۳ھ)۔

۴ ۔ ہندوستان کی قدیم درسگاہیں ، ص ۹۸-۹۹ھ ۔

۵ ۔ رقعات ابوالفضل ، ص ۲۷۷ ۔

۶ ۔ رقعات ، ص ۱۵۱ ۔

سعد الدین التفتازانی کی مطول اور اس کے حاشیہ مؤلفہ سید شریف[1] پر تبصرہ کر رہے تھے ۔ ان کے دوست تمام نکات قلم بند کیے جاتے تھے ۔ بعد میں جب ابو القاسم ابی بکر سمرقندی کا حاشیہ مطول دیکھا گیا تو اس میں وہ تمام نکات موجود تھے۔ تمام حاضرین ان کے صحیح تبصرے پر بہت متعجب ہوئے[2]۔

ایک دفعہ انھیں مطول پر حاشیہ اصفہانی[3] ملا ۔ اس کا تقریباً آدھا حصہ دیمک نے کھا لیا ہوا تھا ۔ انھوں نے مفقود حصے پر سفید کاغذ لگائے اور عبارات کا سیاق و سباق مدِ نظر رکھتے ہوئے نا پید حصوں کو قیاس سے لکھا ۔ اسی اثنا میں کتاب کا مکمل نسخہ مل گیا ۔ دونوں نسخوں کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف دو تین جگہوں پر کچھ الفاظ کا اختلاف تھا لیکن معنی و مفہوم تقریباً یکساں تھے ۔ جنھوں نے دونوں نسخے دیکھے وہ ان کی قابلیت و ذہانت سے بہت متاثر ہوئے[4] ۔

ابوالفضل کو کتابوں کا بڑا شوق تھا ۔ تقریباً تمام موضوعات پر انھوں نے کتابیں جمع کی ہوئی تھیں ۔ وہ مختلف مذاہب کے عقاید سے باخبر تھے ۔ انھوں نے اپنی درباری زندگی میں بھی مطالعہ کی عادت کو ترک نہیں کیا ۔ حالانکہ وہ مختلف فرائض کی انجام دہی میں اکثر مصروف رہتے تھے ۔ یہ حقیقت ان بیاضوں سے ظاہر ہے جن پر وہ یادداشتیں لکھا کرتے تھے ۔ یا ان زیرِ مطالعہ کتابوں سے واضح ہے جن پر دیباچے یا خاتمے قلم بند کرتے تھے۔ اس قسم کی بہت سی متفرق تحریریں "مکاتبات علامی" دفتر سوم میں موجود ہیں ۔

ابوالفضل نے اپنے والد کے علم و فضل سے بہت استفادہ کیا ۔ باپ

---

۱ ۔ سید شریف جرجانی (۷۴۰-۸۱۶ھ) جرجان میں پیدا ہوئے ۔ بعد میں شیراز میں قیام کیا ۔ فقہ ، منطق، صرف و نحو ، بیان و بدیع اور علم الکلام پر ان کی بہت سی تصانیف ہیں ۔

۲ ۔ آئین اکبری : دفتر سوم ، ص ۲۷۷-۲۷۸ ۔

۳ ۔ حاشیہ اصفہانی : مصنف کا نام معلوم نہیں ۔ کشف الظنون ، ج ۷ ، ص ۴۹۸ پر اس کا ذکر موجود ہے ۔

۴ ۔ رقعات ۱ ، ص ۱۵۱ ۔

نے بھی دوسرے بیٹوں کے مقابلے میں ابوالفضل پر زیادہ توجہ دی اور اس کے ساتھ زیادہ محبت سے پیش آئے۔ ابوالفضل نے ریاضی، طبیعیات اور فلسفہ شیخ موصلی سے پڑھا[۱]۔ وہ رواقین، مشائین اور صوفیہ کے عقاید سے باخبر ہوئے[۲]۔

مطالعہ کے باوجود ان کا ذہن متذبذب تھا۔ وہ اپنا وقت غور و فکر میں گزارتے تھے۔ وہ اس پُر فریب دنیا سے نا مطمئن تھے اور فقیروں اور گوشہ نشینوں کی صحبت کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ وہ اپنی اس نامطمئن کیفیت کا حال "اکبر نامہ" میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"تخیل آزادی لختی بآسایش می در آورد۔ از پست فطرتی و کم ہمتی باکمال دل گرفتگی از مدینہ و فرط بیابان دوستی بلند پایگی نگارخانہ سیمیائی آشوب درون آمدی و از یکرنگی کشا کش باطنی در شگفت زار افتادی[۳]۔"

اس وقت ابوالفضل کے ذہن میں یہ کشمکش موجود تھی۔ ایک طرف تو ان کے سامنے مذہب کے روائتی عقاید تھے۔ شک و ریب کی کیفیت موجود تھی۔ لیکن ساتھ ہی وہ موجودہ دینی علوم کو آسانی سے پسِ پشت بھی نہیں ڈال سکتے تھے۔ یہ ذہنی بے اطمینانی دور کرنے کے لیے وہ مزید علم و حق کی تلاش میں کوشاں تھے۔

دربار میں ملازمت:

۹۸۲ھ/۱۵۷۴ع میں فیضی اور دوسرے دوستوں نے ابوالفضل پر زور دیا کہ وہ شہنشاہ اکبر کی ملازمت میں آنا قبول کریں لیکن انھوں نے اپنے دل و دماغ کی مضطرب کیفیت کے پیش نظر انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ درباری زندگی کی مصروفیات ان کے ذہنی سکون کے لیے تباہ کن

۱۔ منتخب التواریخ، ج ۳، ص ۱۲۳۔
۲۔ اکبر نامہ، ج ۲، ص ۳۸۷۔
۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۳۸۸۔

ہوں گی - ان کے والد نے ملازمتِ شاہی کی اہمیت پر زور دیا اور بہتر مستقبل کا احساس دلایا - وہ اپنے والد کے سامنے انکار نہ کر سکے اور ملازمت کے لیے آمادہ ہو گئے - انھوں نے آیۃ الکرسی (قرآن ، ۲ : ۲۵۵ - ۲۵۷) کی تفسیر لکھ کر اکبر کے سامنے فتح پور سیکری میں پیش کی - اکبر احترام سے پیش آیا لیکن ان دنوں وہ مشرقی صوبوں یعنی بہار و بنگال کی فتوحات میں مصروف تھا - اس لیے اس نے ابوالفضل کی طرف زیادہ توجہ نہ دی - اسی سال بہار کے موسم میں ابوالفضل دوسری مرتبہ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوئے - اکبر نے فتوحات کے سلسلے میں جشنِ مسرت کی تقریب میں شرکت کے لیے ان کو دعوت دی لیکن شان و شکوہ کے ان درباری ہنگاموں میں شرکت کے لیے وہ فیصلہ نہ کر سکے - ایک رات انھوں نے خواب میں بنگال کے آخری حکمران داؤد قرارانی (۱۵۷۲ - ۱۵۷۶ع) کو شکست کھاتے ہوئے دیکھا - میدانِ جنگ کا نقشہ ایسا واضح تھا گویا وہ اس جنگ میں خود شریک تھے - اسی اثنا میں اکبر فتوحات سے فارغ ہو کر اجمیر واپس آ گیا - ابوالفضل کو بادشاہ کے حضور پیش ہونے کی دعوت دی گئی - انھوں نے سورۂ فتح کی تفسیر پیش کی - ''تفسیر اکبری'' نام رکھا جس سے سالِ تالیف ۹۸۳ھ نکلتا ہے[۱] -

:o:

---

۲ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۸۵ : منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۱۹۸ -

باب چہارم

درباری زندگی

منشی یا دبیر :

شروع میں ابو الفضل منشی کی حیثیت سے ملازم ہوا ۔ دربار کے تمام ملازمین کے لیے ضروری تھا کہ وہ فوجی منصب قبول کریں ۔ مذہبی علماء اس سے مستثنٰی تھے ۔ وہ مشاہرہ یا گزارے کے لیے زمین قبول کر لیتے۔ ملاّ عبدالقادر بدایونی نے فوجی منصب قبول نہیں کیا تھا اس لیے درباری ملازمت میں وہ 'ملاّ' ہی رہے ۔ ابوالفضل کو منصب بیستی ملا ۔ ہر منصب دار کو گھوڑے اور باربردار جانور رکھنے پڑتے تھے ، اس منصب کے لیے پینتیس روپے ماہوار تنخواہ مقرر تھی[1] ۔ منشی کی حیثیت سے اسے بیرونی ممالک کے حکمرانوں اور اپنی مملکت کے ناظموں اور افسروں کو مراسلات لکھنے پڑتے تھے ۔ اس کام میں اس نے لیاقت اور ہنر مندی کا ثبوت دیا ۔ اس نے شاہی احکام و آراء کو بڑے تیقن اور صراحت سے بیان کیا اور فکرِ شاہ کی ترجمانی کی جس سے بادشاہ بہت خوش ہوا ۔ اس طرح اسے بادشاہ کا قرب حاصل ہوا اور اسرارِ مملکت سے باخبر رہنے کا موقع ملا ۔ کچھ عرصے کے بعد وہ دبیرِ اعلٰی ہو گیا اور صرف مخفی مراسلات لکھنا اس کے ذمے رہا ۔ یہ کام تمام زندگی اس کے سپرد رہا ۔ اس کے فنِ مکتوب نگاری اور انشا پردازی کے متعلق ہم ایک علیحدہ باب میں بحث کریں گے اور اس کے مجموعۂ مکاتبات اور رقعات کا تنقیدی جائزہ پیش کریں گے ۔

---

۱ ۔ آئین اکبری، حصہ اول ، ص ۱۸۶ ۔

دبیر و مشیر

ابوالفضل کی علمی فضیلت ، عقل و دانش اور خلوص سے بادشاہ بہت متأثر ہوا - مملکت کے اہم امور میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا - وہ دبیر کے عہدے سے وزیر بن گیا اور آہستہ آہستہ وزیرِ اعلی اور ترجمانِ سلطنت سمجھا جانے لگا - اگرچہ حکومت کا کوئی خاص شعبہ اس کے سپرد نہیں تھا - لیکن مجالسِ مشاورت میں اس کے مشوروں کو اہمیت حاصل تھی - وہ سفر و حضر میں بادشاہ کے ساتھ رہتا - ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ سلطنت کے نظم و نسق اور دوسرے اندرونی و بیرونی معاملات میں کہاں کہاں ابوالفضل کے مشوروں پر عمل ہوا - دوسرے یہ بتانا اس لیے بھی ممکن نہیں کہ مشرقی درباروں میں آدابِ خدمت یہ ہوتے ہیں کہ خدامِ سلطنت اپنی ہر چیز بادشاہ کے نام منسوب کرتے ہیں اور اپنا کام بھی اسی کا بیان کرتے ہیں - پھر بھی ابوالفضل نے بادشاہ کی طرف سے جو خطوط ناظموں ، فوجی افسروں ، شاہزادوں اور بیرونی ممالک کے حکمرانوں کو لکھے ہیں ، ان میں ابوالفضل کا ذہن کارفرما نظر آتا ہے -

بادشاہ کی مصاحبت کے ساتھ ساتھ اسے بعض اور کام بھی سپرد کیے جاتے تھے - جب یسوعی پادری دربار میں آئے تو ان کی مہمان نوازی اور طعام و قیام کا انتظام اس کے سپرد ہوا - اس نے پادری رودلف کو فارسی پڑھائی - زرتشتی طریق کے مطابق محل میں رات دن اسی کی نگرانی میں آتش افروزاں رہتی تھی[1] -

٩٨٦ع/١٥٧٨ع میں جب اکبر اجمیر کی طرف جا رہا تھا تو اسے نواحی مواضع سے گائے مویشی جمع کرنے کے لیے مقرر کیا گیا - ٩٨٩ھ/١٥٨١ع میں اکبر اپنے علاقائی بھائی حکیم میرزا ، حاکمِ کابل کے خلاف حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہوا تو بہت سے فوجی افسر اس کے خلاف جنگ آزما ہونے کے لیے آمادہ نہیں تھے کیونکہ حکیم میرزا نے غیر مشروط

---

١ - منتخب التواریخ ، ص ٢٢٣ (اشاعت نولکشور) -

اطاعت پیش کرتے ہوئے نامہ بر بھیجے تھے لیکن اکبر اس کی بار بار سرکشی سے غیر مطمئن تھا اور چاہتا تھا کہ آخری فیصلہ ہو جائے اور کابل کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔ اس نے ابوالفضل کو مقرر کیا تاکہ وہ افسروں سے ملاقات کر کے اس موضوع پر گفتگو کرے اور بادشاہ کو اس کے متعلق تفصیلی رپورٹ پیش کرے۔ ۹۹۰ھ/۱۵۸۱ع میں وہ اونی تجارت کا منتظم تھا۔ ۹۹۴ھ/۱۵۸۶ع میں ہر صوبے میں دو افسرِ اعلیٰ مقرر کیے گئے تاکہ ایک کی غیر حاضری یا بیماری کے وقت دوسرا شخص اس کا کام سنبھال سکے۔ دہلی کے لیے شاہ قلی اور ابوالفضل کا تقرر ہوا۔

صدر

شیخ عبدالنبی صدر الصدور کے تعطل کے بعد سیورغال[1] کا انتظام بادشاہ نے خود سنبھالا۔ اس نے حکم دیا کہ جن اشخاص کے پاس ۵۰۰ بیگہ سے زیادہ زمین کے فرامین موجود ہیں وہ دربار میں پیش کریں۔ اس محکمے کی نئی ترتیب و تنظیم کا کام ابوالفضل کے سپرد ہوا تاکہ ان سرکاری عطیات کی تقسیم غیر جانبداری سے ہو سکے۔ اس نے نہایت اخلاص و دیانت سے اس کام کو سرانجام دیا اور مستحق علماء و فقرا کی امداد کے لیے بہتر انتظام کیا۔

ناظم دفتر دستاویزات

وہ دفتر خانۂ شاہی کا سربراہ تھا۔ ملازمینِ دفتر کی نگرانی کا کام اس کے سپرد تھا جو بے شمار سرکاری رپورٹیں تیار کرنے میں مصروف رہتے تھے اور سرکاری کاغذات کو عمارت کی دیواروں کے اندرونی خانوں میں ترتیب سے رکھتے تھے۔ دفتر خانہ ایک غلام گردش کے ذریعے بادشاہ کے خلوت خانے سے وابستہ تھا تاکہ ابوالفضل بادشاہ کا حکم سنتے ہی دفتر سے سرکاری کاغذات لے کر فوراً اس کے حضور پیش کرے[2]۔

۱۔ **سیورغال**: خیراتی کاموں کے لیے زمین کے عطیات۔ مددِ معاش۔

۲۔ آئین اکبری، ص ۱۹۲-۱۹۵۔

منتظم :

۱۵۹۷ع میں اکبر کشمیر گیا ۔ معلوم ہوا کہ زمینداروں کے ظلم و ستم سے کاشتکاروں اور عوام کا برا حال ہے ۔ ملک میں قحط کا دور دورہ ہے ۔ اس نے ابوالفضل کو مقرر کیا تاکہ ہر ضلع میں دیانتدار اہلکاروں کے ذریعے پیداوار کے حساب سے از سرِ نو زمینوں کا بندوبست کیا جائے ، پچھلا مالیہ معاف کر دیا جائے ۔ ابوالفضل نے غریبوں کی خوشحالی کے لیے بہت اچھا انتظام کیا ۔ کشمیر کو ۴۱ پرگنوں میں تقسیم کیا ۔ اس نے شہر میں بارہ مرکز قائم کیے ۔ خچر کاروں کو مقرر کیا جو غذائی اجناس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تھے تاکہ مفلس اور بے نوا اشخاص میں غذا تقسیم ہو سکے ۔ ہر اتوار شاہی خزانے میں سے محتاجوں میں روپیہ تقسیم کیا جاتا تھا ۔ ہر اتوار تقریباً تیس ہزار اشخاص کو وظیفہ ملتا ۔ تھوڑی سی مدت میں کشمیری جو بھوک کی وجہ سے ایک دوسرے کا گوشت کھانے کے لیے تیار تھے ، خوشحال ہو گئے[1] ۔

اکبر نے ابوالفضل کو بیس ہزار روپے دیے تاکہ وہ سلطان پور اور نکودر کے درمیان ایک بند بنوائے اور آبشار تیار کروائے[2] ۔

اتالیق :

۱۵۹۱ع میں ابوالفضل کو شاہزادہ خسرو بن شاہزادہ سلیم کا اتالیق مقرر کیا گیا ۔

مؤرخ اور مترجم :

دوسری درباری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اکبر کے حکم سے ابوالفضل تاریخ مرتب کرنے اور دوسرے ادبی کاموں میں مصروف رہتا ۔ ۱۵۹۰ع میں اس نے "اکبر نامہ" لکھنا شروع کر دیا تھا اور زندگی کے آخری ایام تک سال بسال اس میں واقعات کا اضافہ کرتا رہا ۔ ۱۵۹۸ع میں اس نے

---

۱ ۔ اقبال نامہ جہانگیری ، ۴۵۷ ۔

2. Tuzuki-Jahangiri, Translated by Rogers and Beveridge, p. 135-136.

"آئینِ اکبری" مکمل کر لی ۔ اس نے "انوار سہیلی" اور "طوطی نامہ" کو سادہ و آسان زبان میں لکھا ۔ "گیتا" اور "انجیل" کا ترجمہ کیا ۔

پروفیسر عبدالغنی نے "کشن چند جوشی" اور "مہیش مہاند" ۔ دو اور سنسکرت کتابوں کا ذکر کیا ہے ، جس کا ابوالفضل نے ترجمہ کیا[1] ۔ اس نے کسی مستند کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس میں ابوالفضل کے ان ترجموں کا ذکر ہوتا ۔ معلوم ہوتا ہے اس نے بلوخمن کے مرتبہ "آئین اکبری" کے متن و ترجمہ پر بھروسا کیا ہے ۔ اصل عبارت اس طرح ہے :

"لختی زیچ جدید میرزائی را بدید آوری امیر فتح اللہ شیرازی و ترجمانی راقم اقبالنامہ ، کشن چند جوشی ، گنگا دھر و مہیش مہانند ، از ہندی بفارسی آوردند[2] ۔"

بلوخمن نے اس کا انگریزی میں اس طرح ترجمہ کیا ہے :

"A part of Zich Jadid-i-Mirzai (vide III book, 'Ain I) was translated under the superintendence of Amir Fathullah Shirazi and also the Kishan Joshi, the Ganga Dhar, the Mahesh Mahanand, from Hindi, (Sanskrit) into Persian according to the interpretation of the writer of the auspicious book[3]."

متن اور ترجمہ دونوں غلط ہیں ۔ اصل میں زیچ جدید میرزائی فارسی میں تھی ۔ نہ ہندی (سنسکرت) میں ۔ کشن جوشی ، گنگا دھر اور مہیش مہانند کتابوں کے نام نہیں بلکہ ہندو فضلا کے نام ہیں جنھوں نے کتاب کو فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا ۔ میر فتح اللہ شیرازی نے اس کے مفہوم کی وضاحت کی اور ابوالفضل نے اس کی ترجمانی کی ۔ یہ بات "آئین اکبری" کے اس درست متن سے واضح ہے جو سید احمد خان نے مرتب کیا تھا ۔ اس کی عبارت یوں ہے :

---

1. History of Persian language and literature at the Mughal Court, Pt. III, p. 34.

۲ ۔ آئین اکبری ، حصہ اول ، ص ۱۱۵ ۔

3. Àin-i-Akbari, translated by Blochman, Pt. I, p. 104.

"لختی زیج جدید میرزائی بدیدہ وری میر فتح اللہ شیرازی و ترجمانی راقم اقبالنامہ، کشن جوتشی و گنگا دھر و مہیش مہانند از فارسی بہندی آوردند[1] ۔"

مندرجہ بالا تالیفات کا کام ابوالفضل نے بادشاہ کے حکم سے سرانجام دیا ۔ ان کے علاوہ اس کی اور بھی تالیفات ہیں جو اس نے اپنے فارغ اوقات میں قلمبند کیں ۔ ان تمام تالیفات کے متعلق ہم ایک نئے باب میں تبصرہ و تنقید لکھیں گے ۔

مذہبی مناظر:

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ابوالفضل نے بڑے انہاک سے متداولہ علوم میں مہارت حاصل کی اور مذہبی مسائل کو عقل و درایت سے حل کرنا سیکھا اور مسموعات و منقولات پر اپنے عقاید کا انحصار نہ کیا ۔ جب ابوالفضل نے دربار کی ملازمت قبول کی تو متعصب علماء پر اس کا داخلہ بڑا شاق گزرا ۔ مخدوم الملک اور صدر الصدور کے مذہبی تسلط اور جبر سے اکبر اور ہندو راجپوت سردار نا خوش تھے ۔ اکبر کے دل میں تقلیدی اور رسمی مذہب کے خلاف نا اطمینانی پیدا ہو رہی تھی ۔ وہ اشیاء کی حقیقت جاننے کا آرزومند تھا ۔ دربار میں ابوالفضل کے داخلے کے دوسرے سال یعنی ۱۵۷۶ع میں عبادت خانہ قائم ہوا ۔ جمعرات کی رات کو علماء کا اجتماع ہوتا اور ہر قسم کے اخلاق مسائل زیرِ بحث آتے ۔ اس طرح متخالف بیانات کا تجزیہ و تصفیہ ہوتا ۔ ان مباحث کے متعلق اکبر نے کہا :

"ای ملایان دانشمند ۔ مقصود ما طلب حق و تحقیق مذہب و کشف حقیقت حالست ۔ زنہار از سر نفس و ہوا حق پوشی نکنید و سخن بخلاف اسلام نگوئید ۔ اگر بگوئید شما دانید و خدا[2] ۔"

لیکن علماء میں باہمی اختلافات اور مناقشات کی وجہ سے وہ ہنگامہ

---

۱ ۔ آئین اکبری مرتبہ سید احمد خان ، مطبوعہ دہلی ، ص ۸۲ ۔
۲ ۔ زبدۃ التواریخ ، ص ۱۶۶ ۔

ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کو مرتد اور کافر کہتے ۔ مخدوم الملک اور صدر الصدور میں خود اختلاف پیدا ہو گیا ۔ مخدوم الملک نے ایک رسالہ لکھا جس میں صدر الصدور پر الزام لگایا :

"شیخ عبد النبی خضر خان سروانی را کہ متہم بہ سبِّ نبی بود و میر حبش را کہ بہ تہمت رفض گرفتہ بود بناحق کشتہ و نماز گذاردن عقب او روا نیست چراکہ پدرش عاق ساختہ و خود علت بواسیر خونی دارد[۱] ۔"

عبدالنبی صدر نے اپنے دفاع میں مخدوم الملک کو جاہل اور گمراہ قرار دیا[۲] ۔

بدایونی لکھتا ہے :

"پادشاہی را کہ جوہر نفیس و طالب حق بود اما عامی محض . . . در شک انداختند ۔ حیرت بر حیرت افزود و مقصود از میان رفت و سد سدید شرع متین شکست[۳] ۔"

ابو الفضل نے ان مباحث میں اپنی علمی فضیلت اور ذہنِ رسا کا سکہ بٹھا دیا ۔ اس کا منطقی استدلال اور پر زور دلایل مخالف جماعت کو پریشان کر دیتے اور آخر وہ غیر تشفی بخش معذرت پر مجبور ہو جاتے ۔ بدایونی نے لکھا ہے : ابوالفضل

"در اعتقادیات دلیرانہ باین پیران خرف کہ صدر ، قاضی ، حکیم الملک[۴] و مخدوم الملک باشند ، در افتادہ بحث میکرد و ہیچ تأمل درکسر عرض

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۵۵ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ص ۲۵۵ ۔
۳ ۔ ایضاً ، ج ۲ ص ۲۵۵ ۔
۴ ۔ حکیم الملک : شمس الدین حکیم الملک گیلانی ، دربار اکبری کا نامور فاضل حکیم ۔ جب دربار میں مذہبی اختراعات کا رواج ہوا تو وہ ۹۸۸ھ مکہ چلا گیا اور وہیں فوت ہوا ۔
(آئین اکبری ، انگریزی ترجمہ ، ص ۵۴۲)

ایشان روا نمی داشت و پادشاہ را خوش می آمد ۔ خفیہ بدست آصف خان میر بخشی پیغام فرستادند کہ چرا با ما درافتی ۔ جواب می داد کہ ما نوکر مردی ایم ــــ در اندک فرصت یگان یگان را بقوت مصارعہ خود و معاونت پدر و مظاہرت خلیفۂ زمان و مساعدت بخت بر زمین ذل و ہوان انداخت و ہیچ یکی از اہل اسلام جز حکیم ابوالفتح[1] و ملا محمد یزدی[2] در بعضی مسائل با او مماشاۃ نمی کرد[3] ۔"

ہمارے پاس ایسے مآخذ موجود نہیں جن سے ہم معلوم کر سکتے کہ ان مجالس میں کس قسم کے موضوعات زیر بحث آتے تھے اور ان کے متعلق ابو الفضل کے نظریات کیا ہوتے تھے ۔ "دبستان المذاہب" کے مصنف نے ان مباحث کی روئیداد لکھی ہے جو مختلف مدارسِ فکر کے علماء کے درمیان بحث و تنقید کے لیے پیش ہوتے تھے لیکن یہ سوال و جواب محض خیالی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ مصنف نے اپنے مأخذ کا ذکر نہیں کیا اور یہ کتاب اکبر کی وفات کے بیالیس سال یعنی ۱۰۵۶ھ میں لکھی گئی تھی ۔

ابو الفضل کے استفسار اور استدلال کی ایک دو مثالیں جو کتابوں میں مذکور ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے اعتراضات کس قدر وزنی اور دلایل کس قدر مسکت ہوتے تھے ۔ مثلاً بدایونی نے ابوالفضل کا ایک اعتراض نقل کیا ہے :

---

۱ ۔ **حکیم ابوالفتح :** مسیح الدین ابوالفتح ، حکیم نور الدین کا نامور بھائی ۔ ۱۵۶۷ع میں ہندوستان آیا ۔ بنگال کا امین اور صدر مقرر ہوا ہزاری منصب کے باوجود ملکی معاملات میں اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا ۔ ۱۵۹۰ع میں فوت ہوا ۔ بڑا مربی علم و ہنر تھا ۔ عرفی اور فیضی نے اس کی مدح میں قصاید لکھے ہیں ۔

۲ ۔ **ملا محمد یزدی :** وہ ۹۸۳ھ میں ہندوستان آیا ۔ وہ پکا شیعہ تھا ۔ خلفائے ثلاثہ کے خلاف شدید تعصب کا اظہار کرتا تھا ۔ وہ جونپور کا قاضی مقرر ہوا ۔ بعد میں اس نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کی ۔ ۱۵۷۹ع میں جمنا میں ڈبو دیا گیا ۔

۳ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۶۳ ۔

"مارا از جمیع مصنفین گله است از دو رہگذر ؛ یکی آنکه چرا احوال پیغمبران سابق را بتفصیل ننوشتند ، چنانچه احوال پیغمبر خود را صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔ دوم آنکہ ہیچ اہل حرفہ نماند کہ در تذکرۃ الاولیاء و نفحات الانس و غیر آن اسم آن مذکور نشدہ ۔ اہل بیت چہ گناہ کردہ بودند کہ در آنجا داخل نساختند و این معنی بغایت محل تعجب است[1] ۔"

یہ دونوں نکات واقعات ہیں اور بہت کم علماء نے ان پر غور کیا ہے ۔ بدایونی لکھتا ہے کہ میں نے ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن ان کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں ۔

ایک اور سوال و اعتراض کے متعلق "ماثر الامراء" کے مصنف نے لکھا ہے :

"بتقریب سالگرہ برملبوس پادشاہی رنگ زعفران پاشیدہ بودند ۔ شیخ (عبدالنبی) بغضب آمدہ سر دیوان چنان عصا بر تافت کہ بدامن جامۂ عرش آشیانی رسیدہ پارہ شد ۔ حوصلہ تنگی کرد . . . . روزی طعام مزعفر برسر سفرہ بود ۔ چون شیخ ازان تناول کرد ، ابوالفضل گفت کہ ایہا الشیخ ۔ اگر زعفران حلال می بود ، چرا این ہمہ احتساب بحضرت خلیفۃ اللہ فرمودند و اگر حرام است ، خود چرا تناول کردند کہ تا سہ روز اثرش باقی می ماند[2] ۔"

اس بیان سے ابوالفضل کی بے باک تنقید اور استدلال کی ایک جھلک نظر آتی ہے ۔

۱۵۷۹ع میں وہ محضر تیار ہوا جس پر ابوالفضل کے والد اور دیگر علماء نے دستخط کیے اور بادشاہ کو نہ صرف امورِ مملکت میں مقتدرِ اعلٰی مانا گیا ۔ بلکہ مذہبی امور میں بھی آخری حکم مانا گیا ۔ اگرچہ محضر پر ابوالفضل کے

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۶۲ : اکبر نامہ ج ۳ ، ص ۳۱۳ ۔
۲ ۔ ماثر الامراء ، ج ۲ ، ص ۵۶۱-۵۶۲ ۔

دستخط نہیں کرائے گئے پھر بھی وہ اس کے مندرجات سے متفق تھا۔ اس کا اپنا قول ہے[1]: الملک والدین توامان یعنی مذہب و حکومت ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جا سکتے۔ مملکت کا سربراہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو احکام خداوندی کے علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور سیاسی شعور رکھتا ہو۔ رسول خدا کے پہلے خلفاء انھی اوصاف کے مالک تھے۔ جونھی مسلمانوں میں بادشاہت قائم ہوئی۔ مذہبی امور پر علماء کا تصرف ہو گیا۔ بادشاہ نے علماء کو خوش رکھا اور انھوں نے اپنے خطبوں میں بادشاہ کی خدمت و اطاعت کا اعلان کیا۔ اسی طرح مذہب اور سیاست دو الگ الگ اکائیاں بن گئیں۔ علامہ اقبال نے جو اسلامی فکر پر گہری نظر رکھتے تھے، وحدت مذہب و سیادت کی حمایت میں لکھا ہے:

"In Islam the spiritual and the temporal are not two distinct domains ...It is not true to say that Church and state are two sides or faces of the same thing. Islam is a single unalysable reality[2]."

۱۵۷۸ع کے بعد عبادت خانہ مختلف مذاہب و عقاید کے علماء کا مرکز بن گیا۔ پارسی، برہمن، جین اور عیسائی وہاں آتے اور اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کرتے۔ ہر مکتب فکر کا نمایندہ یا ترجمان بادشاہ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا۔ ان مجالس میں مذاہب کے مختلف موضوعات پر خوب بحثیں ہوئیں۔ ابوالفضل کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی کہ چین کے درویشوں، پرتگال کے پادریوں اور اوستا کے فاضلوں کی باتیں سن سکے۔ اکبر نے ان مذاہب کی اچھی چیزوں کو پسند کیا، اپنایا اور ان پر عمل کیا۔ ۱۵۸۳-۱۵۸۴ع میں اس نے تمام مذاہب کو ملا جلا کر

---

۳ - اکبر نامہ، ج ۳، ص ۳۹۸ -

1. Reconstraction of Religious thought in Islam, p. 146.

ایک نیا دینِ الٰہی[1] ترتیب دیا اور نئے طریقے رائج کیے۔ اکبر رسمی اور روایتی اسلام سے بیزار ہو گیا۔ دینِ الٰہی سے ابوالفضل کے روابط کے متعلق ہم الگ گفتگو کریں گے۔

———:o:———

۱ - دین الٰہی کی بحث کے متعلق دیکھیے۔

Din-i-Ilahi by Roy Chaudhry.

Religious policy of the Mughal Emperor by Siri Ram Sharma.

Journal of Indian History, 1930, article by J. N. Sinha.

ماہنامہ نگار (اردو)۔ لکھنو شمارہ مئی و اگست ۱۹۵۸ء۔

باب پنجم

ابوالفضل کا مذہب

اکبر کو اسلام سے منحرف کرنے میں ابوالفضل کی ذمہ داری

ابوالفضل پر اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے اکبر کو اسلام سے منحرف کیا - سب سے بڑا الزام تراش درباری ملازم عبدالقادر بدایونی ہے - متاخر مسلم مؤرخین نے اس کی پیروی کی یا اکبر کے نئے قوانین و قواعد دیکھ کر خود وہی رائے قائم کر لی - بدایونی لکھتا ہے :

"بیربر[2] حرامزاده و شیخ ابوالفضل و حکیم ابوالفتح قدم بالا تر نهاده از دین منحرف ساختند و انکار مطلق وحی و نبوت و اعجاز و کرامت و شرایع نموده کار را از پیش بردند[1] -"

اکبر کے تمام عقاید کی ذمہ داری ابوالفضل پر نہیں ڈالی جا سکتی - اکبر اتنا کمزور دماغ کا آدمی تو نہیں تھا کہ اس کے مصاحب اسے جدھر لگاتے وہ لگ جاتا - وہ اپنے ہر اقدام کی اہمیت کو سمجھتا تھا - اس کے ذہن میں اس بات کا واضح تصور موجود تھا کہ وہ مذہبی و سیاسی افکار کو ملک کی بہبود کے لیے نافذ کرنا چاہتا تھا - انھی خیالات کے پیش نظر اس نے ۱۵۶۳ء میں ہندوؤں کے لیے یاترا ٹیکس اور ۱۵۶۴ء میں جزیہ معاف کر دیا - ابوالفضل تو بعد میں یعنی ۱۵۷۴ء میں دربار میں داخل

---

۱ - منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۱۱ -

۲ - بیربر : نام مہیش داس ، کالپی کا بھاٹ برہمن ، اپنی حدت ذہن ، ظرافت اور ہندی شاعری کی وجہ سے اکبر کو عزیز تھا - اسے راجہ بیربر کا خطاب اور نگرکوٹ کی جاگیر ملی - ۱۵۸۸ء میں یوسف زئیوں کے خلاف لڑتا ہوا باجوڑ میں مارا گیا - وہ دین الٰہی کا رکن تھا -

ہوا ۔ بدایونی نے خود آن تمام اشخاص کا نام بنام ذکر کیا ہے جنھوں نے اکبر کو نئے قواعد کے لیے سند مہیا کی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ الزام تراش نے خود ہی اپنے الزامات کی تردید کی ہے ۔

مثال کے طور پر ہمیں معلوم ہے کہ علماء کے باہمی مناقشات اور متخالف عقاید نے اکبر کے ایمان کو متزلزل کر دیا تھا ۔ بدایونی نے لکھا ہے :

"علماء با یک دیگر تیغ زبان کشیدہ در مقام تنافی و تقابل بودند و اختلاف مذاہب بجای رسید کہ تکفیر و تضلیل ہم دیگر می نمودند و کار بحث از سنی و شیعی و حنفی و شافعی و فقیہ و حکیم گذشتہ در اصل اصول خلل انداختند[1] ۔"

دوسرے اشخاص کے متعلق جنھوں نے اکبر کو گمراہ کیا اور غلط راہ پر ڈالا ، بدایوانی لکھتا ہے :

"شیخ تاج الدین ولد شیخ زکریا اجودھنی کہ اکثر از اعیان او را تاج العارفین می گفتند ، شبہا شطحیات و ترہات اہل تصوف ازو می شنیدند و او چون چندانی مقید بشرعیات نبود مقدمات وحدت وجود کہ متصوفہ مبطلہ دارند و عاقبت منجر باباحت و الحاد میشود درمیان آورد و مسئلہ ایمان فرعون . . . و ترجیح رجا بر خوف خاطر نشان ساختہ باعث عظیم بر فتور و وھن در اعتقاد باحکام شریعت شد[2] ۔"

شیخ یعقوب کشمیری[3] نے بیان کیا کہ :

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۳ ، ص ۲۵۵ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ج ۲ ، ص ۲۵۵ ۔
۳ ۔ شیخ یعقوب کشمیری : عالم ۔ صوفی اور شاعر ۔ اس نے حدیث ابن حجر عسقلانی سے پڑھی ۔ تصوف میں اس کے رسائل ہیں ۔ شعر میں رباعیات اور پانچ مثنویاں ہیں ۔ اکبر کو اس پر بڑا اعتقاد تھا ۔ ۱۰۰۳ھ میں وفات پائی ۔

"محمد رسول الله مظہر اسم الہادی است و ابلیس مظہر اسم المضل است - درین کارخانہ ہردو اسم در تجلی آمد و ہر دو مظہر درکار برین قیاس[۱] -"

"حاجی ابراہیم سرہندی[۲] - "رسالہ ای مشتمل بر نقل دروغ از بزرگان دین خوشامد خیال کردہ گذرانید و آن جعل و لباس ظاہر شد - حاصل آنکہ عبارتی جعلی از شیخ ابن عربی قدس الله سرہ در کتابی کہنہ کرم خوردہ بخط مجعول نوشتہ کہ صاحب زمان زنان بسیار خواہد داشت و ریش تراش خواہد بود و صفتی چند کہ در خلیفۃ الزمان بود ، درج کرد[۳] -"

"شریف آملی[۴] از رسائل محمود پسیخوانی[۵] مستشہد آورد کہ او تشریح نمودہ باین کہ در سال نہصد و نود بردارندۂ باطل شخصی خواہد بود و ہمہ تعبیر از صاحب دین حق تشخیص کردہ کہ بحساب جمل نہصد

---

۱ - منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۵۹ -

۲ - **حاجی ابراہیم سرہندی** : دربار اکبری کا ذہین ملا - عباد تخانے کا مناظر - اتھرین کا مترجم - وہ ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا - اسے رنتھمبور میں بھیج دیا گیا جہاں وہ ۹۹۴ھ میں فوت ہوا -

۳ - منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۷۸ -

۴ - **میر شریف آملی** : وہ اپنے بدعتی عقاید کی وجہ سے ایران سے نکال دیا گیا - ہندوستان میں اکبر نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا - ۱۵۸۱ع میں اسے کابل کا صدر بنا دیا گیا - ۱۵۹۱ع وہ بہار اور بنگال میں اسی عہدے پر فائز تھا - اس نے سہ ہزاری منصب تک ترقی کی - اس نے ترشح ظہور کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں اپنے عجیب و غریب عقاید بیان کیے -

۵ - **محمود پسیخوانی** : وہ گیلان کے گاؤں پسیخوان کا رہنے والا تھا - اس نے فرقہ محمودیہ یا نقطویہ کی بنیاد رکھی اور اپنے آپ کو شیخ واحد کہا - اس کا زمانہ ۶۰۰ھ کے قریب ہے - شاہ عباس نے اس کے پیروؤں کو ایران سے باہر نکال دیا یا قتل کر دیا - وہ بحر و کوزہ کا مصنف تھا -

(آئین اکبری ، انگریزی ترجمہ ، ج ۱ ، ص ۱۷۷)

و نود است[1]"۔

"خواجہ مولانا شیرازی ملحد جفردان کہ از مکۂ معظمہ رسالہ ای بعضی از شرفا آورد درین باب کہ بموجب احادیث صحیح ہفت ہزار سال کہ مدت ایام دنیاست ، سپری شد و حالا وقت ظہور مہدی موعود است و خود ہم رسالہ ای ترتیب دادہ گذرانید[2]۔"

بعض نے حکیم ناصر خسرو سے منسوب یہ رباعی پڑھی۔

نہ صد و ہشتاد و نہ از حکم قضا   آیند کواکب از جوانب یکجا
در سال اسد ، ماہ اسد ، روز اسد   از پردہ برون خرامد آن شیر خدا[3]

حکیم فیروز نے کہا :

"چون ناصر را در واقعہ دیدم ، گفتم کہ شیر خدا کیست ؟ گفت : جلال الدین محمد اکبر ۔"

متعہ کے جواز کے متعلق تو عبدالقادر بدایونی نے خود اکبر کو راہ دکھائی ۔ اس نے استدلال کیا کہ متعہ شیعہ اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے اور امام شافعی اور امام اعظم کے نزدیک ناجائز ہے ۔ اگر فقہ مالکی کا پیرو قاضی اس کے جواز کا حکم جاری کر دے تو امام اعظم کے نزدیک بھی یہ فیصلہ قبول ہے ۔ اکبر نے اس نقطہ کو پسند کیا ۔ اکبر نے قاضی حسین عرب مالکی کو مقرر کیا اور قاضی یعقوب حنفی کو برطرف کر دیا ۔ قاضی حسین عرب نے اپنے اعتقاد کے مطابق متعہ کے جواز کا حکمنامہ جاری کیا[4] ۔

غازی خان بدخشی پہلا شخص ہے جس نے اکبر کے سامنے سجدہ

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۸۷ ۔
۲ و ۳ ۔ ایضاً ، ج ۲ ، ص ۲۸۷ ۔
۴ ۔ ایضاً ، ج ۲ ، ص ۲۰۹ ۔

کو جائز قرار دیا[۱]۔ یہ اہم تفاصیل جو ابوالفضل کے ایک مخالف معاصر نے مہیا کی ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ اکبر کو دین اسلام سے منحرف کرنے والا ابوالفضل نہیں تھا بلکہ دربار کے دوسرے خوشامدی لوگ اس کے انحراف کے ذمہ دار تھے۔

بدایونی نے دوسرے مذاہب کے اشخاص مثلاً بیربر۔ پرکھوتم۔ دیوا۔ برہمنوں۔ پارسیوں اور جینیوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اکبر کے ذہن پر ان کا اتنا اثر ہوا کہ وہ تناسخ کا قائل ہو گیا۔ پارسیوں کی طرح آتش مقدس کو مسلسل روشن رکھنے لگا۔ آفتاب کی پرستش اور دوسرے رسوم و رواج کا پابند ہوگیا۔ اکبر نے ان تمام چیزوں کو اپنی مرضی سے قبول کیا۔ اس قطعی شہادت کی موجودگی میں کوئی شخص آسانی سے دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ابوالفضل نے اکبر کو ترغیب دلائی کہ وہ اسلامی قواعد کو چھوڑ کر ہندو مت، زرتشتی اور جینی عقاید کو تسلیم کر لے۔

اکبر کے ذہن میں ایک اور خیال بھی تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کو بیرونی سمجھا جاتا رہا ہے۔ عوام کے دلوں پر ان کا کوئی اثر و تسلط نہیں ہے۔ وہ ایک قومی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا جس میں مرکزی شخصیت وہ خود ہو۔ عوام کا سرپرست و مربی ہو تاکہ مختلف مذاہب کے لوگ اس کے حامی و وفادار ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے ہندو راجپوت راجاؤں کی لڑکیوں سے شادیاں کیں۔ تمام مذہبی فرقوں کو مذہبی فرایض کی سرانجام دہی کی اجازت دی۔ ہندوؤں کو دیوانی اور فوجی محکموں میں ذمہ دار مناصب پر مامور کیا۔ عوام کے جذبۂ مشاہیر پرستی کے پیشِ نظر اس نے بے پناہ فیاضی اور سخاوت سے کام لیا تاکہ وہ ان کو اپنے زیادہ قریب لائے۔

۱۔ مآثر الامرا، ج ۲، ص ۸۶۰۔

فریڈرک آگسٹ نے ٹھیک لکھا تھا :

"He borrowed from all creeds so that stopping beyond all, he may give to all a point of unison in the person of the sovereign, the symbol of the state[1]."

ابوالفضل کا مذہب :

چونکہ ابوالفضل اکبر کا مشیر با تدبیر تھا ۔ وہ علمائے دربار سے بھی مذہبی مسائل پر بحث و مباحثہ میں شریک ہوتا تھا اور علمی و منطقی استدلال سے ان کے معتقدات کو رد کرتا تھا ۔ جب اکبر نے دینِ الٰہی قائم کیا تو وہ بھی اس میں شامل ہوا ۔ اس لیے اس کے متعلق یہ رائے قائم کر لی گئی کہ وہ بھی دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی سے منحرف ہو گیا ہے ۔ بدایونی نے تو اسے مرتد ، بے دین کہا ہے ۔ بعد کے مؤرخوں نے بھی اسے اکبر کو دینِ اسلام سے منحرف کرنے والا لکھا ہے ۔ ایک صاحب نے تو آئمۂ تلبیس میں شمار کیا ہے[2] ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوالفضل دینِ اسلام سے منحرف نہیں ہوا تھا ۔ اس کی خوش نصیبی سمجھیے کہ اس کے چند نجی خطوط حوادثِ روزگار سے بچ کر محفوظ رہ گئے ہیں ، جن کے مطالعہ سے اس کے اصلی عقاید پر روشنی پڑتی ہے ۔ یہ خطوط رقعات ابوالفضل کے نام سے شائع ہو چکے ہیں ۔ یہ خطوط اس نے اپنے زمانے کے مقتدر علماء اور مشائخ کرام کو لکھے ہیں ۔ ان میں جا بجا قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر بڑی عزت و احترام سے کیا گیا ہے مثلاً شیخ عثمان دہلوی کے نام خط صفحہ ۱۱۸ پر صدر جہاں کے نام صفحہ ۱۲۴ پر اور شیخ نظام پانی پتی کے نام صفحہ ۱۲۳ پر ملاحظہ کیجیے ۔ شیخ ابوالفتح خیر آبادی کے نام خط میں قرآن مجید اور رسول اکرم کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :

"ایزد تعالٰی و تقدس وجود شریف عنصر لطیف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و ازواجہ اجمعین ، بہترین مخلوقات اولی

---

1. The Emperor Akbar, p. 139.

۲ ۔ ائمہ بلیس ، رفیق دلاوری ، لاہور ۔

و اخری گردانید ۔ او را در حسن خلق و نیکو سیرت در قرآن مجید و فرقان حمید یاد کرد و وجود با جود آن سعادت مند دارین با حلم و علم و خلق و وقار و تمکین تخمیر نموده و اخلاق حمیده او را بیش از تمام مخلوقات در وجود آورد[1] ۔"

اس عبارت کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک اسلام سے باغی اور احکامِ خداوندی کا نا فرمان شخص اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے متعلق اس قدر پختہ ایمان کا کیسے اظہار کر سکتا ہے ۔ یہ خطوط پڑھ کر مجھے شبہ ہوا تھا کہ یہ خطوط ممکن ہے اس زمانے سے پہلے کے لکھے ہوئے ہوں جب اکبر نے اسلام کو خیرباد کہا اور دینِ الٰہی جاری کیا اور جس میں ابوالفضل بھی شامل ہوا لیکن یہ شک دور ہو گیا جب مولانا عصمت اللہ کے نام وہ خط مل گیا جس کے آخر میں سال تحریر ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ع درج تھا ۔ اس خط میں وہ مکتوب الیہ کے لیے دعائیہ کلمات یوں لکھتے ہیں :

"آن علامۂ روزگار را بر جادۂ شریعتِ غرای محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ و ازواجہ مستقر داراد[2] ۔"

یہ خط دینِ الٰہی ایجاد ہونے یعنی ۱۵۸۲ع سے تیرہ سال بعد لکھا گیا ۔ اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ابوالفضل شریعتِ محمدی کو کس نظر سے دیکھتا تھا ۔

بدایونی نے ابوالفضل پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نماز ، روزہ ، حج جیسی عبادات کا مذاق اڑاتا تھا ۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

"نماز و روزہ و حج پیش ازاں ساقط شدہ بود و بعضی اولاد الزنا چون پسر ملا مبارک ، شاگرد رشید ، شیخ ابوالفضل در باب قدح و تمسخر این عبادات بہ دلائل نوشتہ و مقبول افتادہ باعث تربیت گشتہ[3] ۔"

---

۱ - رقعات ابوالفضل ، ص ۱۱۶ -
۲ - ایضاً ، ص ۱۰۰ -
۳ - منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۳۰۶ -

لیکن ابوالفضل کی تحریروں میں ان عبادات کے متعلق اس سے مختلف عقاید کا اظہار ہے - مثلاً وہ نماز کے متعلق قاضی عبدالستار کو لکھتے ہیں :

"خلاصۂ وقت را بہ تلاوت قرآن مجید و فرقان حمید بسر بردہ و شب بیداری و سحر خیزی را بخود از جملہ اوراد و دعا قرار دادہ و ابواب عبودیت حق تعالیٰ بروی دل کشادہ[1] -"

ہو سکتا ہے کہ جب اکبر نے نمازِ با جماعت کو خیرباد کہا تو ابوالفضل نے بھی دربار سے اٹھ کر نماز پنجگانہ ادا کرنا ترک کر دیا ہو لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز و عبادت و ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں رہا شب بیداری اور سحر خیزی اس کی عادت تھی -

شیخ عبدالنبی کو جو خط لکھا ہے اس میں حج پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے لیکن ساتھ ہی بادشاہ کی طرف سے اجازت نہ ملنے کی مجبوری بھی ظاہر کی ہے - پھر اس سے التجا کی ہے کہ وہ روضۂ اقدس پر پہنچ کر بارگاہِ ایزدی میں گناہوں کی بخشش کے لیے دعا مانگے[2] -

نظام پانی پتی کو جو خط لکھا ہے اس میں حج پر جانے اور مکہ و مدینہ میں حاضر ہونے کا جس والہانہ انداز میں شوق کا اظہار کیا ہے - وہ ان اشعار سے ظاہر ہے جو اس خط میں لکھے ہیں :

کی بود یا رب کہ رو در یثرب و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم
بر کنار زمزم بر کنم یک زمزمہ
از دو چشم خون فشان آن چشمہ را دریا کنم
یا رسول اللہ ! بسوی خود مرا را ھی نما
تا ز فرق خود قدم سازم و دیدہ پا کنم[3]

---

۱ - رقعات ابوالفضل ، ص ۱۰۲ -

۲ - ایضاً ، ص ۱۹۷ -

۳ - ایضاً ، ص ۱۲۳ -

روزہ کے متعلق اس کی تحریروں میں ذکر نہیں آیا اور اغیار نے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔

بدایونی نے ایک الزام یہ لگایا ہے کہ ابوالفضل تناسخ کا قائل تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تاریخ میں ۹۹۰ ھجری کے تحت واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب اعظم خان کوکہ بنگال سے واپس آیا تو اثنائے گفتگو میں شاہنشاہ نے اس سے کہا کہ مسئلۂ تناسخ کی صداقت کے متعلق قوی دلائل کی بنا پر ہمیں پورا یقین ہو چکا ہے۔ شیخ ابوالفضل آپ کو اس طرح سمجھائیں گے کہ آپ ضرور اس عقیدہ کو قبول کر لیں گے'۔

مسلمانوں کے نزدیک یومِ آخرت پر ایمان بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ابوالفضل کی اپنی تحریروں میں اس عقیدہ پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ اپنے بھائی فیضی کے لیے ایک خط میں یوں دعا گو ہیں:

با ولیا اللہ در قیامت محشور شوید

اور پھر اپنے لیے دعا مانگتا ہے:

اللهم احشرنا فی زمرة الصالحین و المغفورین[۲]

یومِ آخرت اور حشر و نشر پر ایمان رکھنے والا شخص تناسخ پر اعتقاد نہیں رکھ سکتا، کیونکہ تناسخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اعمال کی سزا پانے کے لیے روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں جاتی رہتی ہے۔ آواگون کا یہ چکر بدستور جاری رہتا ہے اور اہلِ تناسخ کے نزدیک حشر و نشر کا عقیدہ صحیح نہیں۔

''ماثر الامراء'' کے مؤلف نے ایک بہتان یہ تراشا ہے کہ ابوالفضل قرآن کو رسولِ خدا کا کلام سمجھتا تھا۔ اس نے لکھا ہے:

''جنت مکانی (جہانگیر) خود می نویسد کہ چون شیخ ابوالفضل بپدر من ذہن نشین کردہ بود کہ جناب ختم پناہی فصاحت تمام

۱۔ منتخب التواریخ، ص ۲۳۸۔

۲۔ رقعات ابوالفضل، ص ۷۷-۷۸۔

داشت ، قرآن کلام اوست ۔ لہٰذا وقت آمدنش از دکن بہ بیر سنگھ دیو گفتم کہ بقتل آرد ۔ بعد ازین پدرم ازین اعتقاد برگشت[1] ۔"

یہ بیان محض الزام ہے اور ابوالفضل کو بدنام کرنے کے لیے تراشا گیا ہے ۔ قرآنِ مجید کے متعلق ابوالفضل کا عقیدہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ۔ "مآثر الامراء" کے مصنف نے خدا جانے جہانگیر کا یہ بیان کہاں سے نقل کیا ہے ۔ "توزکِ جہانگیری" اور "اقبالنامہ" ہمارے سامنے ہیں ۔ ان میں اس قسم کا کوئی بیان نہیں ۔ جہانگیر نے ابوالفضل کے قتل کی وجہ بیان کی ہے لیکن مذکورہ بالا وجہ نہیں لکھی ۔ ہم جہانگیر کا اپنا مصدقہ بیان یہاں نقل کرتے ہیں :

"در اواخر عہد پدرِ بزرگوارم ، شیخ ابوالفضل را کہ از شیخ زادہ ہای ہندوستان بمزیت فضل و دانائی امتیاز تام داشت و ظاہر خود را بزیور اخلاص آراستہ بقیمت گران سنگ بہ پدرم فروختہ بود ، از صوبہ دکن طلب داشتند و چون خاطر او بمن صاف نبود ، ہمیشہ در ظاہر و باطن سخنان مذکور می ساخت و درین ایام کہ بنابر افساد فتنہ انگیزان خاطر مبارک والد بزرگوارم فی الجملہ از من آزردگی داشت ، یقین بود کہ اگر دولت ملازمت دریابد ، باعث زیادتی آن غبار خواہد گشت و مانع دولت مواصلت گردیدہ کاربجای خواہد رسانید کہ بضرورت از سعادت خدمت محروم باید گردید و چون ولایت بیر سنگھ دیو برسر راہ او واقع بود و دران ایام در جرگہ متمردان جا داشت ، با و پیغام فرستادم کہ اگر سرِ راہ بران مفسد فتنہ انگیز گرفتہ او را نیست و نابود سازد ، رعایت ہای کلی از من خواہد یافت ۔ توفیق رفیق او گشتہ ۔ در حینی کہ از حوالی ولایت او میگذشت ، راہ بر او بست و باندک ترددی مردم او را پریشان و متفرق ساختہ او را بقتل آورد و سر او را در الہ آباد نزد من فرستاد[2] ۔"

---

۱ ۔ مآثر الامراء ، ج ۲ ، ص ۶۱۷ ۔

۲ ۔ توزک جہانگیری مرتبہ سر سید احمد خان ، ۱۸۶۳ء ، ص ۱۰-۱۱ ۔

اقبالنامہ جہانگیری کے مؤلف نے جو واقعہ نقل کیا ہے اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالفضل قرآن کو کلام خداوندی مانتا تھا۔ اس لیے اس نے تفسیر قرآنی کی اشاعت کے لیے کوشش کی اور اس نے اکبر کی ناراضی کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ وہ لکھتا ہے: "۱۰۰۷ھ میں یعنی اپنی وفات کے چار سال پہلے ابوالفضل نے اپنے باپ کی لکھی ہوئی تفسیر کے کافی نسخے اسلامی ممالک میں بھیجے اور بادشاہ تک کو خبر نہ کی۔ جہانگیر جو ابوالفضل سے ناراض تھا، اس نے اکبر کے سامنے اس بات کی شکایت کی اور اکبر ناراض بھی ہوا[1]۔"

صاحب "مآثر الامراء" نے ابوالفضل پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ آذر کیوان کی تحریر کو قرآن سے زیادہ فصیح جانتا تھا۔ اس کا بیان یہ ہے:

"فرمان بطلب آذر کیوان (کہ سر آمد مجوسیان ایران دیار بود) رقم پذیرفت۔ او عذر خواست و نامہ ای از مؤلفات خود (کہ مشعر ستایش مجردات و کواکب و متضمن نصایح و حکم بود) فرستاد مشتمل بر چہاردہ جزو۔ ہر سطرش فارسی بحت بود و تصحیف آن عربی و چون قلب میکردند، ترکی و باز مصحف آن ہندی می شد و شیخ ابوالفضل میگفت کہ این نامہ افصح از قرآن است[2]۔"

مصنف نے اس بیان کے مأخذ کا ذکر نہیں کیا۔ یقیناً یہ سارا بیان "دبستان المذاہب" سے مأخوذ ہے۔ اصل تحریر یہ ہے:

"نامہ ھا بہ آذر کیوان کہ سرگروہ یزدانیان و آبادانیان بود، نبشتند و او را بہ ہند طلبیدند۔ آذر کیوان از آمدن عذر خواست۔ نامہ ای از تصانیف خود فرستاد در ستایش واجب الوجود و عقول و نفوس و سماوات و کواکب و عناصر و در نصایح بادشاہ مشتمل بر چہاردہ جزو: ہر اول سطر آن پارسی بحت دری بود۔ تصحیف آن

۱۔ اقبالنامہ جہانگیری، ص ۴۵۶-۴۵۸۔
۲۔ مآثر الامراء، ج ۲، ص ۳۸۵-۳۸۶۔

میخواندند عربی میشد و چون قلب میکردند ، ترکی بود - چون تصحیف آن می خواندند ، هندی میگشت - نواب علامی شیخ ابوالفضل اعتقاد تمام بآذر کیوان داشت[1] -''

ان دونوں عبارتوں کے تقابل سے ظاہر ہے کہ ابوالفضل نے آذر کیوان کی تحریر پر کیا بیان دیا ہوگا - ابوالفضل جیسا عالم شخص کسی ایک پارسی کی تحریر کو قرآن سے افضل نہیں بتا سکتا - یہ محض بہتان ہے - میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ سارا بیان ہی جعلی ہے - دنیا کی کوئی زبان اس قسم کی شعبدہ گری الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ اصل فارسی ہو - اس کے نقطے بدلیے تو عربی بن جائے - اس کو الٹیے تو ترکی ہو جائے اور پھر نقطے بدلیے تو ہندی ہو جائے - تاریخ ادبیات میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں ملتی - یہ تو کسی پارسی نے اپنے مرشد کی فضلیت دکھانے کے لیے یہ بیان بنایا ہے -

تاریخ عالم آرای عباسی کے مصنف نے سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے ابوالفضل کو نقطوی[2] ، حشر و نشر کا منکر اور اکبر بادشاہ کو دین اسلام سے منحرف کرنے والا لکھا ہے مگر اس نے آخر میں لکھا ہے کہ اصل حقیقت خدا کو معلوم ہے - اس کی اصل عبارت یہ ہے :

''از واردین دیار ہند مسموع شد کہ شیخ ابوالفضل ولد شیخ مبارک از ارباب فضل و استعداد ولایت در ملازمت بادشاہ عالیجاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ تقرب و اعتبار تمام یافتہ بود و این مذہب داشت - او بادشاہ را بکلمات واہیہ وسیع المشرب ساختہ از جادۂ شریعت

---

۱ - دبستان المذاہب ، (نولکشور) ، ص ۳۲٦ -

۲ - نقطوی : اس فرقے کی بنیاد محمود پسیخوانی نے رکھی - وہ تناسخ کا قائل تھا . وہ کہتا تھا کہ ہر چیز کی ابتدا نقطۂ خاک سے ہوئی ہے - انسانی جسم ترقی کر کے مقام محمود حاصل کر لیتا ہے - اس نے اپنے آپ کو مہدی موعود کہا - (آئین اکبری ، انگریزی ترجمہ ، ج ۱ ، ص ۵۰۲) دبستان المذاہب ، انگریزی ترجمہ ، ج ۳ ، ص ۱۲-۲۰ ، نقطویان یا پسیخانیان ، صادق کیا ، تہران)

منحرف ساختہ بود ۔ منشوری کہ باسم میر سید احمد کاشی انشا نمودہ فرستادہ بود ، درمیان رسالہای او ظاہر شد ، دلالت بر ابن معنی نمود ۔ العلم عنداللہ و ہو عالم بحقایق الامور[۱] ۔"

اس عبارت میں احمد کاشی اور اس کے مذہب کا ذکر آیا ہے ۔ تاریخ عالم آرای عباسی کے مصنف نے خود تشریح کی ہے ۔

"احمد کاشی درمیان کتب و رسالہا کہ در علم نقطہ نوشتہ بود ، ظاہر شد کہ طایفہ بمذہبِ حکما عالم را قدیم شمردہ اند و اصلاً اعتقاد بحشر اجساد و قیامت ندارند و مکافات و حسن و قبح اعمال را در عافیت و مذلت قرار دادہ بہشت و دوزخ ہمان را می شمارند ۔ نعوذ باللہ ازین اعتقادات فاسدہ[۲] ۔"

مصنف نے ابوالفضل کی تحریر پیش نہیں کی ۔ جس سے اس کے الزام کی تصدیق ہو سکتی ۔

ابوالفضل حشر و نشر کا معتقد تھا ۔ اس ضمن میں ہم پہلے اس کا تحریری ثبوت پیش کر آئے ہیں ۔

ابوالفضل اور عیسائیت :

اکبر نے گوا سے پادریوں کو دعوت دی کہ وہ دربار میں آئیں اور عیسائی مذہب کی صداقت پر روشنی ڈالیں ۔ مونسریٹ نے لکھا ہے :

"Akbar wished to determine which is the truest and mightiest religion[3]."

۱۵۶۰ع سے ۱۶۰۰ع کے درمیان عیسائیوں کے تین تبلیغی وفود آئے تاکہ وہ اکبر کو عیسائی بنا سکیں ۔ مونسریٹ نے جو پہلے تبلیغی وفد کا رکن تھا ۔ "کمنٹریوس" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے

---

۱ ، ۲ - تاریخ عالم آرای عباسی ، ج ۲ ، ص ۳۲۳ ۔

3. Commentry, p. 53.

مسلم علما سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ ابوالفضل سے بھی ملا۔ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے:

"The Chief of the Proctors who easily excelled all the rest in keenness of intellect[1]."

ان پادریوں کے آرام و طعام کا انتظام ابوالفضل کے سپرد تھا۔ چنانچہ اس نے مہمانوں کی خاطر داری اور مدارات میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ متعصب علما کے برعکس وہ صبر و اطمینان سے ان کی باتوں کو سنتا اور ان کا نقطۂ نظر سمجھنے کی کوشش کرتا۔ مونسریٹ نے لکھا ہے:

"Once so clearly he demonstrated how we believe that God has a son that the fathers themselves were astonished[2]."

مونسریٹ نے بتایا ہے کہ سرِ عام مباحثہ سے پہلے ہم ابوالفضل کو کسی نقطۂ نظر کی مخالفت یا دفاع میں اپنے دلائل سمجھاتے تاکہ وہ مخالفین کے سامنے ہم سے زیادہ صراحت و وضاحت کے ساتھ پیش کر سکے۔ اس نے اس کی ترجمانی کا حق احسن طریق سے انجام دیا۔

"His attitude was so praisworthy that he seemed to be almost Christian[3]."

لیکن بعد میں پادریوں کو احساس ہوا کہ وہ بادشاہ کو نہ سمجھا سکے کہ

"How the Most High God can be both three and one. How can he have a son and a man born of a virgin[4]."

مونسریٹ کے ایک اور بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالفضل نے ان کی ترجمانی کا حق تو ادا کیا لیکن اس نے ان کے عقاید کی کورانہ تقلید نہیں

1. Commentry, p. 193.

۲ - ایضاً ، ص ۵۷ -
۳ - ایضاً ، ص ۵۶ -
۴ - ایضاً ، ص ۳۸ -

کی - مباحث میں جہاں سچی بات کہنے کا موقع آیا وہ حق بات کہنے سے نہیں رکا - ایک مرتبہ پادریوں نے یہ سوال اٹھایا کہ جب بنی نوع انسان کی نجات کے لیے پہلے سے ایک الہامی کتاب (انجیل) موجود تھی پھر دوسری کتاب (قرآن) بھیجنے کی کیا ضرورت تھی - ابوالفضل نے اس پر اعتراض کیا اور کہا : "اگر یہ بات درست ہے تو انجیل سے پہلے کی کتاب توریت کے ہوتے ہوئے انجیل بھیجنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ دونوں کی یکساں تعلیم تھی - یہ بڑا تیز و تند اور مسکت جواب تھا - اسی طرح قرآن کی تعریف کرتے ہوئے ابوالفضل نے کہا :

"Alcoranus supplies spiritual food."

اس پر مونسریٹ نے کہا ،

"Not food but poison."

——— : o : ———

باب ششم

بندہ و آقا یعنی ابوالفضل و اکبر

ابوالفضل کا نظریہ مملکت :

ابوالفضل اگرچہ اصطلاحی معنوں میں فلسفی نہیں تھا لیکن وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا فاضل اور مفکر تھا ۔ ڈاکٹر تارا چند نے لکھا ہے :

"Any enumoration of Philosophers in India will be incomplete without mentioning Abul Fazal[1]."

ابوالفضل کے نزدیک ریاست کا تصور شاہنشاہی ہے ۔ اس کا نظریہ ہے ،

''بادشاہی فروغیست از دادار بیہمتا و پرتویست از آفتاب عالم افروز ۔ فہرست جراید کمال فراہم گاہ شائستگیہا ۔ بزبان روزگار فرّ ایزدی خوانند و بپاستانی زفان ''کیان فرہ'' ۔ بی میانجی دست امکان در قدسی پیکر بر گذارند و از دیدآن ہمگناں پیشانی نیایش بر زمیں پرستاری نہند[2] ۔''

بادشاہت کے متعلق وہ مزید تشریح کرتا ہے :

''بادشاہی عطیہ ایست الٰہی کہ چندین ہزار شرط گرامی تا در فردی فراہم نیاید ، آن موہبت عظمی از درگاہِ ایزدی عطا نمی شود ۔ محض نسب و جمع شدن مال و فراہم آمدنَ اوباش درین کار شگرف کفایت نکند و بر ہوش مندان پیداست کہ نبذی ازان صفات قدسی فطرتی والا و عطوفتی عالی و حوصلہ فراخ و برداشتی فراوانی و دریافتی

1. History of Philosophy-East and West' Vol. I, p. 107.

۲ ۔ آئین اکبر ، حصہ اول ، ص ۲ ۔

بلند و کرمی ذاتی و شجاعتی اصلی و عدلی وافر و نیتی درست و جدی عظیم و عمل شایستہ و فکری عمیق و تغافلی مستحسن و عذر پذیری لایق است و با این مآثر کمال سزاوار این منصب ارجمند نتواند شد و با رسیدن این پایۂ بلند مادام کہ بصلح کل نگراید و طوائف انام و طبقات ملل را مادر و مایندر نبودہ بیک نظر تربیت و عاطفت نگاہ نکند ۔ در خور این ریاست عظمی نگردد[1] ۔''

اس کے نزدیک ایک بادشاہ عالی مقام کو پرکھنے کے لیے متذکرہ صدر معیار تھا ۔ وہ اکبر کو ان تمام مذکورہ صفات کا مجموعہ سمجھتا تھا ۔ وہ عالی نسب ، شجاع ، فیاض ، نیکوکار ، جفاکش ، روادار اور رعایا کا باپ اور مربی تھا ۔ اکبر خود صاحبِ استعداد لوگوں کا قدردان تھا ۔ اس نے ابوالفضل کو فاضل ، ذہین ، نجیب اور غیر متعصب پایا ۔ اکبر کو تعصب سے نفرت تھی اور وہ صلحِ کل کا حامی تھا ۔ ذہنی اشتراک و قلبی موانست اور طبعی ملائمت کی وجہ سے دونوں میں گہری دوستی اور روح اعتماد پیدا ہوئی ۔ اکبر نے اس کی قدر دانی کی ۔ اسے اعزاز بخشا اور اسے سلطنت میں ایسا مقام عطا کیا جو ایک منصبدار کے تصور میں آ سکتا تھا ۔ ابوالفضل نے اپنی طرف سے اکبر کی مدد کی ، اسے سکھایا پڑھایا ۔ اسے مشورہ دیا ۔ مشکلات میں اس سے ہمدردی کی ۔ اکبر نے اس پر اعتماد کیا ۔ اپنے ایک خط میں ابوالفضل نے اپنی والدہ کو بادشاہ کے ساتھ اپنے قریبی روابط کے متعلق لکھا ہے :

''حضرت ظلِ الٰہی باین ذرۂ احقر پرتو التفات خود ظاہر میفرمودند و ہمہ وقت مرا مخاطب میکردند چنانکہ احدی آفریدہ دران میان محرم اسرار نبود ۔ مصرعہ

''میان عاشق و معشوق رمزیست[2]''

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۲ ، ص ۲۸۵ ۔

۲ ۔ رقعات ابوالفضل ، ص ۹۷ ۔

اکبر کی شخصیت

ابوالفضل جب ''اکبر نامہ'' کی تالیف و ترتیب کےلیے اکبر کے بچپن کے متعلق احوال و واقعات اکٹھے کر رہا تھا تو اسے بتایا گیا کہ اکبر ابھی نو ماہ کا بچہ تھا کہ اس نے اپنی دایہ جیجی انگہ سے گفتگو کی اور اسے دلاسا دیا[1] وہ اس کی آغوش میں تاریکی سے نفرت اور روشنی کو پسند کرتا تھا[2] ۔ اگرچہ اس نے شیر خوارگی کے زمانے سے اپنی ماں کو نہیں دیکھا تھا لیکن جب دو سال دو مہینے اور آٹھ دن کا تھا تو اس نے اپنی ماں کو پہچان لیا[3] جب قلعہ کابل میں میرزا کامران کا محاصرہ کیا گیا تو اس نے محاصرہ کرنے والوں کو گولہ باری سے روکنے کے لیے اکبر کو جو اس وقت لڑکا تھا ، توپ کے دہانے پر بٹھایا لیکن اس وقت ایسا اتفاق ہوا کہ گولہ بارود کو آگ نہ لگی اور توپیں نہ چل سکیں[4] ۔ درباری مؤرخ ہونے کی حیثیت سے اس نے وہ تمام باتیں لکھیں جو بوڑھوں اور چشم دید گواہوں نے اسے بتائیں ۔ بچپن سے اکبر کے گرد برکت و سعادت اور شان و شکوہ کا ایک ہالہ نظر آتا ہے ۔

ابوالفضل نے اکبر کی زندگی کے متعلق بعض اور واقعات بھی قلم بند کیے ہیں غالباً جن کا وہ خود چشم دید گواہ تھا ۔ مثلاً :

۱۔ اکبر نے جب روحانی کیفیت کے عالم میں خواب دیکھا جس میں شکار حیوانات سے نفرت دلائی گئی تھی تو اس نے قمرغہ کا شکار موقوف کر دیا[5] ۔

۲۔ ابوالفضل کے لیے یہ عجیب حیرت کی بات تھی کہ اکبر کے اونی کپڑے چھوٹے بڑے قد کے ہر شخص کو موزوں بیٹھتے تھے ۔

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۱ ، ص ۱۸۷ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ص ۲۲۵ ۔
۳ ۔ ایضاً ، ص ۵۴۷ ۔
۴ ۔ ایضاً ، ص ۲۶۶ ۔
۵ ۔ ایضاً ، ج ۳ ، ص ۲۴۱ ۔

۳- ۱۰۰۹ھ میں اکبر برہان پور میں تھا اور کامیابی کے لیے اسم اعظم کا ورد کر رہا تھا - ابھی ایک ہی دور ختم ہوا تھا کہ اس کے نتائج ظہور پذیر ہونے شروع ہوئے - مظفر حسین میرزا گرفتار ہوا - بعد میں احمد نگر فتح ہوا - روشنیوں کا سالار فوت ہوا - مالی گڑھ اور امیر گڑھ فتح ہوئے - یہ بیان کرنے کے بعد ابو الفضل لکھتا ہے کہ جو شخص اکبر کی بے غرضی اور خدا پرستی سے آشنا ہے اس کے لیے ایسے نتائج کا ظہور غیر معمولی واقعہ نہیں[1] -

اکبر کے ذاتی اوصاف کے ساتھ جب اس کی فتوحات اور نوازشات خداوندی بھی شامل ہو جاتی ہیں تو اس کی ایک ایسی شخصیت ابھرتی ہے جو سب کے لیے محبوب و محترم نظر آتی ہے - ابوالفضل نے ایسے فقید المثال شخص کی تعریف و توصیف کی اور دلی وابستگی کا اظہار کیا - اس نے کہا :

"مخلصان حقیقی از سود و زیان خود گزشتہ خدمت درگاہ سلطنت را از مہین عبادات الٰہی دانند[2] -"

اس نے اکبر کو صحیح قائد قبول کیا اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا - اس نے شیخ عبدالنبی کے نام خط میں لکھا :

"ہر صباح و مسا دیدن دیدار شریف او مرا بجای حج اکبر است بلکہ از حج اکبر ہم فاضل تر[3] -"

ابوالفضل کی خوشامد گوئی

مندرجہ بالا جذبۂ محبت و احترام کا اظہار گویا شاعر کا خواب یا عاشق کا تخیل ہے - وہ لوگ جو ابوالفضل پر خوشامد گوئی کا الزام دھرتے

---

۱ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۸۲ -
۲ - اکبر نامہ ، ج ۲ ، ص ۲۳ -
۳ - رقعات ابوالفضل ، ص ۱۴۳ -

ہیں وہ ان حالات سے بے خبر ہیں جن کے تحت وہ اکبر کے لیے مدح و ستایش کے الفاظ استعمال کرتا ہے - آج کل کی جمہوری حکومتوں میں بھی لوگ بادشاہوں ، حکمرانوں اور عزیز دوستوں کے لیے عزت و احترام کے ایسے بلند و بالا القاب و خطابات استعمال کرتے ہیں جو ابوالفضل کے ان تعریفی کلمات سے کمتر نہیں - کچھ وہ قرون وسطی کے مطلق العنان مشرقی بادشاہوں کے لیے استعمال کرتا ہے جو انسانی جانوں کا مالک ہوتا تھا اور جس کے ایک اشارۂ ابرو سے زندگی کا خاتمہ ہوتا تھا - ابوالفضل نے خود اپنی نگارشات میں خوشامد گوئی کی مذمت کی ہے - اس نے خانخاناں کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ دوستوں اور خوشامد گویوں میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے - ان اراکین سلطنت اور منصبداران عالی مرتبت کو انتباہ کیا ہے کہ وہ خوشامد پرستوں کو خیر اندیش نہ سمجھیں - اس قسم کے لوگ دنیا و آخرت میں تباہ و برباد ہوں گے[1] - اکبر کے ساتھ اس قدر گہرے روابط کے باوجود ابوالفضل نے بڑی عالی ظرفی کا ثبوت دیا جب اس نے میر معصوم کو لکھا :

"منکہ ملازمت شاہنشاہی را برخود لازم داشتہ ام و کمر خدمت برمیان جان بستہ ام نہ برای رفاہیت نفسی شوم خود بلکہ بجہت دلجوئی و خیر خواہی طوائف انام خدمت ملوک را اختیار نمودہ ام و الا خدا آگاہ است و فرشتگان گواہ اند کہ نان فقر و جامۂ درویشی و گوشہ نشینی و زاویہ گزینی را از محصول عالم بہتر میدانم و بودن حجرہ خانقاہ و مطالعۂ صفحہ کتب دینی و رسائل یقینی را بخراج مملکت نمیدہم[2] -"

ابوالفضل اور اکبر کا دینِ الٰہی :

ابوالفضل نے اکبر کا دینِ الٰہی قبول کیا - وہ اس کا مرید اعلی تھا - مکھن لال چودھری نے اپنی کتاب "دینِ الٰہی" میں اکبر کے مذہبی

---

۱ - مکاتبات علامی ، ص ۹۷ -

۲ - رقعات ، ص ۱۶۷-۱۶۸ -

عقاید کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی ہے ۔ اس نے اکبر کی تمام مذہبی اختراعات و بدعات میں اس کا دفاع کیا ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ دینِ الٰہی تصوف کا ایک سلسلہ یا اسلام میں ایک نیا فرقہ تھا اور اکبر مسلمان تھا ۔ قرآنِ مجید کی رو سے مسلمان وہ ہے جو مندرجہ ذیل عقاید پر ایمان رکھتا ہے ۔ جو شخص ان سے انکار کرتا ہے وہ صریحاً گمراہ ہے[1] ۔

۱ - توحیدِ خدا ۔
۲ - فرشتے ۔
۳ - الہامی کتب ۔
۴ - روزِ حشر اور روزِ جزا ۔

ان عقاید کے علاوہ وہ شخص نماز پڑھتا ہے ۔ روزہ رکھتا ہے ۔ استطاعت رکھتے ہوئے حج ادا کرتا ہے اور قرآن کے احکام پر عمل کرتا ہے ۔ "منتخب التواریخ"، "آئینِ اکبری"، "دبستان المذاہب" پادریوں کی سرگذشتوں اور دوسرے معاصر مآخذ سے اکبر کے عقاید کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کی روشنی میں اکبر کو اسلامی عقاید کا حامل نہیں کہا جا سکتا ۔ ابوالفضل کی اپنی تحریروں سے ظاہر ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی عقاید پر ایمان رکھتا تھا ۔ اکبر نے اپنے مذہب میں جو تبدیلیاں کیں ان کے متعلق ابوالفضل بظاہر خاموش تھا لیکن اندرونی طور پر اس کا دل نا خوش اور بے چین تھا ۔ اس نے فیضی کو لکھا :

"احکامِ بادشاہی کہ بشرع محمدی متفق نیفتد ، ازاں اجتناب تمام فرمایند و تا توانند در رفع و دفع آن کوشش مالا کلام بکار پیوندد[2] ۔"

ایک دوسرے خط میں فیضی کو لکھا ہے :

"اگر در صحبت ملوک گذرافتد ظاہر را بایشان سپارید و باطن را بحق گذارید ۔

---

۱ - قرآن : ۴ : ۱۳۶ - من یکفر باللہ و رسولہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ و الیوم الاخر فقد ضل ضلال بعیدا ۔

۲ - رقعات ، ص ۴۷ ۔

یادِ خدا و خدمتِ سلطان نقیض نیست ۔ دل را بحق بہ بند و زبان را بجا کری[1] ۔

اس نظریے کے باوجود ابوالفضل دینِ الٰہی کا پیرو تھا اور دین کے موجد کی طرف سے جو احکام صادر ہوتے تھے ان پر عمل پیرا ہونا ضروری تھا ۔ ان میں سے اکثر احکام مسلمانوں کے عام معتقدات و اعمال کے خلاف تھے اور ان میں بعض غیر اسلامی تھے ۔ بقول بدایونی جو شخص دینِ الٰہی میں شامل ہوتا وہ ایک عہد نامے پر دستخط کرتا جس کے الفاظ یہ تھے :

''منکہ فلان بن فلان باشم بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلامی مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ، ابراد تبرا نمودم و در دینِ الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتب چہار گانۂ اخلاص کہ ترک مال وجان و ناموس و دین باشد ، قبول کردم[2] ۔''

حلف نامے میں ''اسلام تقلیدی و مجازی'' چھوڑنے کو کہا گیا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس عہد نامے کے مرتبین کے نزدیک اصلی و حقیقی اسلام بھی موجود ہے جس پر بہت کم لوگ عمل پیرا ہیں ۔ جن مراتب چہار گانۂ اخلاص کا ذکر کیا گیا ہے ۔ وہ در حقیقت دوستی کے چار مراتب ہیں ۔ یہ خیال کلیلہ و دمنہ سے مستعار لیا گیا ہے اور اس کتاب کے فارسی ترجمہ و خلاصہ یعنی ابوالفضل کی مرتبہ کتاب "عیار دانش" میں چار قسم کے دوستوں کا ذکر اس طرح ہے :

اول ۔ دوستی کہ در جان مضایقہ نداشتہ باشد ۔

دوم ۔ در کار دوست جان فدا کردن آسان داند ۔

سوم ۔ آنکہ در راہ دوستی ناموسی برباد دہد غمگیں نشود ۔

چہارم ۔ آنکہ برای خاطر دوست خود از دین و مذہب بگذرد و برو دشوار

---

۱ ۔ رقعات ، ص ۷۴ ۔

۲ ۔ منتخب التواریخ ، ص ۲۳۹ ۔

نباشد ۔

ان چار چیزوں میں سے پہلی تین تو کسی محبوب استاد اور محترم شخصیت کے لیے قربان کی جا سکتی ہیں اور دنیا کے تمام مذاہب میں جائز تصور کی جا سکتی ہیں لیکن چوتھی قسم کی قربانی یعنی ترک مذہب ، اسلام میں جائز نہیں ۔ جان خطرے میں دیکھ کر بھی مسلمان کو اسلام ترک نہیں کرنا چاہیے ۔ دنیا میں والدین کے احترام کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ قرآن میں حکم ہے کہ ان کو اف تک نہ کہو لیکن اگر وہ تمھیں شرک پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت سے انکار کر دو[۱] ۔ حالانکہ ماں باپ کے لیے تو ہر ممکن قربانی دینی چاہیے کیونکہ ایک شخص کا وجود انھی کا مرہونِ منت ہے ۔ ان سے بڑھ کر قربانی کا کون سزاوار ہو سکتا ہے لیکن ان کے لیے بھی مذہب کو خیرباد کہنا جائز نہیں[۲] ۔

اسلامی روح کے منافی ایک اور بات قابلِ اعتراض یہ تھی کہ پیروان دینِ الٰہی اپنے مرشد یعنی بادشاہ کے سامنے سجدہ کرتے تھے ۔ ابوالفضل نے اس کو سجود نیایش اور سپاسگزاری کہا[۳] ہے اور سجدۂ عبودیت سے اسے تمیز کیا ہے جو صرف خدا ہی کے سامنے ہو سکتا ہے ۔ اکثر صوفیہ بھی اس سجدۂ سپاسگزاری کو معیوب نہیں سمجھتے اور اپنے مرشد کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور بعضوں نے ایسے سجدۂ سپاسگراری کے لیے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ۔ جہاں یہ ذکر ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی حضرت یوسف کے سامنے سجدے میں گر گئے ۔ آیت یہ ہے :

"فخروا لہ سجداً[۴]"

دینِ الٰہی کے پیروؤں پر یہ واجب تھا ۔

---

۱ - عیار دانش ، ص ۱۴۴ - (قلمی - پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ A pi IX, 5 ، ص ۱۰۹) -

۲ - قرآن : ۳۱ : ۱۵ (و ان جاھدٰک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما) -

۳ - آئین اکبری ، ص ۱۵۷ -

۴ - قرآن : سورۂ ۱۲ : آیت ۱۰۰ -

۱ - آشی کہ مردم پس از فروشدن بکار برند در زندگی سر انجام دہند و توشۂ واپسین سفر پیش روان شود ۔
۲ - ناخوردن گوشت ہمت گمارند ۔
۳ - پیرامون کشتۂ خود نگردند و بخوردن آن نشتابند ۔
۴ - با قصاب و ماہی شکار و کنجشک گیر ہم کاسگی نکنند ۔
۵ - بابستی و کہن سال و نازای و نارس نہ پیوندند[1] ۔

کسی ہنگامی ضرورت یا مجبوری کے وقت تو شاید یہ احکام انفرادی یا اجتماعی طور پر مفید ہوں لیکن ہر وقت کی اجباری پابندی تو ضرر رساں ہو سکتی ہے ۔ ابوالفضل بڑے جاہ و منصب کا آدمی تھا ۔ اس کا دسترخوان وسیع تھا ۔ اس نے گوشت کھانا ترک نہیں کیا تھا ۔ اسے ماہی گیروں اور شکاریوں کے ساتھ ایک برتن میں کھانے کا بھی کوئی موقع نہیں مل سکا اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنے کی ضرورت پڑی ہو گی اس لیے یہ پابندیاں اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں ۔ شق نمبر ۵ میں سے نا بالغ ، بوڑھی اور حاملہ عورتوں سے اختلاط ہر لحاظ سے نا واجب اور نا موزوں ہے ۔ بانجھ عورت سے اختلاط بھی ایک طرح سے قوت تولید کا ضیاع ہے لیکن اس پر عمل بھی نہ خود اکبر کے لیے ممکن تھا اور نہ ابوالفضل کے لیے ۔ اکبر کی کئی بیویاں تھیں اور ہر ایک سے اولاد نہیں ہوئی تھی ۔ ابوالفضل کی چار بیویاں تھیں اور صرف ایک سے بچہ ہوا ۔ شاید ہی ممکن ہو کہ اس نے باقی تین سے وظیفہ ازدواجیت کا انقطاع کر لیا ہو ۔

انھوں نے رائج طریق تخاطب یعنی السلام علیکم اور و علیکم السلام کو چھوڑ کر اللہ اکبر اور جل جلالہ اختیار کر لیا تھا لیکن ملاقات کے وقت ان کلمات کا استعمال صرف اپنی جماعت کے آدمیوں تک محدود تھا ۔ ابوالفضل جب دوسروں کو مخاطب کرتا ہے تو سلام مسنون کے الفاظ ہی استعمال کرتا ہے ۔

---

۱ - آئین اکبری ، آئین نمبر ۷۷ ۔

دینِ الٰہی کے یہ قواعد و احکام یقیناً اسلام سے اجنبی ہیں اور ان پر اعتقاد رکھنے والے اور عمل کرنے والے کو پختہ عقاید کا مسلمان نہیں سمجھنا چاہیے ۔ ابوالفضل کی سیرت و کردار کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ابوالفضل دل سے اس قسم کی فضول رسموں کو نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ وہ سرکاری ملازم تھا اور شاہنشاہ کی شخصیت سے اس قدر وابستہ ہو چکا تھا کہ اس سے جدا ہونا اس کے لیے فعال زندگی سے جدا ہونا تھا ۔

———: o :———

باب ہفتم

ابوالفضل - فوج کا کمانڈر

۱۵۹۸ع تک ابوالفضل کو کسی جنگ میں شریک ہونے کا موقع نہ ملا - ۹۹۴ھ/۱۵۸۵ع میں اس نے شمالی مغربی پہاڑی علاقوں میں یوسف زئی قبایل کے خلاف نبرد آزمائی کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا تاکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں جان دے کر بقائے دوام حاصل کرے - راجہ بیربر بھی یہی اعزاز حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھا - قرعہ اندازی میں راجہ کا نام نکل آیا[1] - راجہ اس مہم میں مارا گیا -

۱۵۹۸ع تک ابوالفضل کی خدمات کے پیشِ نظر اس کے وقار و منزلت میں بہت اضافہ ہوا تھا - درجہ بدرجہ اس کے منصب میں ترقی ہوئی تھی - ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ع میں وہ ایک ہزار سوار اور ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ع میں وہ دو ہزار سوار اور ۱۵۹۸ع میں دو ہزار پانسو سوار کا منصب پا چکا تھا - وہ بادشاہ کا دبیرِ اعلیٰ تھا - مشیر با تدبیر تھا - بعض اراکین سلطنت کو ابوالفضل کا یہ قرب کھٹکتا تھا - حسب و نسب کے علمبردار اور درباری رقابتوں کے ہوادار یہ گوارا نہیں کرتے تھے کہ ایک ہندوستانی ملا درویش کا بیٹا بادشاہ کا مشیر و وزیر ہو اور ان کے معاملات کے وصل و فصل میں حائل ہو[2] اس لیے حاسد بادشاہ پر دباؤ ڈال رہے تھے تاکہ وہ اسے دربار سے دور بھیج دے اور وہ کھلے بندوں اپنے مسائل حل کروا لیں - آخر بادشاہ ابوالفضل کو دکن کی مہم پر بھیجنے کے لیے رضامند ہو گیا -

اس وقت ابوالفضل نے اپنے آپ کو صرف صاحب القلم ہی ثابت کیا

---

۱ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۴۷۸ -

۲ - اقبالنامہ ، ص ۴۵۹ -

تھا ، اب اسے صاحب السیف بھی ثابت کرنا تھا ۔ اس کے سامنے بڑا مشکل کام تھا ۔ اب اس کی قابلیت ، انتظامی صلاحیت اور دیانتداری کا امتحان تھا ۔ اسے منتشر اور نامتحد فوج کی کمان سنبھالنا تھا ۔ غیر ملک کو فتح کرنا اور وہاں امن و امان قائم کرنا تھا ۔

سب سے فوری توجہ طلب مسئلہ احمدنگر کا تھا ۔ برہان الملک بادشاہ ۱۵۹۴ع میں فوت ہوا ۔ ابراہیم اس کا بیٹا ، جانشین ہوا لیکن وہ ۱۵۹۵ع میں ایک لڑائی میں مارا گیا ۔ اس کے بعد بہادر شاہ نابالغ کو تخت پر بٹھایا گیا اور برہان الملک کی بہن چاند بی‌بی کو نائب السلطنت مقرر کیا گیا ۔ بعض امرا نے ابھنگ خان حبشی کی سربراہی میں بغاوت کر دی تھی اور اس نے احمد نگر کا محاصرہ کر لیا تھا ۔ بادشاہ کے حامیوں کی ایک جماعت نے گجرات سے مغل فوج کو مدد کے لیے بلایا ۔ شاہزادہ مراد اور عبدالرحیم خانخانان وہاں جا کر احمد نگر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا ۔ افسروں میں اتحاد نہیں تھا ۔ وہ مدت سے اپنے گھروں سے دور ہونے کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے ۔ فوج کو باقاعدہ تنخواہ بھی نہیں ملتی تھی اور وہ پوری طرح مسلح اور ساز و سامان سے آراستہ نہ تھے ۔ سپاہی دل و جان سے لڑائی کے لیے آمادہ نہیں تھے کیونکہ دشمن جنگی اہمیت کے مقامات پر قابض تھے ۔ عبدالرحیم خانخانان ، سالار سپہ کو شاہزادہ مراد سے اختلاف رکھنے اور دکن کی مہم میں ناتسلی بخش کام کی وجہ سے واپس بلا لیا گیا تھا[1] ۔

ابتدا میں ابوالفضل کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ شاہزادہ مراد کو اپنے ہمراہ واپس لائے اور مفتوحہ علاقے کا انتظام و انصرام سالاران سپہ کے سپرد کرے ۔ اگر وہ اس ذمہ داری کو سنبھالنے پر آمادہ نہ ہوں تو وہ خود شاہ رخ مرزا[2] کی معیت میں کمان سنبھالے ۔

---

۱ ۔ اکبر نامہ ۔ ج ۳ ، ص ۶۹۸-۶۹۹ ، ۷۳۹ ۔

۲ ۔ **شاہ رخ میرزا :** وہ حاکم بدخشاں مرزا سلیمان کا پوتا تھا ۔ وہ مالوہ کا گورنر تھا ۔ اس نے دکن کی لڑائیوں میں اہم خدمات انجام دیں ۔ وہ ۱۰۱۶ھ میں فوت ہوا ۔

شاہزادہ مراد سخت بیمار تھا - ابوالفضل راستے میں ۲۱ اپریل ۱۵۹۹ء کو برہان پور ٹھہرا اور بہادر خان حاکم خاندیس کو دکن کی مہم میں رہنمائی کے لیے کہا مگر وہ خود راضی نہ ہوا اور دو ہزار سواروں کے ساتھ اپنے بیٹے کبیر خان کو بھیجنے کے لیے رضامند ہوا - اس نے ابوالفضل کو تحائف دے کر ٹالنا چاہا لیکن اس نے رشوت قبول نہ کی - ۲۹ اپریل کو ابوالفضل شاہزادہ مراد کی قیامگاہ پر پہنچا - وہاں عجیب ابتری پھیلی ہوئی تھی - فوج منتشر ہو رہی تھی - فوج کے سربراہ شاہزادہ کو پیچھے شاہپور لے جا رہے تھے - ابوالفضل نے ایسی حالت میں شہزادے کو واپس لے جانا ہرگز مناسب نہیں سمجھا - اتنے میں شاہزادہ وفات پا گیا - فوج میں اور بھی ابتری پھیل گئی - سپاہی بد دل ہو کر بھاگ گئے مگر ابوالفضل نہ گھبرایا - اس نے فوراً انتظام سنبھال لیا - اس نے شاہزادے کے ساز و سامان کی فہرست تیار کروائی - اس کی نعش اور اس کے اہلِ حرم کو رائے درگا ، مرزا فرید اور دوسرے افسروں کی رہنمائی میں روانہ کر دیا - یہ قافلہ اکبر کو مالوا سے جا ملا -[1]

کچھ تورانی سپاہی چلے گئے اور کچھ بغاوت پر آمادہ تھے - ابوالفضل نے شاہزادے کے خزانے سے فائدہ اٹھایا اور تالیفِ قلب سے ان کو مائل کیا - تین سو کے قریب سپاہیوں کی ایک جماعت واپس آ گئی - اگرچہ فوج میں جرأت و اعتمادِ نفس نہیں تھا پھر بھی ابوالفضل نے پورے حزم و احتیاط سے فوج کو منظم کیا اور شاہزادے کے محروسہ علاقے کی حفاظت کی -[2]

ابوالفضل نے سندر داس کو برار کے مستحکم قلعہ تلتوم کو فتح کرنے کے لیے بھیجا - بڑا معرکہ ہوا - جب محصورین سو رہے تھے تو حملہ آور دیوار پر چڑھ کر قلعہ کے اندر اتر گئے کتلو خاں قلعہ کا کمانڈر بھاگ گیا اور محصورین نے ہتھیار ڈال دیے -[3]

---

۱ - اکبر نامہ ج ۳ ، ص ۶۴ -
۲ - ایضاً ، ص ۷۵۴-۷۵۵ -
۳ - ایضاً ، ص ۷۵۶ -

دولت آباد[1] قلعہ کے جاگزین بھی صلح پر آمادہ تھے لیکن بعض دکنی اور حبشی شرارت پر تُلے ہوئے تھے - ابوالفضل نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو تین ہزار سپاہی دے کر ان کے تعاقب میں بھیجا -[2]

ابوالفضل خود احمد نگر[3] کی طرف روانہ ہوا - چاند بی‌بی قلعہ کی حفاظت کر رہی تھی - ابھنگ خان باہر محاصرہ کیے ہوئے تھا - چاند بی‌بی دو رخی پالیسی پر عمل پیرا تھی - وہ دکنیوں سے بھی دوستانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھی اور مغل فوج کے افسروں سے بھی خوشامدانہ لہجہ برقرار رکھے ہوئے تھی - جب ابھنگ خان کی بے وفائی اس پر آشکار ہوئی تو وہ اس بات پر آمادہ ہوئی کہ ابھنگ خان کی شکست پر وہ قلعہ کی چابیاں مغل فوج کے حوالے کر دے گی - اس نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ بیر[4] اس کو جاگیر کے طور پر دیا جائے اور قلعہ سے نکل جانے کی اجازت دی جائے - اس کے بعد وہ دربارِ عالی میں حاضر ہوگی اور بہادر شاہ کو بھی ایک افسر کی نگرانی میں روانہ کر دے گی - ابوالفضل کے رفقا میں اس کے متعلق اختلافِ رائے پیدا ہوا اس لیے یہ گفت و شنید ناکام ہوگئی -

شاہزادہ مراد کی وفات کے بعد اکبر کے دوسرے بیٹے دانیال کو دکنی مہمات کا سربراہ مقرر کیا گیا اور اسے ہدایت کی گئی کہ وہ شکار کے بہانے فوراً جالنا پور[6] پہنچے لیکن اس نے معاملات کی اہمیت کو نظر انداز

---

۱ - **دولت آباد** یا دیو گری - اورنگ آباد کے ضلع اور تعلقہ میں ایک پہاڑی قلعہ ہے - محل وقوع °۱۹ ۵۷ شمال اور °۷۵ ۳ مشرق ہے -

۲ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۵۸ -

۳ - **احمد نگر** : مملکت احمد نگر کی حدود میں چول ، وادیِ گودادری ، نندیر ، ناسک - احمد نگر - پونہ اور شعلہ پور کے اضلاع کا اکثر حصہ شامل تھا -
(I. G. I. Bombay Presidency, 1909)

۴ - بیر : قسمت اورنگ آباد میں ایک ضلع - اس کا رقبہ ۴۳۶۰ مربع میل تھا -

۵ - اکبر نامہ ، ج ۳ ص ۷۶۴-۷۶۵ -

۶ - **جالنا پور** : ضلع اورنگ آباد کا مشرق تعلقہ - رقبہ ۸۰۱ مربع میل - اس کی مٹی سیاہ ہے اور اس کے شمال اور مشرق میں پہاڑی علاقہ ہے -

کیا ۔ ابوالفضل نے اسے خط لکھ کر جلد پہنچنے کی تاکید کی اور کہا کہ تاخیر کی وجہ سے ناکامی کی ذمہ داری مجھ پر عاید نہیں ہوگی[۱] ۔ ابوالفضل اپنی سپاہ کے ساتھ شاہ گڑھ میں مقیم تھا ۔ جب شاہزادے کے آنے کی اطلاع نہ ملی تو ابوالفضل کے بعض ساتھی اسے چھوڑ گئے ۔ اتنے میں ابھنگ خاں نے شمشیر الملک حاکم برار[۲] سے مدد لے کر مغل فوج پر حملہ کر دیا ۔ مرزا یوسف[۳] جو اس علاقے کی حفاظت پر متعین تھا ، اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکا ، اس لیے اسے پسپا ہونا پڑا[۴] ۔ برار کے بعد ابھنگ خان احمد نگر کی طرف بڑھا ۔ مرزا یوسف نے اس کا پیچھا کیا ۔ ابوالفضل نے مرزا خان ، مرزا لشکری ، عادل خان ، سندر داس اور دوسروں کو پہلے ہی اس کو روکنے کے لیے روانہ کیا تھا ، اسی اثنا میں شمشیر الملک کی موت سے ابھنگ خان کا حوصلہ پست ہوگیا ۔ اب وہ ایلچ پور[۵] کو فتح کرنا چاہتا تھا ۔ ۲۹ نومبر ۱۵۹۹ع کو آمنا سامنا ہوا ۔ ابھنگ خان کو ایسا مہلک تیر لگا کہ وہیں ڈھیر ہوگیا ۔ باقی سب ساتھی منتشر ہوگئے[۶] ۔

دکنیوں اور حبشیوں نے قلعہ بیر کو فتح کرنے کے لیے پندرہ ہزار فوج اکٹھی کر کے چڑھائی شروع کر دی اور محاصرہ کر لیا ۔ ان دنوں دریائے گوداوری میں سیلاب تھا اور مغل فوج کو کمک پہنچنے کا امکان

---

۱ ۔ مکاتبات علامی ، ج ۲ ، ص ۸۳ ۔

۲ ۔ برار : اس میں میر پور ۔ ٹنڈو ۔ پربھانی اور اورنگ آباد اضلاع کے کچھ حصے شامل تھے ۔ اب یہ نظام کی ریاست میں شامل ہے ۔
(I. G. I. Hyderabad, p. 60, Calcutta Edn).

۳ ۔ مرزا یوسف : مشہد کا سید تھا اور اکبر کا مقرب ۔ ۹۹۵ھ میں کشمیر کا حاکم تھا ۔ اسے توپ خانے کا سربراہ بنایا گیا ۔ اور کئی جنگوں میں شریک رہا ۔ ۱۰۱۰ھ میں فوت ہوا ۔

۴ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۶۵-۷۶۶ ۔

۵ ۔ ایلچ پور : صوبہ برار ، ضلع امراوتی میں ایک قصبہ ۲۰.۱۶° شمال اور ۷۷.۳۳° شرق میں واقع ہے ۔

۶ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۶۵-۷۶۶ ۔

کم تھا ۔ شیر خواجہ[1] حاکم شہر مقابلہ نہ کر سکا اور زخمی ہو کر قلعہ میں واپس چلا گیا[2] ۔

فرشتہ نے لکھا ہے کہ شیر خواجہ نے اکبر کے پاس شکایت کی کہ ابوالفضل اور مرزا یوسف نے وقت پر کمک نہیں بھیجی[3] ۔ لیکن معتمد خان نے موقع پر امدادی فوج بھیجنے کا ذکر کیا ہے[4] ۔ ابوالفضل کو شیر خواجہ کی اس ناکامی پر بڑا افسوس ہوا ۔ اس نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن اور مرزا علی کو دولت آباد سے بلا کر فوج کے ہمراہ روانہ کیا ۔ انھوں نے خراب موسم میں دریا کو عبور کیا ۔ ابوالفضل بھی ان کے پیچھے پیچھے دریا کو عبور کر کے پہنچ گیا ۔ حریف فوج نے کچھ دیر کے لیے مقابلہ کیا ، پھر بھاگ کھڑی ہوئی ۔ محصورین کو نجات ملی ۔ ابوالفضل اپنے بیٹے کو فوجی دستے کے ساتھ وہاں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن شیر خواجہ نے دفاع کی ذمہ داری خود سنبھالی ۔ لیکن ابوالفضل نے ہنگامی ضرورت کے لیے شاہ گڑھ میں امدادی فوج پیچھے چھوڑ دی[5] ۔

اکبر دکن میں مغل فوج کی کارگزاریوں کے متعلق مطمئن نہیں تھا چنانچہ وہ خود دکن کی طرف روانہ ہوا ۔ اس نے عبدالرحیم خانخانان سے اختلافات دور کیے ۔ شاہزادہ دانیال سے اس کی بیٹی کی شادی کی اور اسے دکنی افواج کا سالار بنا کر روانہ کیا تاکہ وہ شاہزادہ کی معیت میں دکن کا نظم و نسق سنبھالے ۔ ابوالفضل کو وہاں سے واپس بلا لیا ۔ ۱۲ دسمبر ۱۵۹۹ع کو ابوالفضل منگی پٹن[6] میں تھا ۔ وہاں اسے دانیال کا خط ملا

---

۱ ۔ شیر خواجہ : اصل نام بادشاہ خواجہ تھا ۔ اٹاوہ کا سید تھا ۔ یوسف زئیوں کے خلاف اور سلطان مراد کے تحت دکن میں بہادر سپاہی کی طرح لڑا ۔ ۱۰۳۷ھ میں فوت ہوا ۔

۲ ۔ اکبر نامہ ، ج ۲ ، ص ۷۵۹ ۔

۳ ۔ تاریخ فرشتہ : ج ۴ ، ص ۶۴ ۔

۴ ۔ اقبالنامہ جہانگیری ، ص ۴۶۳ ۔

۵ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۶۰ ۔

۶ ۔ منگی پٹن : ضلع اورنگ آباد میں واقع ہے ۔ دریائے گوداوری کے شمالی کنارے پر ۔ ۱۹۵° شمال اور ۷۵° مشرق واقع ہے ۔

جس میں لکھا تھا :

"کار پژوہش او دلنشین دور و نزدیک ۔ خواہش آنست کہ احمد نگر پیش ما گشایش بیابد خویشتن را ازاں آہنج باز دارد ۔ پس ازین در راہ درنگ نخواہد رفت[1] ۔

دوسری طرف عبدالرحیم خانخانان نے ابوالفضل کو ناکام بنانے کے لیے فوج کے سالاروں کو محاذ سے پیچھے ہٹا لیا ۔ بعض منصبداروں کی جاگیریں منتقل کر دیں ۔ اس لیے وہ اپنے علاقے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ۔ یہ احکام فوجی نظم و نسق کی روح کے منافی تھے ۔ ابوالفضل نے خانخانان کے خط کے جواب میں اس بے قاعدگی کی طرف توجہ دلائی ہے[2]۔ "مکاتبات علامی" کے شارح نے امدادی فوج کو واپس بلانے کے متعلق لکھا ہے :

"بعضی از سپاہ کہ نزد ابوالفضل بود طلب داشتہ و بعضی ازانہا جاگیر تغیر دادہ ۔ و توقف نمودن در برہانپور ہمین است کہ بمددمن نرسیدہ باشید[3] ۔"

ابوالفضل نے اپنے ایک عزیز و محبوب دوست یعنی خانخانان کی جانب سے اس قسم کی روش اختیار کرنے پر افسوس کیا ہے اور اسے محاذ پر جلد پہنچنے کی تاکید کی ہے ۔ خانخانان کے پہنچنے پر اس نے کام کی ذمہ داری اس کو سونپی اور خود ۲۰ مارچ ۱۶۰۰ع کو کورگاؤں میں[4] اکبر سے جا ملا ۔

اکبر اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا :

فرخندہ شبی باید و خوش مہتابی
تا با تو حکایتی کنم از ہر بابی[5]

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۶۶ ۔

۲ ۔ مکاتبات ، ص ۱۵۲-۱۵۳ ۔

۳ ۔ نافع الطالبین ، قلمی ، برگ ۷۲ ۔

۴ ۔ کورگاؤں : بمبئی میں ضلع ستارا کا تعلقہ ۱۸۰۱° شمال اور ۱۸° ۷۳ مشرق میں واقع ہے ۔

۵ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۶۹ ۔

۲ - مالی گڑھ اور اسیر گڑھ کی فتوحات :

خاندیس، اکبر کے ممالکِ محروسہ اور دکن کے درمیان واقع تھا۔ اکبر چاہتا تھا کہ اس کا حکمران بہادر خان اطاعت قبول کرے اور دکن کی مہم میں اس کا ساتھ دے۔ اس کا باپ راجہ علی خان مغل فوج کے ہمراہ لڑتا ہوا دکن میں مارا گیا تھا۔ اکبر نے اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے بیٹے بہادر خان کو جانشین مان لیا تھا۔ بہادر خان بزدل اور سہل انگار تھا۔ برہانپور اس کے دارالسطنت سے چودہ میل دور اسیر گڑھ اور مالی گڑھ کے ناقابلِ تسخیر قلعے واقع تھے، اس لیے وہ اپنے دفاعی استحکام اور ذخائر کی فراوانی پر مطمئن تھا اور اکبر کے سامنے حاضر ہونے سے کتراتا تھا۔ جب شاہزادہ دانیال وہاں سے گزرا تو وہ سلام کے لیے حاضر نہ ہوا۔ جب اکبر اجین میں تھا تو بہادر خان نے اپنے بیٹے کبیر خان کے ہمراہ بیش بہا تحائف بھیجے لیکن خود حاضر نہ ہوا۔ خواجہ مودود، میر صدر جہان اور پیشرو خان کو یکے بعد دیگرے اس کو سمجھانے اور ترغیب دینے کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے چار نادر ہاتھی پیش کر کے شخصی طور پر حاضر ہونے سے بچنا چاہا[1]۔

ابوالفضل کی بہن بہادر خان کے بھائی سے بیاہی ہوئی تھی اس لیے ابوالفضل بہادر خان کو رضا مند کرنے کے لیے بہتر آدمی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب وہ دکن سے واپس اکبر کے پاس آرہا تھا تو اسے دوبارہ بہادر خان سے ملاقات کے لیے کہا گیا۔ بہادر خان ابوالفضل سے ملنے آیا اور دربار میں حاضر ہونے کے لیے تیار بھی ہو گیا لیکن جب وہ قلعہ میں واپس گیا تو اس نے ارادہ بدل لیا[2]۔ آخر اکبر نے خاندیس فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے ۲۰ فروری ۱۶۰۰ع کو شیخ فرید بخشی بیگی، قرا بیگ، مقیم خان اور دوسروں کو محاصرے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ برہانپور پر قبضہ

---

۱ - اکبر نامہ، ص ۷۶۷۔
۲، ۳ - ایضاً، ص ۷۶۹۔

کر لیا گیا[1] -

خاندیس کا نظم و نسق ابوالفضل کے سپرد ہوا - اس نے اپنے بھائی ابوالبرکات کو ایک طرف اور اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو دوسری طرف فوجی دستوں کے ہمراہ متعین کیا - چنانچہ تھوڑی سی کشمکش کے بعد باغیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اطاعت قبول کر لی - ابوالفضل نے مقامی سپاہیوں کو مائل کرنے کے لیے اپنے بھانجے اور بہادر خاں کے بھتیجے صفدر خان کو آگرہ سے بلایا تاکہ اس کے توسط سے امن و امان قائم کرنے میں مدد ملے[2] - دکن میں شاندار خدمات کے اعتراف میں ابوالفضل کو چار ہزاری منصب ، خلعت خاصہ ، اسپ اور علم و نقارہ عطا ہوا -

مغل فوج کی پیش قدمی اور دستبرد کو دیکھ کر بہادر خان گھبرا گیا اور اسے احساس ہوا کہ اس نے شاہنشاہ کو ناراض کر کے اچھا کام نہیں کیا - چنانچہ ۱۵ مئی ۱۶۰۰ع کو اس نے اپنی دادی اور اپنے چھوٹے بیٹے کو ساٹھ ہاتھی دے کر بھیجا - معذرت کا خواستگار ہوا اور حاضری کی معافی کے لیے درخواست کی اور کہا : ''جونہی میرے دل سے حضور کا خوف کم ہو گا ، دربار میں حاضر ہوں گا -'' اس نے یہاں تک کہا کہ وہ اپنی لڑکی سلطان خسرو کے عقد میں دینے کے لیے تیار ہے لیکن بادشاہ نے جواب بھیجا کہ صرف بہادر خان کا دربار میں حاضر ہونا ضروری ہے - امرا نے کہا کہ بہادر خان خوشامد سے وقت ٹالنا چاہتا ہے تاکہ غذا کا سامان ارزاں ہو جائے اور وہ زیادہ ذخائر جمع کر لے[3] -

مغل فوج نے آگے بڑھنا شروع کیا اور محاصرہ قریب تر لے گئے - گیارہ جون کو ساپن پہاڑی پر قبضہ کر لیا - اسیر گڑھ کے قلعہ نشین باہر نکل کر نبرد آزما ہوئے اور انھوں مغل فوج کو نقصان بھی پہنچایا - لیکن قرا بیگ نے درجہ بدرجہ آگے بڑھ کر دشمن کو قلعہ میں واپس جانے پر

---

۱ - اکبر نامہ ، ص ۷۶۹ -
۲ - ایضاً ، ص ۷۷۲ -
۳ - ایضاً ، ج ۳ ، ص ۷۷۱ -

مجبور کر دیا[۱] ۔ محاصرہ جاری رہا اور دو اڑھائی مہینوں تک محسورین کے متعلق کوئی خبر یا اطلاع نہ ملی ۔ اکبر کے کہنے پر ابوالفضل نے پھر بہادر خان کو لکھا ۔ اس نے اپنے بہنوئی سعادت خان کو دس ہاتھیوں کے ساتھ بھیجا اور حاضری سے معافی کے لیے وہی پرانی درخواست کی ۔ سعادت خان واپس نہیں جانا چاہتا تھا ۔ اکبر نے اسے ہزاری منصب عطا کر کے اپنی ملازمت میں قبول کر لیا ۔ اس کے ہمراہی پیر محمد کے ہاتھ جواب بھجوا دیا گیا[۲] ۔

تسخیر مالی گڑھ :

اسیر گڑھ ہندوستان کا مضبوط ترین قلعہ شمار ہوتا تھا ۔ سطحِ زمین سے ۸۷۰ فٹ بلند تھا ۔ وہاں ۸۰ سے ۱۲۰ فٹ بلند تیکھی چٹانیں اس قدر عمودی اور ڈھلوان تھیں کہ ان پر چڑھنا نا ممکن تھا ۔ وہاں صرف دو راستوں سے رسائی ممکن تھی[۲] ۔

''در کمر گاہ آن (اسیر گڑھ) باختر و شمال سو نامور قلعہ مالی گڑھ ہر کہ خواہد بدان شگرف حصار در شود ، نخست بدین دژ گذارہ رود در بائمب و شمال سو ایسان مالی و آنرا جونہ مالی گویند لیکن از دیوار او لختی ماندہ و از خاور تا نیرت کوہچہا در گرفتہ ۔ جنوب سو بلند کوہی ست کوڈھیہ نام و در نیرت بزرگ کوہی ست ساپن خوانند[۳] ۔''

مالی گڑھ کا فتح کرنا بڑا مشکل کام تھا ۔ سپاہی اکتا گئے تھے ۔ غذائی سامان مہنگا تھا ۔ قلعہ کے نزدیک محاصرہ کرنے والے سپاہیوں کو رشوت بھی دی گئی ۔ آخر محصورین میں سے ایک شخص نے ملائی گڑھ تک پہنچنے کا چھپا ہوا راستہ قرابیگ کو دکھایا لیکن سپاہی اس مہم پر

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ص ۷۷۲ ۔

۲ ۔ ایضاً ، ص ۷۷۶ ۔

۳ ۔ اقبالنامہ ، ص ۴۷۰ ، اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۷۸ ، مقدمہ آئین اکبری از بلاخمن ، ص XIV ۔

آمادہ نہیں ہوتے تھے اور وہاں تک پہنچنے کو پاگل پن سمجھتے تھے۔

۲۸ نومبر ۱۶۰۰ء کو ابوالفضل کو اس مہم پر مامور کیا گیا۔ ابوالفضل نے شاہی فرمان حاصل کیا کہ وہ جو تدبیر کرے گا اور جو نقشہ بنائے گا اس کے مطابق ہر شخص عمل کرے گا۔ اس نے توپخانے کے کمانڈروں سے طے کیا کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر قلعہ کو فتح کر لیں گے۔ قرار یہ پایا کہ جونہی وہ ناقوس و نقاروں کی آوازیں سنیں، سیڑھیاں لے کر پہنچ جائیں۔ انتیس نومبر کی رات تاریک تھی اور بارش بھی ہو رہی تھی۔ چند آزمودہ کار سپاہی کوہ ساپن پر مقرر کیے گئے جو پہلے سے ان کے تصرف میں تھا۔ پہلے قرا بیگ کو چند آدمیوں کے ہمراہ آگے بھیجا۔ بعد میں توپخانے کے آدمی اور اپنے سپاہی آہستہ آہستہ ان کے پیچھے بھیجتا گیا۔ رات کے آخری حصے میں پہلے دستے کے چند آدمی خفیہ راستے پر پہنچ گئے اور انھوں نے ملائی کا دروازہ توڑ کر کھول دیا۔ انھوں نے اندر داخل ہو کر نقارے بجائے اور ناقوس پھونکے۔ پیچھے آنے والے دستے دیر سے پہنچے۔ قلعہ کی محافظ فوج خبردار ہو کر لڑنے کے لیے تیار ہوئی۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ میں بارش اور توپ کے گولوں کی بوچھاڑ میں سیڑھی پر چڑھا[۱]۔ دوسروں نے میری پیروی کی۔ صبح ہونے تک مورچوں کے سپاہی کوڈھیا تک پہنچ گئے۔ فرید بخشی بگی کے سپاہی چنا ملائی پر جا چڑھے حریف پسپا ہوئے اور اسیر کو گویا راستہ کھل گیا[۲]۔

اس فتح کے بعد اس دن بہادر خان نے اپنے حبشی مصاحب مقرب خان کے توسط سے پیغام بھیجا کہ اگر اس کا ملک اس کے تصرف میں رہنے دیا جائے اور قیدیوں کو رہا کر دیا جائے تو وہ دربار میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہے۔ ابوالفضل خاموش رہا اور اس کا پیغام بادشاہ کو بھجوایا۔ بادشاہ نے اس کی جان و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ مقرب خان دوبارہ آیا اور اس نے کہا کہ خان اعظم مرزا کوکہ آئے اور بہادر خان کا ہاتھ

---

۱ - اکبر نامہ، ج ۳، ص ۷۷۸ -

۲ - ایضاً، ص ۷۷۷-۷۷۸ -

پکڑ کر دربار میں لے جائے۔ چنانچہ مرزا کوکہ ملائی گڑھ تک آیا اور بہادر خان اسیر گڑھ سے نیچے آیا۔ آخر اسے بادشاہ کے رو برو پیش کیا گیا[1]۔

تسخیر و تسلط اسیر گڑھ:

ملائی گڑھ پر قبضہ ہو جانے سے اسیر کی طرف آمد و رفت کا راستہ بند ہو گیا۔ اسیر کے مکین خوف زدہ ہو گئے۔ ابوالفضل نے محصورین سے گفت و شنید شروع کی۔ انھوں نے کہا اگر ان کے پاس بہادر خان کی تحریر آجائے تو وہ قلعہ سپرد کرنے پر راضی ہو جائیں گے تا کہ ان پر بے وفائی کا الزام نہ لگے۔ بہادر خان پہلے متذبذب تھا۔ آخر دباؤ میں آکر اس نے تحریر پر دستخط کر دیے اور مہر لگا دی۔ تحریر قلعے کے اندر بھیج دی گئی۔ ابوالفضل دروازے کے باہر بیٹھا۔ چونتیس ہزار آدمی اپنا ساز و سامان لے کر چار دن میں قلعے سے باہر آئے[2]۔ ابوالفضل نے ۱۶ جنوری ۱۶۰۱ع کو اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو چند آزمودہ کار آدمیوں کے ہمراہ قلعہ کے اندر بھیجا۔ مکینوں نے قلعے کی کنجیاں اس کے حوالے کیں۔ بہادر خان کے خاندان کے ترپن افراد، چچوں، بھائیوں اور بیٹوں سمیت دربار کو بھیجے گئے۔ بہادر خان کے معتمدین اور محاسب قلعے میں چھوڑ دیے گئے۔ ابوالفضل نے اہلکاروں کے ذمے مختلف فرائض سپرد کیے اور خود شہنشاہ سے ملاقات کے لیے چلا گیا[3]۔

اسیر گڑھ کی تسخیر ۱۷ جنوری ۱۶۰۱ع کو مکمل ہوئی۔ قلعے کے اندر جامع مسجد کی سامنی دیوار پر ۶ بہمن ۴۵ سال الٰہی اور ۲۲ رجب ۱۰۰۹ھ تاریخ درج ہے[4]۔

ابوالفضل نے لکھا ہے:

"این کوہ نشین نا بخرد از یک لک جاندار بیشتر فراز دژ بردہ بود۔

۱۔ اکبر نامہ، ج ۳، ص ۷۷۹۔

۲۔ ایضاً، ص ۷۸۰-۷۸۱۔

۳۔ اکبر نامہ، ج ۳، ص ۷۸۱-۷۸۲۔

4. Annual Report Asiatic Society, Eastern Circle, Calcutta, 1907-08, pp. 26-27.

از جانوران انبوہی ہوا دگرگوں شدہ شگرف بیماری آورد و بیست و پنج ہزار رنجور در گذشت''[1]۔

بہادر خان کو اس کے ساز و سامان کے ہمراہ ۲ مارچ ۱۶۰۱ع کو گوالیار بھیج دیا گیا[2]۔

تسخیر اسیر کے متعلق دوجیرک کا بیان

تسخیر اسیر گڑھ کے متعلق مندرجہ بالا تفصیلات ابوالفضل کے اپنے بیانات پر مبنی ہیں جو اس نے ''اکبر نامہ'' میں تحریر کی ہیں۔ دوجیرک نے اپنی کتاب Akbar and the Jesuits میں At the seat of war کے عنوان سے ایک باب میں تسخیر اسیر کے متعلق کچھ مختلف واقعات بیان کیے ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ تصویر کا کامل رخ پیش ہو سکے۔

۱۔ اکبر برہان پور آیا تو اس کا بادشاہ اپنے قلعہ اسیر میں چلا گیا، جہاں تین ہزار کا توپ خانہ اس کی حفاظت کے لیے مامور تھا۔ ایک حبشی گورنر اور سات مسلمان پرتگیزی کپتان دفاع کر رہے تھے۔ اکبر اس کو براہ راست فتح نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مکر و فریب سے کام لیا جس کا وہ ماہر تھا۔ اس نے بادشاہ میرم کو پیغام بھیجا کہ وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے اور شہزادے کے سر کی قسم کھا کر اس کو یقین دلایا کہ وہ کسی رکاوٹ کے بغیر قلعے میں واپس جا سکے گا۔ بادشاہ گلے میں پٹکا ڈالے اکبر کے سامنے گیا اور سلام بجا لایا۔ بادشاہ کے ایک امیر نے اسے زمین کو ناک سے چھونے پر مجبور کیا۔ اکبر نے اسے دفاعی حد بندی کے افسر کے نام تحریر لکھنے پر مجبور کیا تاکہ وہ مغل فوج کے سالار کو قلعہ کے اندر جانے دے۔ اکبر نے بعد میں اپنی قسم کی پروا نہ کرتے ہوئے اسے گرفتار کر لیا۔

۱۔ اکبر نامہ، ج ۳، ص ۷۸۱-۷۸۲۔

۲۔ ایضاً، ص ۷۸۵۔

۲ - گورنر نے اپنے ایک بیٹے کو اکبر کے پاس بھیجا اور اسے قسم یاد دلا کر کہا کہ وہ بادشاہ کو اس کی رعایا کے پاس بھیج دے اور پھر جس طرح چاہے جنگ آزما ہو کر دیکھ لے - اکبر نے بیٹے سے پوچھا : "کیا اس کا باپ مجھے ملنے کے لیے آ سکتا ہے ؟" اس نے کہا "وہ ہرگز نہیں آئے گا اور کبھی ہتھیار نہیں ڈالے گا -" اس نے کہا : اگر بادشاہ میرم نہیں آتا تو قلعہ میں اور شاہزادے ہیں جو اس کے بجائے تخت پر بیٹھیں گے" - اکبر نے برافروختہ ہو کر بیٹے کو قتل کر دیا - باپ نے قلعہ کے محافظوں کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ بہادر بنو - اکبر کبھی قلعہ کو فتح نہیں کر سکے گا - موسم سرما میں وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو جائے گا - میں ایسے بے ایمان آدمی کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا - اتنا کہہ کر اس نے گلے میں پھندا ڈال کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا -

۳ - اکبر کے پاس ایسی توپیں نہیں تھیں جن سے وہ قلعہ پر گولہ باری کرتا - اس نے پادری شاویر (Xavir) اور اس کے ساتھی سے کہا کہ وہ چول میں پرتگالی حکومت کو لکھیں تا کہ وہ توپیں اور بارود بھیجے - پادری شاویر نے کہا کہ یہ عیسائی قانون کی خلاف ورزی ہوگی کیونکہ میرم اور پرتگالیوں کے درمیان پہلے سے معاہدہ ہے - وحشی (اکبر) ناراض ہوا اور اس نے ان کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا - لیکن وہ ایک امیر کے اشارے پر بادشاہ کی نظروں سے دور ہو گئے ، یہاں تک کہ بادشاہ کا غصہ فرو ہو گیا -

۴ - آخرکار اکبر نے خفیہ طور پر بہت سا سونا اور چاندی قلعہ کے محافظوں کو بھیجا - اس لیے سالاروں اور سپاہیوں نے ہمت و حوصلہ نہ دکھایا - اندرون قلعہ سات شاہزادوں نے تخت قبول نہ کیا - کچھ مدت کے بعد قلعہ مسخر ہو گیا - مغل بادشاہ نے سب کو معافی دی - بادشاہ اور شاہزادوں کو علی الترتیب چار ہزار اور دو ہزار کراؤن پنشن مقرر کی - پرتگالی کپتانوں کے ساتھ برا سلوک کیا لیکن شاویر کی سفارش پر انھیں اس کے حوالے کر دیا گیا جس نے ان کو عیسائی بنا لیا -

تسخیر اسیر کے متعلق سمتھ کی رائے

وی - اے - سمتھ Akbar, the Great Moghul کے مصنف نے تسخیر اسیر گڑھ کے متعلق اپنے بیان (صفحات ۲۷۳ - ۲۸۵) میں دوجیرک کی بتائی ہوئی تفاصیل پر بھروسہ کیا ہے اور اس نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں :

۱ - وبا کی وجہ سے اسیر گڑھ کی فتح ابوالفضل کی اختراع ہے -

۲ - بہادر خان کو دھوکے سے بادشاہ کے پاس لے گئے اور بعد میں شرمناک عہد شکنی سے اسے قیدی بنا لیا -

۳ - افسرانِ مدافعت کو رشوت دی گئی -

۴ - دوجیرک کا بیان نہایت مستند ، حقیقت پر مبنی اور ناقابلِ تردید سند پر منحصر ہے -

۵ - فیضی سرہندی نے سرکاری بیان میں واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے -

۶ - جیسوٹ کو اکبر کے خلاف کوئی ذاتی تعصب نہیں تھا -

سی - ایچ - پینے مترجم Akbar and the Jesuits نے باب نہم کے تعلیقات میں دوجیرک اور سمتھ کے بیانات اور اعتراضات پر تنقید کی ہے - اس کا نقطہ نظر حسب ذیل ہے :

۱ - دوجیرک کا بیان شاویر یا دوسرے کسی شخص کی تحریروں پر مبنی نہیں جو تسخیر اسیر کے موقع پر وہاں موجود تھے - انھوں نے وبا پھیلنے کا کوئی ذکر نہیں کیا - حالانکہ فیضی سرہندی ، ابوالفضل اور فرشتہ نے اس کا ذکر کیا ہے - اگر شاویر نے پرتگالی قیدیوں سے یہ حال سنا ہوتا تو وہ اس کا اشارہ ضرور کرتا -

۲ - مقرب خان کے قتل اور حبشی گورنر کی خودکشی کے متعلق حکایات متضاد ہیں اور تاریخوں کے اعتبار سے ان کو مطابقت نہیں دی جا سکتی

مقرب خان کی خودکشی کے متعلق ظفر الوالہ ، ج ۱ ص ۸۵-۸۶ سے تصدیق ہوتی ہے -

۳ - دوجیرک خاندیس کے بادشاہ کا نام بہادر خان کے بجائے میرم لکھتا ہے -

۴ - سمتھ ، اکبر کے سامنے بہادر شاہ کی پیشی کی تاریخ اگست میں لکھتا ہے جو صحیح نہیں - ابوالفضل نے تیس آذر (دس دسمبر) یعنی مالی گڑھ کی فتح (اٹھائیس نومبر) کے بارہ دن بعد کی تاریخ بتائی ہے - مالی گڑھ کی فتح کے بعد بہادر خان کو مزید مدافعت کرنا بے فائدہ نظر آیا - ابوالفضل اس مہم کا افسر اعلیٰ تھا - اس سے بہتر شخص اصلی حالات کو جاننے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا - بظاہر حقایق کو چھپانے کے لیے اس کے پاس کوئی محرک نظر نہیں آتا -

۵ - ابوالفضل نے قلعہ کے مفتوح ہونے کا سبب وبا نہیں لکھا -

۶ - فیضی سرہندی کے اقتباسات جو سمتھ نے اپنی کتاب میں دیے ہیں وہ ابوالفضل کے بیانات پر مبنی نہیں - لیکن پھر بھی دونوں کے بیانات میں مطابقت دی جا سکتی ہے - فیضی سرہندی نے تسخیر قلعہ کی تاریخ ۱۸ صفر ۱۰۰۹ھ (اگست ۱۶۰۰ع) دی ہے - یہاں اسے ضرور ایک اشتباہ ہوا کیونکہ تسخیر احمد نگر کے متعلق اکبر کے پاس خبر پہنچنے کی بھی وہ یہی تاریخ ۱۸ صفر ۱۰۰۹ھ لکھتا ہے -

۷ - مسلم مؤرخین نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا کہ اکبر نے پادری شاویر سے درخواست کی تھی کہ وہ گوا کے حکمران کو توپیں اور گولہ بارود بھیجنے کے متعلق لکھے - ابوالفضل نے محاصرے کے آخری ایام کی روئداد مختصر لکھی ہے - اس نے توپیں منگوانے کے متعلق ذکر کیا ہے لیکن گوا سے نہیں بلکہ دوسری جگہوں سے - اسی کا بیان یہ ہے :

"ازانجا کہ در اندیشہ رہ نداشت کہ مرزبان خاندیس بروی گیتی خداوند در فراز کند - دست افزار دژ کشائی ہمراہ نبود - پس از رسیدن

بهزاو کوشش اگرچہ توپی چند از پرنالہ و کاویل و احمد آباد آوردند لیکن از ناپروائی چندانی بکار نداشتند" ۔

ممکن ہے اکبر نے شاویر سے توپیں منگوانے کی درخواست کی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابوالفضل اور فیضی سرہندی نے اپنی تاریخوں میں اس امر کا ذکر کرنا اہم نہ خیال کیا ہو ۔

ہم پینے کی مندرجہ بالا توضیحات سے اتفاق کرتے ہیں لیکن ہم سمتھ کے اعتراضات کی تردید میں چند مزید توضیحات پیش کرتے ہیں :

۱ ۔ دوجیرک نے ملائی گڑھ کی فتح کا ذکر تک نہیں کیا ۔ ممکن ہے اس کو اس کی اطلاع ہی نہ ہو ۔ ابوالفضل چونکہ اس مہم کی خود قیادت کر رہا تھا اس لیے اس نے اس کی پوری تفصیل بتائی ہے ۔

۲ ۔ دوجیرک اور سمتھ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اکبر اسیر گڑھ فتح کرنے میں ناکام ہوا ، اس لیے اس نے مکر و فریب اور جھوٹے وعدوں سے بہادر خان کو بلایا ۔ یہ نظریہ درست نہیں ۔ اکبر نے اسے پہلی مرتبہ نہیں بلایا تھا بلکہ شکست ماننے سے پہلے کئی مرتبہ اسے گفت و شنید کی دعوت دی گئی تھی اور ترغیب و مصالحت کے لیے کہا گیا تھا ۔ ہم اوپر یہ تمام تفاصیل لکھ آئے ہیں ۔ تقریباً آٹھ نو مرتبہ اس سے مصالحانہ روش اختیار کرنے کی پیشکش کی گئی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسے پہلی مرتبہ دھوکے سے نہیں بلایا گیا ۔ وہ شکست خوردہ تھا ۔ اس نے مجبور ہوکر خدمت میں حاضر ہونا قبول کیا ۔ اس نے اکبر کو سخت ناراض کیا ۔ اس کی تمام مصالحانہ کوششوں کو ٹھکرایا ۔ مغل فوج کو کئی مہینے محاصرہ جاری رکھنے کے لیے کافی تکلیف اٹھانی پڑی ۔ ایسے حالات میں ایسے شخص سے رعایت کرنا اور اس کا ملک واپس کرنا اکبر جیسے بہادر اور فاتح شخص کا شیوہ نہیں ہو سکتا ۔ اس کے باوجود اس نے بہادر خان کے ساتھ جان و آبرو کی امان و سلامتی کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا ۔

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۷۹ ۔

فرشتہ کی صائب رائے

فرشتہ نے لکھا ہے : بہادر خاں دماغی طور پر کمزور تھا اور ناتجربہ کار تھا ۔ وہ بھنگ اور افیون[1] کا عادی تھا اور مغنیوں اور موسیقاروں کی محبت کا رسیا ۔ اسے غلط مشورہ دیا گیا ۔ اس نے اکبر کو امداد دینے سے انکار کر دیا اور قلعہ نشین ہو گیا ۔ اسے گمان تھا کہ موسم کی خرابی ، اشیاء کی گرانی اور محاصرہ کے امتداد سے تنگ آ کر مغل فوج واپس چلی جائے گی ۔ اس رائے کی تائید میں گوا کے پرتگالی حکمرانوں نے بھی حمایت کی اور ایک عہد نامہ کی رو سے بہادر خان کو توپیں اور گولہ بارود مہیا کیا اور سات آزمودہ کار کپتان قلعہ کی حفاظت کے لیے متعین کیے ۔ اس امداد مہیا کرنے میں پرتگیزوں کا ایک مقصد پنہاں تھا ۔ وہ اکبر کے راستے میں خاندیس کو حائل رکھنا چاہتے تھے تا کہ وہ آگے بڑھ کر گوا اور دوسرے پرتگیزی مقبوضہ علاقوں کو فتح نہ کرے کیونکہ پادریوں کے تبلیغی وفد نے انھیں یہ احساس دلایا تھا کہ اگر اکبر کامیاب ہو گیا تو وہ آسانی سے ان کے علاقے بھی اپنے تصرف میں کر لے گا ۔ بہادر خاں دس مہینوں تک اپنی بات پر اڑا رہا ۔ آخر حالات نے اسے مجبور کر دیا اور وہ ہار مان گیا ۔[2]

دو جیرک کا بیان ہے کہ اکبر نے بہادر خاں کو گفتگو کے لیے بلایا اور وعدہ کیا کہ گفتگو کے بعد کسی رکاوٹ کے بغیر وہ اپنے ملک میں واپس چلا جائے گا ۔ اگر یہ بات درست تھی تو بہادر خاں کو ایک آزاد بادشاہ کی طرح اکبر کے سامنے بات چیت کے لیے حاضر ہونا چاہیے تھا ۔ لیکن بقول خود دوجیرک وہ گلے میں پٹکا ڈالے اکبر کے سامنے پیش ہوا جو اطاعت و شکست کی علامت تھی ۔ ان دونوں باتوں میں تضاد ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ اب بہادر خان کے پاس ہار ماننے اور ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ۔

---

۱ - فتح کے وقت قلعہ اسیر میں پانچ سو من (اکبری وزن) افیون برآمد ہوئی تھی ۔ (زبدۃ التواریخ ، قلمی ، ص ۱۹۷ ، مآثر رحیمی ، ج ۲ ، ص ۳۶۹)

۲ - تاریخ فرشتہ ، ج ۲ ، ص ۵۶۵ ۔

عیسائی پادریوں کی جانبداری

سمتھ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دوجیرک کی شہادت ناقابلِ تردید ہے کیونکہ پادریوں کو اکبر کے خلاف کوئی ذاتی تعصب نہیں تھا - شروع شروع میں ہو سکتا ہے کہ پادریوں کو کسی قسم کا تعصب نہ ہو - جب وہ بادشاہ کو عیسائی بنانے کی خاطر تبلیغی ولولہ لے کر آئے تھے ان کی بڑی خاطر مدارات کی گئی تھی - لیکن ۱۶۰۰ع-۱۶۰۱ع میں یعنی تیسرے تبلیغی وفد کے دوران میں مذہب کے ساتھ سیاسی مقاصد بھی وابستہ ہوگئے تھے- پرتگیزوں کا بادشاہ اکبر اور اس کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا - انھوں نے اپنے بادشاہ کو اطلاع دی تھی :

"Having conquered the kingdom of the Deccan, he would have little difficulty in overcoming Idalcan, after which he would soon have Goa and all other Portuguese possessions in these parts.[1]

پادریوں نے سفر میں کافی تکالیف اٹھائیں اور غیر مذہب والوں سے نامناسب سلوک بھی برداشت کیا لیکن ان کا تبلیغی مقصد یعنی بادشاہ کو عیسائی بنانے کا تمام منصوبہ ناکام ہو چکا تھا - اس لیے اب وہ بیزار تھے - مونسریٹ نے لکھا ہے :

"Giving the pearls of the Gospel to the King, was exposing them to be trampled and trodden under foot.[2]

پادریوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے بادشاہ نے خاندیس کے بادشاہ میرم سے معاہدہ کر رکھا ہے جو اکبر کا مخالف ہے - ان باتوں سے ظاہر ہے کہ اکبر کے خلاف ان کا تعصب موجود تھا - انھوں نے اکبر کو master of cunning and deceipt لکھا -[3]

---

1. J. R. A. S. B , Vol. XV, 1896, p. 109.
2. & 3. The Jesuits and the Great Mughals, p. 41 ; Akbar and the Jesuits p. 113.

یہ بات مسلم ہے کہ معاصر شہادت ہونے کی وجہ سے ان کے بیانات کو آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کے بیانات کو دیگر معاصر ماخذ سے مقابلے کے بعد قبول کرنا چاہیے - کیونکہ وہ لوگوں کی زبان کو نہیں جانتے تھے - یہاں کے رسوم و رواج سے نا آشنا تھے - اس لیے دانستہ یا نادانستہ انھوں نے بعض واقعات کو غلط سمجھا یا غلط معانی پہنائے - مثلاً اسیر گڑھ کے متعلق بیانات میں ہی انھوں نے کئی غلطیاں کی ہیں جن کے متعلق سی - ایچ - پینے نے اشارہ کیا ہے - یہ معلوم ہے کہ پادری شاویر اور پاری گوز (goes) اکبر کے ہمراہ برہان پور گئے تھے لیکن اسیر گڑھ کی مہم کے متعلق ان کی تحریریں موجود نہیں - اس لیے ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ آیا زیرِ بحث اطلاعات ان کی تحریروں پر مبنی ہیں یا دوسرے ذرائع سے فراہم کی گئی ہیں -

دوجیرک نے لکھا ہے کہ قلعہ کی مدافعت کرنے والے افسروں کو رشوت دی گئی تھی - وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ دفاعی استحکام کے نگران سات پرتگیزی افسر ، ایک حبشی اور ایک گورنر کا بیٹا تھا - حبشی نے خودکشی کر لی ، سات پرتگیزی قید ہوئے ، شاویر کی سفارش پر انھیں رہا کر دیا گیا تھا اور شاویر نے انھیں عیسائی بنا لیا تھا - یہ دونوں بیان متضاد ہیں - اگر افسروں کو رشوت دی گئی تھی اور انھوں نے اکبر کی فرمایش کے مطابق کام کیا تھا تو انھیں قید کی بجائے انعام دینا چاہیے تھا -

دوجیرک کو بعض تفاصیل کا صحیح علم نہیں ہو سکا - مثلاً وہ لکھتا ہے کہ قلعہ کے اندر سات شہزادے تھے جو بادشاہ کے جانشین ہو سکتے تھے اور خاندانی رعایت کی بنا پر عزت کی زندگی بسر کر رہے تھے - ابوالفضل نے شاہی خاندان کے ۵۳ افراد کا ذکر کیا ہے جن میں بہادر خان کے بیٹے ، بھائی اور چچے شامل تھے - ان میں سے اکثر کے نام بھی دیے ہیں - بہادر خان کے پانچ بیٹے اور چھ بھائی تھے - قاعدے کی رو سے ان میں سے ہر ایک تخت کا دعویدار ہو سکتا تھا -

سمتھ کا یہ الزام بھی درست نہیں کہ اکبر نے بہادر خان سے شرمناک

عہد شکنی کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ بہادر خان کے نمائندہ مقرب خان نے اکبر کے سامنے درخواست پیش کی کہ خاندان فاروقی کی روایت کے مطابق شاہی خاندان کے وہ افراد جو تخت نشینی کے وارث ہو سکتے تھے ، قلعے میں خلوت کی زندگی بسر کرتے ہیں ، اس لیے ان کو قلعہ اور اسبابِ معیشت مہیا کرنے چاہییں ، چنانچہ یہ درخواست قبول کر لی گئی ۔ اکبر نے ان کی جان و آبرو کی حفاظت کا بھی وعدہ کیا اور وہ اس وعدے کا پابند رہا ۔ اس نے نہ تو کسی کے ساتھ برا سلوک کیا اور نہ کسی کو قتل کیا ۔

فرشتہ کا بیان

معاصر مؤرخ فرشتہ نے بھی تسخیر اسیر گڑھ کا حال لکھا ہے ۔ ٹھوس دلایل کے بغیر ہم اس کے بیان کی تردید نہیں کر سکتے اور نہ اسے نظر انداز کر سکتے ہیں ۔ اس کے بیان سے مزید حقایق پر روشنی پڑتی ہے ۔ ہم اس کے الفاظ یہاں نقل کرتے ہیں :

"از کمال سفاہت و بی تمیزی خارج از حزم ، سپاہی و شاگرد پیشہ و مردم غروری کہ جہت خدمت و محافظت قلعہ بکار آیند ، ہژدہ ہزار کس از رعیت و بقال وغیرہ بقلعہ آوردہ اسپ و فیل و گاؤمیش و بز و گوسفند و مرغ و کبوتر را نیز بالا برد و از زبان آصف خان میرزا جعفر و محمد شریف شنیدم کہ چون بعد از فتح قلعہ شمار مردم کردند ، ہشتاد ہزار کس از مرد و زن از قلعہ بیرون آمد و چہل ہزار کس از عفونت و وبا در ایام قلعہ بندی مردہ بودند و ہم چنین حیوانات ہر جنس را ازین قبیل باید شمرد ۔

بعد از انکہ ایام محاصرہ امتداد یافتہ دہ ماہ گذشت ، ہوای قلعہ از کثرت آدم و حیوانات متعفن شدہ وبا بہم رسید و شروع در مردن حیوانات صامت و ناطق شدہ ہول روز قیامت پدید آمد ۔ اضطرار و اضطراب تمام درمیان اہل قلعہ افتاد ۔ درین اثنا خبر بہ اہل قلعہ رسید کہ اکبر بادشاہ خود نیز بہ نیّت کشاد حصار تسبیح می کنند و بذکر اسامی نیر اعظم کہ موجب فتوحات و نگونساری اعداست ،

مشغول اند ۔ الغرض بہادر خان فاروقی و نزدیکان او از شنیدن این خبر بیدست و پا شدند ۔"[1]

خافی خان نے اسیر گڑھ مغلوب ہونے سے متعلق ایک اور ہی کہانی بتائی ہے ۔ اس نے لکھا ہے کہ بہادر خان اس کے آباء و اجداد کو شیخ برہان الدین پر بڑا اعتقاد تھا ۔ انھی کے نام پر برہان پور کی بنیاد رکھی گئی تھی ۔ شیخ نے ایک پتھر دکھایا تھا اور پیشگوئی کی تھی کہ جب یہ پتھر ہاتھی میں تبدیل ہو جائے گا تو خاندانِ فاروقی کا زوال ہو جائے گا ۔ اکبر نے یہ پیش گوئی سن لی ۔ اس نے بہادر خان کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ آٹھانے کے لیے سنگتراشوں کو بلا کر پتھر کو ہاتھی کی شکل میں تبدیل کرایا ۔ جب یہ خبر بہادر خان کو پہنچی تو وہ پیر کی پیشگوئی سچی ہو جانے پر حوصلہ ہار بیٹھا[2] ۔

تسخیر اسیر گڑھ کا ایک عامل وبا تھا :

فرشتہ کے علاوہ معتمد خان[3] ، فیضی سرہندی[4] اور عبدالباقی نہاوندی[5] نے بھی قلعہ میں وبا پھیلنے کا ذکر کیا ہے ۔ ایک اور قریب العصر شہادت ولیم فنچ کی ہے جو فتح اسیر کے دس سال بعد یکم مارچ ۱۶۱۰ع کو برہان پور سے گزرا ۔ وہ اسیر گڑھ کے متعلق لکھتا ہے :

"It hath had in the days of Badur Shah, late king thereof some six hundred pieces of ordinance. The Akber besieged it long time, circling it on all sides and at last took it by composition : for it is said that there bred worms in all the waters that the people swelled and burst with drinking thereof, which mortalitie cause him to compound and deliver it, being by mere humane force invincible[6]".

---

۱ - تاریخ فرشتہ ، ج ۲ ، ص ۲۹۰ (مطبع نولکشور) ۔

۲ - منتخب اللباب ، ص ۳۱۴-۳۱۵ ۔

۳ - اقبالنامہ ، ص ۴۷۱ ۔

۴ - اکبر نامہ ، ص ۱۰۵ ، (E & D, Vol VI.) ۔

۵ - مآثر رحیمی ، ج ۲ ص ۴۷۱ ۔

6. Early Travels in India, p. 140.

De Laet نے ۱۶۲۷ع میں اسیر گڑھ کے متعلق لکھتے ہوئے ولیم فنچ کے بیان کی تصدیق کی ہے[1]۔ خافی خان نے خوراک میں کیڑے پڑ جانے اور ناقابلِ استعمال ہو جانے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

"در ذخیرۂ غلہ کہ باقی ماندہ بود ، دواب کرم افتاد و تعفن بمرتبہ گرفت کہ خوردن آن بر چارپایان دشوار گردید تا بادمہاچہ رسد[2]۔"

ان تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ قلعہ کے اندر ایک قسم کی بیماری پھیل جانا بھی بہادر خان کے لیے مایوس کن عامل تھا جس نے اسے ہتھیار ڈالنے اور ہار ماننے کے لیے مجبور کیا۔ اگر صرف پادریوں نے اس وبا کا ذکر نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابوالفضل نے غلط بیانی سے کام لیا۔

۳ - پسر شاہ علی کے خلاف مہم :

احمد نگر ۱۰۰۹ع/۱۶۰۰ع میں خانخانان کے ہاتھوں فتح ہوا[3]۔ لیکن وہاں امن و امان نہیں تھا۔ شر پسند عناصر موجود تھے۔ انھوں نے شاہ علی کے بیٹے کو نیا نظام الملک بنا لیا۔ شاہ علی ، مرتضیٰ نظام الملک (۹۷۲ - ۹۹۶ھ) کا چچا تھا۔ پہلے خانخانان پسر شاہ علی کے خلاف مہم کے لیے مقرر کیا گیا اور ابوالفضل کو راجو کی شورش فرو کرنے کے لیے ناسک[4] کی طرف بھیجا گیا[5]۔ ابوالفضل نے ابھی مشکل سے فتح ناسک کے لیے فوج کی تنظیم کی تھی کہ ۱۳ فروری ۱۶۰۱ع کو اسے

---

1. Early Travels in India, p. 140.

۲ - منتخب اللباب ، ص ۳۱۵ ۔
۳ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۷۵ ۔
۴ - ناسک : صوبہ بمبئی کا ایک ضلع - °۱۹ ۳۵ اور °۲۰ ۵۳ شمال اور °۲۳ ۷۳ ۱۵ اور °۴۸ ۷۴ ۵۶ مشرق میں واقع ہے - اس کے چاروں طرف خاندیس ، حیدر آباد ، احمد نگر اور تھانہ کے اضلاع واقع ہیں - یہ آثار قدیمہ کی وجہ سے مشہور ہیں ۔
۵ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۸۴ ۔

حکم نامہ ملا کہ وہ خانخانان کی معیت میں احمد نگر کے معاملات کو سلجھائے ۔ ابوالفضل ، بادشاہ کے اس غیر متوقع حکم سے حیران تھا کہ چند مفاد پرست اشخاص بادشاہ پر اثر انداز ہو رہے ہیں[1] ۔ ابوالفضل کےلیے حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ۔ وہ برن گاؤں[2] کے نزدیک خانخانان سے جا ملا ۔ اتنے میں اچانک خبر آئی کہ ونکو زمیندار پانچ ہزار سوار اور بارہ ہزار سپاہی جمع کر کے احمد نگر کو فتح کرنا چاہتا ہے ۔ خانخانان خود تو اس کی طرف متوجہ ہوا اور ابوالفضل کو پسر شاہ علی سے نپٹنے کے لیے کہا[3] ۔ سات مارچ کو ابوالفضل دریائے گوداوری کے ساحل پر پہنچا اور ۹ مارچ کو اس نے کانہ[4] کا مضبوط قلعہ فتح کر لیا ۔

اکبر ابھی برہان پور میں تھا کہ پسر شاہ علی نے اطاعت پذیری کا پیغام بھیجا ۔ وہ امراء جو دارالسلطنت واپس جانا چاہتے تھے ، انھوں نے یہ اطاعت نامہ قبول کر لینے کے لیے بادشاہ پر زور ڈالا اور ہربنس کے ذریعے بادشاہ کا نامۂ امنیت ارسال کر دیا[5] ۔ وہ ابوالفضل کو دریائے گوداوری کے کنارے ملا اور اسے آگے بڑھنے سے منع کیا ۔ جونھی شاہی افواج کے واپس ہونے کی خبریں پھیلیں پسر شاہ علی دوبارہ حرکت میں آ گیا ۔ تلنگانہ[6] میں غنیم فوج نے مغل فوج پر حملہ کر کے علی مردان خاں اور مرزا یوسف کے بیٹے کو قید کر لیا ۔ یہ خبر سنتے ہی ابوالفضل نے اپنے

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ص ۷۸۵ ۔

۲ ۔ برن گاؤں یاورن گاؤں ۔ مشرق خاندیس کے تعلقہ بساول میں ایک قصبہ ۲۱ ۔ ۱۰° شمال اور ۷۶° مشرق میں واقع ہے ۔

۳ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۸۸ ۔

۴ ۔ کانہ یا گنہ : ضلع ناسک میں مالی گاؤں کے تعلقہ کا مضبوط قلعہ ۲۰° ، ۳۶ شمال اور ۷۴ ، ۳۲ مشرق میں واقع ہے ۔

۵ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۹۲ ۔

۶ ۔ تلنگانہ : ریاست حیدر آباد میں ایک علاقہ ۔ نندیر اس کا مرکز حکومت تھا جو دریائے گوداوری کے شمالی ساحل پر واقع تھا ۔ یہ تالابوں کا علاقہ شمار ہوتا ہے ۔ گرمیوں میں دریا خشک ہو جاتے ہیں تو پانی تالابوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے ۔

بیٹے عبدالرحمٰن کو بارہ سو سواروں کی کمان دے کر روانہ کیا۔ بہادر الملک ، رستم عرب اور شمشیر عرب جیسے آزمودہ کار افسروں کو اس مہم کے لیے نامزد کیا۔ شیر خواجہ کو بھی اس مہم میں شریک ہونے کے لیے خط لکھا۔ شاہی افواج نے پسر شاہ علی کی فوج کو زبردست شکست دی۔ اس نے پھر معافی مانگی اور امن قائم رکھنے پر رضامند ہوا۔ مرزا یوسف کے بیٹے کو واپس بھیج دیا۔ خانخاناں چونکہ یہاں کی مہمات کا نگران تھا اس لیے وہ پسر شاہ علی کو اس شرط پر اڑیسہ دھرور[1] اور بیر کا ایک حصہ دینے پر رضامند ہوگیا کہ وہ اطاعت قبول کر کے امن و امان سے رہے اور علی مردان خان کو رہا کر دے[2]۔ ابوالفضل اس عہد نامہ پر راضی نہ تھا ، اس معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے معتمد خان لکھتا ہے :

"ازاں سانحہ ہژدہ سالِ گذشتہ حقیقت سخن شیخ ظاہر می شود[3]"

۴ - راجو کے خلاف مہم

راجو ، سعادت خان کا غلام اور حاجب تھا۔ سعادت خان برہان الملک کا رکن دربار اور ناسک کا حکمران تھا۔ اگرچہ مغل فوج نے ناسک کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ راجو نے اپنے مالک کے خلاف بغاوت کر کے ہاتھیوں اور دوسرے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس نے گرد و نواح کے علاقوں پر تصرف کر کے مال و دولت میں اضافہ کر لیا۔ شاہزادہ دانیال نے خواجہ فتح اللہ اور سعادت خان کو ناسک کی حفاظت کے لیے مامور کیا۔ لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ بابل[4] میں مقابلہ ہوا لیکن وہ اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور قلعہ سون گڑھ[5] میں واپس آ گئے۔ اس نے قلعہ کا محاصرہ

---

۱ - دھرور : بمبئی میں جنوبی مرہٹہ ریلوے پر واقع ہے۔ °۱۵ء ۲۷ شمال اور °۱۷۵ مشرق میں۔

۲ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۹۳۔

۳ - اقبالنامہ ، ص ۴۷۹۔

۴ - بابل : یا بُھلنا ۔ ضلع ناسک میں درہ۔

۵ - سون گڑھ : اورنگ آباد میں پربھنی ضلع کا ایک قلعہ۔

گر کے پتھری[۱] کے مقام پر سعادت خان کا مال و اسباب لوٹ لیا اور پھر قلعہ پر حملہ کرنے کے لیے واپس ہوا[۲] - اتنے میں عظمت خان ، عنایت اللہ اور ابوالفضل کے پہنچنے کی خبر پھیلی - وہ محاصرہ چھوڑ کر دولت آباد کی طرف چل دیا - راستے میں اس نے یعقوب بیگ شغالی اور سعید بیگ بدخشی کو دو ہزار ہن[۳] رشوت دے کر کلنہ پر قبضہ کر لیا -[۴]

اگرچہ راجو کے خلاف فوج کشی ابوالفضل کے فرایض میں شامل نہیں تھی لیکن اس نے مملکت کے ساتھ اپنی وفاداری کے پیش نظر اس کو سزا دینے کا ارادہ کر لیا - وہ بیس اگست ۱۶۰۱ع کو دریائے گوداوری کے قریب حسن آباد سے روانہ ہوا - اس نے پسر علی کے ناگہانی حملے کی خاطر حفظ ماتقدم کے طور پر میر مرتضیٰ ، وفادار اور دوسرے بہادر اشخاص کو وہاں چھوڑا - ابوالفضل کے آنے کی اطلاع پا کر راجو مقابلہ کیے بغیر جلنا پور چھوڑ کر چلا گیا - ابوالفضل نے شہر اور اس کے مضافات کو آباد کیا -[۵]

ابوالفضل نے اپنے اہل و عیال کو رامپوری[۶] میں چھوڑا اور خود دولت آباد کی طرف چل دیا - راجو پہاڑیوں میں پیچھے ہٹ گیا - وہ میدان میں سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا - ابوالفضل نے چتواڑہ میں خیمے نصب کیے - راجو شام کو پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سامنے آیا لیکن منہ کی کھا کر لوٹ گیا - صبح پھر حملہ آور ہوا - ہراول کے عادل خان ، اعتبار خان اور رائے گوپال نے سختی سے اس کا مقابلہ کیا لیکن وہ گرتا پڑتا دولت آباد

---

۱ - پتھری : پربھنی ضلع کا ایک تعلقہ - °۱۹ ۱۵' شمال اور °۷۶ ۲۷' مشرق میں واقع ہے -

۲ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۹۸ -

۳ - ہُن : دکن میں رائج سونے کا سکہ - (آئین اکبری ، ج ۲ ، ص ۱۴) -

۴ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۹۹ -

۵ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۹۴ -

۶ - رامپوری : احمد نگر ضلع کا مرکزی تعلقہ - °۱۹ ۱۶' شمال اور °۷۴ ۲۳' مشرق کے درمیان واقع ہے -

کی طرف بھاگ گیا۔ قلعہ نشین فوج اس کی مدد کے لیے آئی لیکن اسے پسپا ہونا پڑا۔ ۲۸ اگست ۱۶۰۱ع کی صبح کو پھر بڑی فوج لے کر حملہ آور ہوا لیکن سخت شکست کے بعد بھاگ گیا[1]۔

۲۹ ستمبر ۱۶۰۱ع کو راجو نے اپنی فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے آگے بڑھایا لیکن وہ آہستہ آہستہ دولت آباد کی طرف واپس چلی گئی۔ ابوالفضل کے دستوں نے دولت آباد کے اندر تک اس کا پیچھا کیا۔ راجو نے گرفتاری سے بچنے کے لیے خندق میں چھلانگ لگا دی۔ پانچ سو گھوڑے اور بہت سا مال و اسباب مغل فوج کے ہاتھ لگا۔ ابوالفضل کے حکم سے دس من کا گولہ پھینکا گیا جس کے دھماکے سے قلعہ کی دیوار کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ محصورین تلملا اٹھے۔ راجو کے خلاف مہم آخری مرحلے میں پہنچ چکی تھی لیکن افسروں کی باہمی ناچاقی کی وجہ سے یہ مہم ابوالفضل کی خواہش کے مطابق آگے نہ بڑھ سکی۔ ابوالفضل نے لکھا ہے:

"اگر کارسازان ملک لختی بیاوری دل برنہادی آن عادین فتنہ برکندہ آمدی۔"[2]

۱۶۰۲ع کے آغاز میں ابوالفضل شاہزادہ دانیال کو برہان پور ملنے گیا اور افسروں کی روش کے خلاف شکایت کی۔ اور دربار میں واپسی کے لیے درخواست کی۔ شاہزادے نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ اس کی قیامگاہ میں گیا اور آئندہ کے لیے دکن کو مختلف تنظیمی حلقوں میں تقسیم کیا[3]۔ برار، پتھری اور تلنگانہ کا انتظام۔ پسر شاہ علی اور عنبر کو مغلوب کرنے کا کام خانخانان کے سپرد ہوا۔ احمد نگر کے مسائل کا حل۔ راجو اور دوسرے شورش پسندوں کو مغلوب کرنے کی ذمہ داری ابوالفضل کو سونپی گئی۔

۱۔ اکبر نامہ، ج ۳، ص ۷۹۶۔
۲۔ اکبر نامہ، ج ۳، ص ۷۹۷۔
۳۔ ایضاً، ص ۸۰۲۔

باب ہشتم

ابوالفضل کا قتل

ابوالفضل کی دکن سے واپسی :

ابوالفضل ادھر دکن کی مہمات میں مصروف تھا ۔ اکبر اس سلسلے میں برہانپور میں تھا ۔ شہزادہ سلیم رانا اودھے پور کی بغاوت فرو کرنے کے لیے اجمیر میں مشغول نشاط تھا ۔ اس کے بد نیت ساتھیوں نے یا اس نے خود تخت الٹنے کا منصوبہ بنایا ۔ اچانک بنگال میں افغانوں کی شورش کی خبر آئی ۔ راجہ مان سنگھ نے جو رانا کی مہم میں اس کے ساتھ تھا ، اسے فوراً بنگال جانے کا مشورہ دیا لیکن سلیم کے دماغ میں کوئی اور منصوبہ تھا ۔ وہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ اکبر کی غیر موجودگی میں قلعے کے خزانے پر قبضہ کر لے ۔ اکبر کی والدہ مریم مکانی اس کی ملاقات کے لیے باہر آئیں لیکن وہ ان کو ملے بغیر الہ آباد چلا گیا ۔ اس نے لوگوں کی جاگیریں ضبط کر لیں اور تیس لاکھ روپے کا بھاری خزانہ قبضے میں کر لیا اور بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا[1] ۔

اکبر کو جب معلوم ہوا کہ سلیم رانا کی مہم کو چھوڑ کر چلا گیا ہے اور بنگال میں افغانوں کی شورش کی خبریں آ رہی ہیں تو وہ مئی ۱۶۰۱ع میں آگرہ پہنچا اور شاہزادے کی مشکوک حرکات کے متعلق اسے خط لکھا ۔ اس نے جواب میں اپنے آپ کو بے قصور ظاہر کیا اور دربار میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی ۔ جب وہ آنے لگا تو اپنے ساتھ بڑی فوج لایا ۔ اکبر نے اسے لکھا کہ وہ اپنے ساتھ خدم و حشم کا ایک دستہ لائے ۔ اگر اس کے دل میں کسی قسم کے خدشات ہیں تو واپس جائے اور آرام

---

1. History of Jahangir, pp. 37-42.

کرے تاکہ اس کے دل سے خوف و خطر کا بوجھ ہلکا ہو جائے ۔ اکبر اس کے خطرناک رجحانات سے مضطرب تھا اور اس کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے مشورہ کرنا چاہتا تھا ۔ اس کا معتمد مشیر یعنی ابوالفضل باہر تھا ۔ اس نے ابوالفضل کو لکھا کہ وہ اپنی فوج کی کمان اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے سپرد کر کے فوراً چلا آئے ۔

جب سلیم کو ابوالفضل کے بلائے جانے کے متعلق معلوم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوا ۔ وہ ابوالفضل کو اپنا دشمن سمجھتا تھا ۔ ابوالفضل کے آ جانے سے اسے اپنی جان خطرے میں دکھائی دی کیونکہ مدت سے اس کے اور ابوالفضل کے روابط خوشگوار نہیں تھے ۔

ابوالفضل اور سلیم کے تعلقات

ابوالفضل اور سلیم کے تعلقات کا اندازہ ''اکبر نامہ'' کے توسط سے لگایا جا سکتا ہے ۔ ۱۰۰۵ع/۱۵۹۶ع تک ابوالفضل اس کو گوہر اکلیل سعادت ، درۃالتاج السلطنت جیسے القاب سے یاد کرتا ہے ۔ اسی سال اس نے لکھا کہ شاہزادے نے 'ناہنجاری' کی اور شہنشاہ نے اسے معاف کر دیا ۔ اس تاریخ کے بعد ابوالفضل سلیم کو صرف بزرگ شاہزادہ کے لقب سے یاد کرتا ہے ۔ سلیم کی کثرتِ شراب نوشی اور تند مزاجی ابوالفضل کے لیے قابلِ اعتراض اور قابلِ نفرت تھی ، اسی لیے وہ شاہزادے کا احترام نہیں کرتا تھا ۔

۱۵۹۷ع میں ایک حادثہ پیش آیا ۔ ابوالفضل اپنی سرکاری مصروفیات کی وجہ سے شاہزادۂ بزرگ کے متعلق خصوصی توجہ نہ دے سکا ۔ سلیم کو اس کی یہ روش سخت ناگوار گذری ۔ حاسدوں نے بادشاہ کے سامنے بڑھا چڑھا کر شکایت کی ۔ بادشاہ نے بھی ان کی بات سنی اور ابوالفضل سے بے رخی اختیار کر لی ۔ ابوالفضل لکھتا ہے :

''فرومایگان ناتوان بین را دست آویز فراچنگ آمد و خشمگینی آن گرم خو را افروزینہ گشتند و در دل آزار می انجمنہا فراہم آمد . . .

از سپہر نیرنگی شاہنشاہ آگاہ دل لختی بشنود - ازین آگہی مرا دل آشفت - دست از ہمہ باز گرفتہ پا بدامن در کشید و در بروی آشنا و بیگانہ فروبست -"[۱]

سلیم بادشاہ پر ابوالفضل کا اثر و رسوخ کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور اس نے دل میں اس کے خلاف عناد رکھنا شروع کیا - اس نے ایک اور موقع پر ابوالفضل کو زک پہنچانے کی کوشش کی - معتمد خان ۱۵۹۸ع کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ابوالفضل کے والد شیخ مبارک نے قرآنِ مجید کی تفسیر لکھی - وہ نہ بادشاہ سے منسوب کی اور نہ دیباچے میں اس کا نام لیا - ابوالفضل نے اس کی نقلیں ایران ، توران ، عرب ، ترکی اور شام کو بھجوائیں اور بادشاہ سے اجازت تک نہ لی - معتمد خان کا بیان ہے :

"درین وقت فرصت یافتہ مقدمات نا ملائم از طرز سلوک و معاش او بعرض رسانیدند و بدلایل و براہین خاطر نشان نمودند کہ آنچہ درین مدت از اخلاص و یکرنگی خود لاف می زد از فروغ صدق بہرہ نداشت و زبانش با دل آشنا نبود و سخن شاہزادہ در شکست کار او از اسباب قوی شد -"[۲]

۱۶۰۲ع میں ابوالفضل کو پنج ہزاری منصب اور پچاس ہزار روپے کا تحفہ ملا - ممکن ہے بادشاہ کی اس خسروانہ عنایت و نوازش نے ابوالفضل کے خلاف سلیم کی نفرت کو اور بھی شدید کر دیا ہو -

قتل کی سازش

اس موجودہ سرکشی کے دوران میں سلیم کو قوی یقین تھا کہ ابوالفضل کے آ جانے سے وہ اکبر کی پدارنہ شفقت سے محروم ہو کر تخت سے ہی نہ محروم ہو جائے - ابوالفضل کو راستے سے ہٹانے کے لیے اس کے قتل

---

۱ - اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۴۰ -

۲ - اقبالنامہ ، ص ۴۵۷-۴۵۸ -

کی سازش کی - کیشو داس نے ۱۶۰۷ء میں ہندی نظم میں بیر سنگھ دیو کی منظم سرگذشتِ حیات قلم بند کی - اس کا بیان ہے کہ بیرسنگھ اپنی خاندانی رقابتوں اور اکبر کے خلاف رجحانات کی وجہ سے سلیم کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتا تھا ، چنانچہ وہ الہ آباد میں اس کے پاس گیا - شہزادے نے اس سے درخواست کی کہ وہ ابوالفضل کو راستے میں ہی قتل کر دے - پہلے تو اس نے انکار کیا لیکن بعد میں اسے مجبور کر دیا گیا - اس نے بیر سنگھ سے کہا :

"So long the Shaikh is Living, I am a dead man."

اس نے بیر سنگھ کو اپنا دوست کہا - اپنی تلوار اس کی کمر میں باندھی اور اسے رخصت کیا -[1]

اس کا قتل

بیر سنگھ جلد اپنے علاقے میں پہنچ گیا - جونہی نرور[2] میں ابوالفضل کے پہنچنے کی خبر ملی ، وہ دریا عبور کر کے شیخ کے انتظار میں بیٹھ گیا - سروج[3] کے مقام پر ابوالفضل کو مشورہ دیا گیا کہ وہ تھکے ہوئے سپاہیوں کی بجائے تازہ دم سپاہی اپنے ہمراہ لے لے ، جو گوپال داس نے بھرتی کیے ہیں - اس نے اپنے وفادار ساتھی اسد بیگ کو اپنے سے علیحدہ کر دیا جس نے نمناک آنکھوں سے گوالیار تک جانے کی درخواست کی - سرای بر کے مقام پر ایک پٹھان نے مشورہ دیا :

"This is not the occasion for putting up a fight· Don't fall into the net of the enemy, remember Prince Salim is your enemy.

شیخ نے جواب دیا :

"How can I run away.

A warriror must die when he is molested. Bir Singh has taken away my horsetail banner. It will be shame to run away.

1. Culcutta Review, May & June, 1934.

۲ - نرور : گوالیار کا ایک قصبہ - گوالیار کے جنوب میں ۴۴ میل دور -

۳ - سروج : ریاست ٹونک کا ایک پرگنہ -

پٹھان نے کہا :

"It is also the duty of warrior to kill the enemy before dying. If you have lost the banner, if you escope unhurt, many such banners will be made for you."

شیخ ناراض ہوا اور اُس نے کہا :

"I have conquered the Deccan,
Defeated the King of the Country,
When Prince Murad went to Heaven,
I took responisbility of the administration on my shoulders,
The emperor has full confidence in me.
How can I run away home.
If I follow your advice after losing the banner,
What explanation shall I give to the emperor ?
If my kettledrums are taken from me, what shall
I beat when I shall reach home ;
In my house, people fall at my feet,
How will the Hindu fight against me ?"

پٹھان نے کہا :

"Don't be rash, consider the business of the sovereign.
If you wish to die at all,
Die when the emperor Akbar sees you,
Go straight to your lord and master and drown Prince Saleem in the ocean of sorrow."

شیخ اس جواب سے مطمئن نہیں تھا ۔ اُس نے کہا :

"You say, run away,
The enemy is thundering on all sides.
If I am killed running away,
What will the people say of me ?

Both in fleeing and fighting, death is certain,

I shall run away if I can,

But the burden of the emperor's love is on my head."

اس کے بعد شیخ کے قتل کی تفصیل اسد بیگ کے چشم دید بیان سے ظاہر ہے۔ اس نے لکھا ہے:

"It was Friday Morning, 7th Rabi-ul-awal, 1011, A. H. (15th August, 1602), Abul Fazal rose up, performed his ablutions, clothed himself in the white garments, usually worn on Fridays and put on gold embroidered robes of victory. He dismissed all who had attended him from the neighbouring province. These were about 300 men who could have been of great service, had he retained them. Hardly had the party gone a little far when the advance guard of Budelas made an attack. Mirza Mohsin, after reconnoitring the situation from an eminence, informed him about the strong armed forces of the Bundalas. He advised him to hurry along. Abul Fazal retorted, "you mean, we're to fly." The Mirza said, "It is not flying, let us go thus." He spurred his horse and said, "let us go in this way as I am going, do you go, as far as Gwaliar?" But Abul Fazal was deaf to all advice. Some one said, "Go and take shelter with Rai Singh and Raja Rayan who are staying at a distance of four miles, with 2000 men strong". But he shelved off the proposal with disdain. In the meanwhile, the 500 Bundelas, clad in mail, had engaged the small member of Abul Fazal's retinue. A soldier caught the elephant which carried the standard and the drums. Gadai Khan, the tried servant of Abul Fazal, seized the bridle of his horse and exclaimed, "You be gone." The brave companions fought and fell. A Rajput came up and struck the Shaikh with a spear piercing his back to the breast. There was a small stream nearby, the Shaikh tried to leap over it but fell in the attempt. Jabbar Khana Khail, who was close behind, slew the Rajput and then dismounting, drew the Shaikh from underneath the horse and carried him a little off the road."

"After a little while, Bir Singh came up, dismounted, took up the Shaikh's head upon his knees and began to wipe his mouth with his garment. Abul Fazal opened his eyes. Bir Singh soluted him and said, 'The all conquering lord has sent for you.' The Shaikh looked bitterly at him. Bir Singh swore that he would carry him in safety The Shaikh began to abuse him angrily. Bir Singh's attendants told him that he would not survive his mortal wound. On listening to this, Jabbar drew his sword and killed many and was nearing Bir Singh when he was slayed and trampelled unto death. Bir Singh rose up: one of his attendants cut off the Shaikh's head and started off, meddling with no one else[1]."

کیشوا داس لکھتا ہے :

"When the head of Abul Fazal was placed before the Prince, he was enraptured and said, "Bir Singh, you have given empire to me, you have established my authority as firmly as possible and I have become your bond slave for life. You have given kingdom to me, I shall give a kingdom to you. A gold plate with pearls and other materials for annointing a king (Tilak) was at once sent for and Bir Singh was declared Raja of Bundel Khand. A spear studded with precious stones, a Royal umbrella, and a pair of bangles were presented to him.[2]

جب ابوالفضل کے قتل کی خبر اکبر کو پہنچی تو وہ نہایت مغموم اور محزون ہوا اور اس نے کہا :

"I am dying, show me the Shaikh. Life has been hereft of its pleasures "That day and night, he neither shaved as usual nor took opium but spent time in weaping and lamenting.

کیشو داس کے مطابق جب بادشاہ کے حرم میں قتل کی خبر پہنچی تو ہندو بیگمات بہت خوش ہوئیں اور راجکماریوں نے گانا بجانا کیا ۔[3]

1. Asad Beg's Memoirs (E & D Vol., pp. 156-160).
2 & 3. Calcutta Review, June, 1924.

اسد بیگ نے لکھا ہے کہ ابوالفضل سرائے برار کے مقام پر قتل ہوا - یہ وہی بر کی سرائے یا سرائے بر ہے جس کا تیورنیر نے اپنے سفر میں نرور سے دھولپور کے درمیان ذکر کیا ہے - اس نے بتایا ہے کہ یہ انتری کے جنوب میں تین کوس ، نرور کے شمال میں نو کوس اور گوالیار کے جنوب میں نو کوس کے فاصلے پر واقع ہے[1] - Tieffenthaler کا بیان ہے کہ ابوالفضل دریائے سیندھ کے گھاٹ کے نزدیک دھمگاٹ کے قریب رہالا کے مغرب میں دو کوس کے فاصلے پر قتل کیا گیا - یہ مقام بر کی سرائے سے تقریباً مطابقت رکھتا ہے[2] - (۲۵° ۵۸ء۲۵ شمال - ۷۸° ۱۰ء۲۸ مشرق)

سر کے بغیر ابوالفضل کی نعش انتری[3] میں لے جا کر احترام سے دفن کر دی گئی - اس کی قبر ابھی تک وہاں ہے -

اسد بیگ نے قتل کی تاریخ سات ربیع الاول ۱۰۱۱ھ/۱۵ اگست ۱۶۰۲ع بتائی ہے اور جمعہ کا دن لکھا ہے لیکن حساب کے مطابق سات ربیع الاول کو اتوار پڑتی ہے - چونکہ اسد بیگ کو جمعہ کا دن یقینی طور پر یاد ہے کیونکہ اس نے ابوالفضل کے متعلق اس دن کا خاص سفید لباس پہننے کا ذکر کیا ہے ، اس لیے ہو سکتا ہے کہ اسے تاریخ غلط یاد رہ گئی ہو - جمعہ کے حساب سے پانچ ربیع الاول کی تاریخ ہونی چاہیے - معتمد خان نے قتل کی تاریخ یکم شہریور ۴۷ سال جلوس اکبر بتائی ہے - وی - ایس باندرے مؤلف تاریخ الٰہی کے حساب سے یہ تاریخ ۱۴ - اگست ۱۶۰۲ع بنتی ہے اور دن ہفتے کا آتا ہے -

---

1. Travels, translated by V. Ball, Vol. I, p. 62,
2. Studies in Indian Muslim History, p. 591.

۳ - انتری : ریاست اندور کا پرگنہ - مالوا ایجنسی کے مغرب میں (وسطی ہندوستان) -

اعظم خان نے تاریخ وفات کہی :

یفعل اللہ مایشاء و یحکم اللہ مایرید ۔ تیغ نبی اللہ سرباغی برید

عنایت اللہ نے تاریخیں نکالیں :

ابوالفضل آگاہ دل ، وزیر شاھنشاہ حق جوی ۔

عبدالقادر بدایونی "نے بندۂ ابوالفضل تاریخ بتائی ہے ۔"

———— : o :————

باب نہم

ابوالفضل کا کردار

انسان دوست :

ابوالفضل طبعاً انسان دوست تھا ۔ وہ فقیروں ، درویشوں ، مفلسوں اور خاص طور پر علماء کا قدردان اور ہمدرد تھا لیکن عبدالقادر بدایونی نے اس پر الزام لگایا ہے :

"او موجب تخریب جمیع عباد اللہ از مشائخ و علماء و عوام صلحا و ضعفاء و ایتام و بریدن مدد معاش و وظایف ایشان گشت[1] ۔"

لیکن ساتھ ہی دوسرے متضاد بیان سے اپنے الزام کی گویا خود تردید کی ہے ۔ اس نے بتایا ہے کہ ابولفضل نے نہیں بلکہ بادشاہ نے خود مشائخ و علماء کے وظایف بند کیے ۔ وہ لکھتا ہے کہ بادشاہ :

"علماء و مشائخ مقتدای اطراف را فرامین فرستادہ بدرگاہ می طلبسیدند و مدد معاش و اوقاف را خود تحقیق می نمودند و ہمہ را موافق تورہ تسلیم و تعظیم فرمودہ صحبت در خلوت و جلوت داشتند ۔ بمقتضای رای خویش قدری زمین مقرر میداشتند و ہر کسی را کہ میدالستند کہ مرید میگیرد یا مجلس سماع یا نوع قلابی دارد ، آنرا دکان نامیدہ یا در قلاع میکشیدند یا اخراج بہ بنگالہ می نمودند[2]"

اتنا لکھنے کے بعد خود ہی تبصرہ کیا ہے کہ یہ علماء اس سزا کے مستحق تھے ۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ص ۲۰۰ ۔
۲ ۔ ایضاً ، ص ۲۳۰ ۔

"از اکثری قابل ہمین بودند کہ بر افتند ۔"

ابوالفضل کے دل میں عالم اور درویش کا بڑا احترام تھا ۔ وہ ان کی خدمت کرنے کا آرزومند تھا ۔ میر معصوم[1] کے نام اپنے خط میں وہ اس خواہش کا اظہار کرتا ہے :

"خدمات دنیوی و مہات آخروی بی تواسان و شب زندہ داران و گوشہ عزلت گزینان شہرستان طریقت و کمر بستگان راہ حقیقت و دینداران کوی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم ہمگی نیت حق طویت این راسخ دم ثابت قدم اینست کہ کار بینوا بوسیلہٴ من مستمند ساختہ شود[2] ۔"

جب ابوالفضل کو سیورغال کی تقسیم پر متعین کیا گیا تو اس نے صحیح معنوں میں ان کی فلاح و بہبود کے لیے عمدہ خدمات انجام دیں ۔

معلم اخلاق :

ابوالفضل بلند اخلاق اور اعلی نظریات کا مبلغ اور عامل تھا ۔ مکاتبات علامی جلد اول میں سرکاری ملازمین کے نام ضابطہٴ اخلاق اور جلد دوم میں خانخانان اور میر شریف سرمدی[3] کے نام خطوط میں تدبیرِ منزل اور سیاست مدن کے متعلق قواعد و ضوابط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انسانی دل و دماغ کا گہرا مطالعہ کیا تھا ۔ مالوا کی طرف روانگی

---

۱ ۔ میر معصوم بھکری سندھی : شاعر و مؤرخ نامی تخلص ۔ خمسہ نظامی کا جواب لکھا ۔ تاریخ سندھ قلمبند کی ۔ ۱۵۹۵ع میں دو سو پچاس کے منصب پر دربار کا ملازم ہوا ۔ ۱۶۰۳ع میں شاہ عباس کے دربار میں سفیر بن کر گیا ۔ ۱۶۰۶ع میں فوت ہوا ۔

۲ ۔ رقعات ابوالفضل ، ص ۱۶۷-۱۶۸ ۔

۳ ۔ میر شریف سرمدی : اکبر کے شعرا میں مذکور ہے پہلے فیضی تخلص تھا ۔ بعد میں ملک الشعرا فیضی کے پیش نظر تخلص تبدیل کر لیا ۔ اس کا منصب ۲۰۰ تھا ۔ ۱۰۰۱ھ میں وہ بنگال اور اڑیسہ میں شریف آملی کے ساتھ خدمت بجا لایا ۔ اڑیسہ میں فوت ہوا ۔

کے موقع پر شاہزادہ مراد کو اور الہ آباد میں شاہزادہ دانیال کے تعین پر اس نے نہایت موزوں نصیحتیں کیں اور مشورے دیے ہیں[1] ۔ ان تحریروں سے اس کا اجتماعی شعور ظاہر ہوتا ہے جو ایک لایق وزیر کے شایانِ شان ہے ۔ وہ اخلاق کی تہذیب و اصلاح کے لیے ذاتی محاسبے کا مشورہ دیتا ہے ، وہ کہتا ہے :

"اگر ہر روز نباشد در ہفتہ و اگر در ہفتہ نباشد در ماہی و اگر در ماہی نباشد در سال مطالعہ عمر گرامی گذشتہ را ـــــ از عنفوان شعور و تمیز تا حال نمایند و بی تصدیع ممیزی و آزار استادی بی حجابانہ در خلوتخانۂ دل ملاحظہ فرمایند کہ در سنین و شہور چہ قدر موافق و چہ قدر مخالف را مصدر شدہ اند ۔ اگوچہ تدارک و تلافی ماضی از قسم مستبعد بل از جنس محال است اما اینقدر میشود کہ شاید از خوابِ غفلت بیدار شدہ زمان استقبال را در ضلال نگذارند[2] ۔"

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں :

"ہر ہفتہ اقل مرتبہ محاسب احوال خود باش[3] ۔"

ابوالفضل نے اخلاق بنانے اور سنوارنے کا ایک اور مجرب و کارگر نسخہ "تخلقوا باخلاق اللہ" بتایا ہے[4] ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے معاملات میں ایسی روش اختیار کرو جیسا کہ خداوند تعالیٰ ایسے حالات میں اختیار کرے گا ۔ یہ نہایت مفید مشورہ ہے ۔ اس پر عمل کرنے سے آہستہ آہستہ انسان خدا کی صفات کا حامل ہوتا چلا جاتا ہے ۔ ابوالفضل عمومی انسانی اخلاق کے متعلق لکھتا ہے :

"با طبقات انام صلحِ کل درمیان آر ۔ سینۂ خود را زندان کینہ مکن ۔

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۵۹۸-۵۹۹ ، ۳۰۹ ۔

۲ ۔ ایضاً ، ص ۸۲۲-۸۲۳ ۔

۳ ۔ مکاتبات علامی ، ص ۹۸-۹۹ ۔

۴ ۔ مکاتبات ، ص ۱۰۳ ۔

خوش آمد از اندازہ بیرون مکوی و با ہر کہ گوئی البتہ راستی تلخ وشی نیز بگوی کہ کفارت آن شود - از صحبت خوشامدگویان پرہیز نمای - خوشخوی و کشادہ پیشانی باش[1] -"

وہ خود محض فلسفی نہیں تھا بلکہ جو کہتا تھا اس پر عمل بھی کرتا تھا - اگر وہ دوسروں سے یہ کہتا تھا کہ زبان کو ہرزہ و دشنام سے آلودہ نہ کرو تو وہ خود بھی اس پر عمل کرتا تھا - اس کی مثال خانخانان کے نام ایک خط سے ملتی ہے ، وہ لکھتا ہے :

"میخواہم بجوشم و ہزار دشنام دہم و دل خود را خالی کنم اما زبان جوہریست شریف ، ہزار حیف کہ بدشنام آلودہ گردد[2] -"

ہمیں معلوم ہے کہ اپنے اعزا و خدام کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے اور مخلصانہ تھے - اس نے اپنے نوکروں کو بھی کبھی گالی نہیں دی اور نہ ہی کبھی ان کی غیر حاضری کی جواب طلبی کی - جو ملازم اس نے خود رکھا ہوتا ، اسے کبھی معزول نہ کرتا کیونکہ وہ کہتا :

"مردم حمل بر خفت عقل من خواہند کرد کہ ندانستہ چرا بتربیت او متوجہ شد[3] -"

وہ متین اور محتاط تھا - کبھی ہرزہ سرائی نہ کرتا - اس کا عقیدہ تھا - مذاق کرنا یا تمسخر اڑانا ایک اچھے انسان کا بڑا عیب ہے -

در گذر اور معاف کر دینے والا :

ابوالفضل نے نرم طبیعت پائی تھی - وہ اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر دیتا تھا - اس نے شیخ عبدالنبی صدرالصدور اور مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کو معاف کر دیا - حالانکہ انہوں نے اس کے خاندان کو

---

۱ - مکاتبات ، ص ۲۰۹ -

۲ - ایضاً ، ص ۱۱۴ -

۳ - مآثر الامرا ، ج ۲ ، ص ۶۲۰ -

تباہ کرنے اور جان لینے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ 'آئین اکبری' جلد سوم کے آخر میں وہ اپنی خود نوشت سرگذشتِ حیات میں لکھتا ہے کہ "میں نے قسم کھائی کہ میں ان تمام زیادتیوں کو بھول جاؤں گا۔" وہ آسانی سے انتقام لے سکتا تھا لیکن اس نے آخر دم تک اپنی قسم کی پاسداری کی۔ معتمد خان نے ابوالفضل پر عبدالنبی کے قتل کا الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"چون او را با شیخ عبدالنبی عداوتِ قدیم بود و بعالم مزاج دانی دریافت کہ قتلِ او باز پرس ندارد، پنہانی خفہ کرد و چنان وا نمود کہ باجل طبیعی در گذشت[1]۔"

عبدالقادر بدایونی نے بھی عبدالنبی کے گلا گھونٹنے کی بات کی ہے لیکن اس نے یہ جرم ابوالفضل سے منسوب نہیں کیا۔ بدایونی بھی معتمد خان کی طرح ابوالفضل کا مخالف تھا۔ دربار کا ملازم ہوتے ہوئے وہ نزدیک سے حالات و واقعات کا مشاہدہ کرتا تھا لیکن اس نے اس سلسلے میں ابوالفضل کا ذکر نہیں کیا، وہ عبدالنبی کے متعلق لکھتا ہے:

"عبدالنبی در فتح پور رسید و سخن چند درشت گفت و مشتی مضبوط بنفس خود بر روی او زدند۔ گفت: "بکارد چرا نمی زنی؟ و برای حساب و کتاب ہفتاد ہزار روپیہ کہ در وقتِ رخصت مکہ معظمہ باو دادہ بودند، حوالہ راجہ تودرمل نمودند و مدتی چون کروریان[2] در کچہری دفتر خانہ محبوس ساختند و شبی جاعہ او را خفہ کردند و بحق و اصل شد[3]۔"

ابوالفضل کے ایک اور معتمد اور مستند معاصر شیخ عبدالحق دہلوی

---

۱ - اقبالنامہ، ص ۳۵۷-۳۵۸ -
۲ - کروڑی: مالیہ کا ایک افسر جو تقریباً ایک کروڑ ٹنکہ سالانہ اکٹھا کرتا تھا -
۳ - منتخب التواریخ، ص ۳۴۲، اکبر نامہ، ج ۳، ص ۱۱۷ -

نے عبدالنبی کے متعلق شہادت دی ہے :

''شیخ عبدالنبی باز بحضرت بادشاہ آمد - مدت مدید در بندیخانہ محبوس بود - در برابر آن ہمہ عزت و جاہ و اعتبار کہ داشت ، ذلت و حقارت و بی اعتباری دید و اہانت و خواری کشید و ہم در حبس فوت کرد[1] -''

"مآثرالامرا" کے مصنف نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے جس سے ابوالفضل کی عفو و درگزر کرنے کی عادت پر روشنی پڑتی ہے - یہ ان دنوں کی بات ہے جب ابوالفضل دکن کی مہمات کا سربراہ تھا - ایک مجلس میں خانخاناں اور دولت خان[2] موجود تھے - ابوالفضل نے کہا :

''شمشیر ہندی در کتب می نویسند ما ندیدہ ایم''

دولت خان نے سمجھا کہ یہ مجھ پر طعن و طنز کی گئی ہے - اس نے فوراً تلوار نکالی اور کہا :

''تیغ ہندی این است - اگر برسرت زنم تا دبر رسد[3] -''

خانخاناں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے باہر لے گیا - شیخ بری طرح برہم ہوا - ایک مرتبہ پھر خانخاناں دولت خاں کو ابوالفضل کے پاس لے گیا - اس نے معافی مانگی - شیخ اپنی جگہ سے اٹھا اور دولت خان کو گلے سے لگایا - اسے ایک ہاتھی اور خلعتِ خاص عنایت کیا اور کہا :

"ہرگز کنایہ در خاطرم نبود -"

---

۱ - اخبار الاخیار ، ص ۲۲۳ -

۲ - دولت خاں : وہ قبیلہ شاہو خیل کا لودھی افغان تھا - پہلے عزیز کوکہ کا ملازم تھا - جب عبدالرحیم خانخاناں کو دکن افواج کا کمانڈر بنایا گیا تو اس کی خدمات خانخاناں کی طرف منتقل کر دی گئیں - وہ بہادری میں یکتا تھا - بعد میں سلطان دانیال نے اپنی ملازمت میں لے لیا اور اسے دو ہزاری منصب پر ترقی ہوئی - ۱۰۰۹ھ میں فوت ہوا -

۳ - مآثرالامرا ، ج ۳ ، ص ۷ -

ایماندار و دیانتدار

ابوالفضل بڑا فرض شناس تھا ۔ وہ اپنے آقا کا وفادار تھا ۔ ایماندار ایسا کہ کبھی رشوت لینے پر راضی نہ ہوا ۔ وہ اپنے کام کے اوپر اپنے مخدوم کے کام کو ترجیح دیتا تھا ۔ دکن جاتے جاتے وہ برہانپور ٹھہرا تا کہ بادشاہ کی نمائندگی کرتے ہوئے وہ بہادر خان کو ترغیب دے تا کہ وہ خود شامل ہو کر دکن کی مہمات میں بادشاہ کی مدد کرے ۔ وہ ابوالفضل کو بیش بہا تحائف دے کر ٹالنا چاہتا تھا ۔ اس نے وہ تمام تحائف واپس کر دیے اور کہا :

"با ایزد بے ہمتا پیمان رفتہ کہ تا چار چیز فراہم نشود از کس چیزی برنستاند : نخست دوستی ۔ دوم آنکہ دھش را بزرگ نشمرد ۔ سوم خود بداده آرزومند نبود ۔ چہارم احتیاج خویش ۔ گرفتم سہ طراز پیدائی دارد ۔ چہارمیں را چہ چارہ برسازد ۔ شاہنشاھی نواخت نقش خواہش بزدوده[۱] ۔"

وہ اپنے کردار میں مخلص تھا ۔ وہ ہر سچی اور صحیح بات کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ۔ وہ بددیانتی کو نفرت انگیز جرم سمجھتا تھا ۔ اگر کسی معاملے میں وہ دوسروں سے اختلافِ نظر رکھتا تو وہ جرأت سے بر ملا اپنی رائے پیش کرتا اور خوف کی وجہ سے حقیقت کو نہ چھپاتا ۔

وہ اپنے فرایضِ منصبی ادا کرتے وقت سرکاری متانت اور وضع داری کو ملحوظ خاطر رکھتا ۔ جب وہ دکن میں بادشاہ کی طرف سے مدار المہام تھا ، عبدالرحیم خانخانان اور ٹھٹھہ کے حکمران مرزا جانی بیگ اسے ملنے آئے ۔ وہ اپنے بستر میں بیٹھا ہوا 'اکبر نامہ' کے کچھ کاغدات دیکھ رہا تھا ۔ وہ ان کی طرف اچھی طرح متوجہ نہ ہوا اور صرف اتنا کہا :

"بیایید میرزایان ، بنشینید ۔"

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۵۲ ۔

مرزا جانی ایک صوبے کا ناظم رہ چکا تھا۔ اس نے ایسی ناہموار پذیرائی کو اپنی توہین سمجھا اور فوراً وہاں سے چلا گیا۔ ایک دوسرے موقع پر خانخانان بڑے اصرار و ترغیب کے بعد اسے ابوالفضل کے گھر لے گیا۔ شیخ گھر کے دروازے پر ان کے استقبال کے لیے آیا اور بڑی تواضع سے پیش آیا اور کہا:

"ما خادمیم و ہم شہری شما ایم۔"

میرزا جانی یہ رویہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے خانخانان سے پوچھا:

"آن نخوت و این فروتنی چیست۔"

خانخانان نے کہا:

"آنروز تورگی وکالت در نظر داشت۔ سایہ بمثل اصل کار کرد و امروز برادرانہ در خورد[۱]۔"

اس کے نرالے انداز

گھریلو زندگی میں اس کے عجیب طریق تھے۔ ہر سال نو روز کے موقع پر گھر کا تمام ساز و سامان اس کے سامنے پیش کیا جاتا۔ وہ اس کی فہرست تیار کرتا اور اسے اپنے قبضے میں رکھتا۔ وہ حساب کے تمام رجسٹر جلا دیتا۔ پاجامے کے علاوہ اپنے تمام مستعمل کپڑے اپنے نوکروں میں تقسیم کر دیتا۔ پاجاموں کو وہ اپنی موجودگی میں جلا دیتا[۲]۔

اسے کھانے کی بے انتہا اشتہا تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی خوراک کا وزن بیس سیر ہوتا تھا۔ اس کا بیٹا عبدالرحمٰن دستر خوان پر بیٹھتا تھا کھانے کے وقت مطبخ کا نگران بھی شیخ کے پاس کھڑا ہوتا۔ اگر شیخ ایک غذا کو دو مرتبہ چکھتا تو دوسرے دن وہ دوبارہ اسے تیار کرواتا۔ اگر کوئی چیز بے مزہ ہوتی تو وہ اپنے بیٹے کو چکھنے کے

---

۱ و ۲ - مآثر الامرا، ج ۲، ص ۶۲۱ -

لیے کہتا اور نوکروں سے کچھ نہ کہتا ۔ بعد میں بیٹا مطبخ کے نگران کو اس کا نقص بتاتا[1] ۔

وہ دوسروں کی خاطر مدارات کرنے میں بھی بڑا فیاض دل تھا ۔ دکن میں اپنے قیام کے دوران وہ رؤسا کی طرح رہتا ۔ چالیس خیموں کے رقبہ میں قالین بچھائے جاتے ۔ ہر روز ہزار قسم کے کھانے پکائے جاتے اور افسروں کو پیش کیے جاتے ۔ اس کی قیامگاہ کے باہر نو گز مربع خیمہ لگایا جاتا ۔ وہاں سارا دن گھی میں پکی ہوئی کھچڑی غریب امیر سب کو پیش کی جاتی جو بھی کھانے کی خواہش کرتا[2] ۔

اپنے اہل بیت سے محبت

ابوالفضل اپنے خاندان کی طرف سے بڑا مطمئن تھا ۔ اس کے بڑے بھائی سرکاری ملازم تھے ۔ چھوٹے مناسب تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے ۔ اس کی بہنیں بڑے منصبداروں اور امیروں سے بیاہی گئی تھیں ۔ اسے اپنے والد اور بڑے بھائی فیضی کی وفات پر بڑا صدمہ ہوا ۔ اگرچہ فیضی عمر میں بڑا تھا لیکن ابوالفضل کا بڑا احترام کرتا تھا ۔ ابوالفضل اکثر اسے نصیحت کرتا اور بدقماش زندگی کے خطرات سے آگاہ کرتا ۔ اس کی شادی ایسے گھرانے میں ہوئی جو نجابت اور علمی فضیلت کی وجہ سے مشہور تھا ۔ اس کا ایک بیٹا تھا عبدالرحمٰن جو ۱۳ شعبان ۹۷۹ھ کو پیدا ہوا ۔ بیٹا ہونہار نکلا ۔ وہ دکن کی مہمات میں اپنے باپ کے ساتھ شریک رہا ۔ شہنشاہ نے سعادت خان کوکہ کی لڑکی سے اس کی شادی کی ۔ ابوالفضل نے زندگی کے اواخر میں تین اور بیویاں کیں ۔ کشمیری ، ہندو اور ایرانی ۔

ذاتی محاسب

ابوالفضل لوگوں کو مکر و فریب اور حسد و حرص کا مرتکب قرار دیتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ اپنے عیوب سے بھی آگاہ ہے اور اپنے نفس

---

۱ ۔ مآثرالامرا ، ص ۶۲۰ ۔
۲ ۔ ایضاً ص ، ۶۲۱ ۔

کو بھی ملامت کرتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کا بھی محاسبہ کرتا ہے۔ اپنے آپ کو کوستا ہے اور خود اپنے آپ کو سزا دیتا ہے۔ اگرچہ اپنی برائیاں یاد کر کے اپنے آپ کو برا بھلا کہتا۔ ایک مریضانہ رجحان ہے لیکن یہ اپنی اصلاح کی ایک مخلصانہ کوشش ہے اور ذاتی اور اجتماعی اخلاق میں اعلیٰ مراتب حاصل کرنا ہے۔ اس کا صوفیانہ میلان بھی اسے خود محاسبہ کی طرف مائل کرتا ہے۔ صوفی اگرچہ مقررہ شرعی رسوم کی پابندی کی پروا نہیں کرتا لیکن وہ اپنا ذاتی محاسبہ کر کے اپنی اصلاح کرتا ہے۔ وہ سیر فی النفس کر کے اپنے اندرون پر نظر رکھتا ہے۔ یہ مشاہدۂ نفس ایک عالی رتبہ صوفی سے ہی ممکن ہے۔

———:o:———

باب دہم

ابوالفضل - عالم و مصنف

ابوالفضل ایک جید عالم تھا - اس نے اپنے زمانے کے تمام متداولہ علوم اور عربی و فارسی میں اسلامی ادب کا غائر مطالعہ کیا تھا - مذاہب کے تقابلی مطالعہ پر بھی اس کی گہری نظر تھی - اس نے سیاسی ، معاشرتی اور فلسفیانہ موضوعات پر نظریات قائم کیے اور اپنی آزاد رائے کا اظہار کیا - وہ اپنے معاصرین میں ایک منفرد شخصیت نظر آتی ہے - اس کے معاصر اسے علامی فہامی کہتے ہیں[1] -

ہندوستان کے فارسی ادب میں نثر نویسی اور مراسلہ نگاری میں اس کو اعلیٰ مقام حاصل ہے - ہندوستان کے ادبانے متفقہ طور پر اس کے اسلوبِ نگارش کی تعریف کی ہے - اس کے مکاتبات درسگاہوں میں شاملِ نصاب رہے ہیں - درباروں کے منشی و دبیر اس کے اسلوب کی اقتدا کرتے رہے ہیں - ہم اس کی کتابوں کے تعارف و تبصرہ کے وقت اس کے اسلوب کی خصوصیات پر بحث کریں گے -

ادب میں منفرد مقام کے ساتھ ساتھ اسے مؤرخ کی حیثیت سے بھی قابلِ رشک مقام حاصل ہے - جب ہم "اکبر نامہ" اور "آئینِ اکبری" کا تعارف پیش کریں گے تو موجودہ معیارِ تنقید کی روشنی میں اس کی مؤرخانہ حیثیت کا جائزہ لیں گے -

---

۱ - نظام الدین احمد نے لکھا ہے : افاضل پناہ - معارف و حقایق آگاہ - جامع کمالات صوری و معنوی علامی شیخ ابوالفضل ، (طبقات اکبری ، ج ۱ ، ص ۳)

فیضی نے کہا :

صد سالہ راہ میان من و اوست در کمال
در عمر اگر ازو دو سہ سال فزون شرم

جب ہم اس کی تحریروں میں منتخب اشعار دیکھتے ہیں تو ہمیں متنوع افکار سے اس کی دلچسپی دیکھ کر تعجب ہوتا ہے ۔ اس نے موزوں طبیعت پائی تھی لیکن وہ اس استعداد کو بروے کار نہیں لانا چاہتا تھا ۔ وہ شعر کہہ سکتا تھا ۔ جیسا کہ اس کی چند رباعیات سے ظاہر ہے جو اس نے مناجات کے ضمن میں لکھی ہیں یا اس قطعہ' تاریخ سے ظاہر جو اس نے دیباچہ تفسیر سورۂ فاتحہ کے آخر میں لکھا ہے[1] ۔ ذیل کی رباعی بھی اس سے منسوب ہے :

نفسی دارم کہ ہر نفس مہ گردد
گویم کہ ریاضتش دہم بہ گردد
ہرچند بجہد لاغرش می دارم
از یک سخن فضول فربہ گردد[2]

ابوالفضل کے متعلق بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ مصوری اور خطاطی کا دلدادہ اور شاعری کا نقاد تھا ۔ اس کے دل و دماغ کی ان خصوصیات کا اظہار ان دیباچوں اور خاتموں سے ظاہر ہے جو اس نے کتب و رسائل پر لکھے ہیں اور جو ''مکاتباتِ علامی'' جلد سوم میں محفوظ ہیں ۔

ہم نے اس کے دل و دماغ کے اوصاف کو اجاگر کرنے کے لیے اس کی تمام نگارشات کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے ۔ اب ہم اس کی تالیفات کا تفصیلی تعارف پیش کرتے ہیں ۔

اکبر نامہ :

اکبر نامہ تین جلدوں پر مشتمل ہے ۔ پہلی جلد میں ان حالات کو بیان کیا گیا ہے جن میں اکبر کی ولادت ہوئی ۔ ان تمام زائچوں کو درج کیا ہے جو اس کی پیدائش پر تیار کیے گئے ۔ اس کے بعد آدم سے ہمایوں تک کا شجرۂ نسب دیا ہے اور تیمور اور اس کے جانشینوں بابر اور ہمایوں کے دورۂ حکومت کے مختصر واقعات بیان کیے ہیں ۔ اس جلد کے آخر تک

---

۱ - مکاتبات علامی ، ج ۲ ، ص ۲۱۹-۲۲۰ -
۲ - شمع انجمن ، ص ۵۹ -

اکبر کی زندگی کے احوال و کوائف ۹۶۲ھ تک بیان کیے گئے ہیں۔

دوسری جلد میں ۹۶۳ھ سے ۹۸۱ھ تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ تیسری جلد میں ۹۸۲ھ سے ۱۰۱۰ھ تک کے احوال مذکور ہیں یعنی ابوالفضل کی وفات کے ایک سال پہلے تک۔ اکبر کی تخت نشینی کا چھیالیسواں سال آخری سال ہے جس کے متعلق واقعات مذکور ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری میں "اکبر نامہ" کے موجودہ نسخوں شمارہ ۲۳۵ اور ۲۳۶ میں چھیالیسویں سال کے علاوہ سینتالیسویں سال کا عنوان، چند اشعار اور ایک طویل خاتمہ بھی موجود ہے۔

ابوالفضل کا منصوبہ پانچ جلد لکھنے کا تھا۔ وہ اکبر کی زندگی کے قرن یعنی ایک سو بیس سالہ زندگی کے واقعات چار جلدوں میں قلم بند کرنا چاہتا تھا اور پانچویں جلد میں مملکت کے قوانین و ضوابط کے متعلق لکھنا چاہتا تھا۔ اس نے اس خاکے کے متعلق اس وقت بتایا تھا جب وہ بیالیسویں سال یعنی ۱۰۰۶ھ تک کے احوال و واقعات لکھ چکا تھا لیکن ابوالفضل ۱۰۱۱ھ تک زندہ رہا۔ اس لیے وہ صرف اکبر کے عہدِ حکومت کے چھیالیسویں سال یعنی اس کی عمر کے باسٹھویں سال تک کے حالات قلم بند کر سکا۔

سب سے پہلے ۱۸۶۶ع میں پٹیالہ کے مہاراجہ مہندر سنگھ کی فرمائش پر نولکشور نے "اکبر نامہ" شائع کیا۔ بعد میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے ببلیوتھیکا سیریز میں ۱۸۷۸ع سے ۱۸۸۷ع کے درمیان اسے شائع کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ ایچ۔ بیورج نے کیا جو ۱۸۹۷ع سے ۱۹۲۱ع کے درمیان کلکتہ سے شائع ہوا۔

۱۹۰۳ع میں "اکبر نامہ" کے ایک نئے نسخے کا انکشاف ہوا جس میں عہدِ ہمایوں تک کے واقعات مندرج تھے۔ اسے سید علی بلگرامی نے حیدر آباد میں خریدا تھا۔ دقیق مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ابوالفضل کا لکھا ہوا "اکبر نامہ" کا پہلا تحریری نقش ہے۔ اس پر نظرِ ثانی کی گئی ہے اور کہیں کہیں محذوف اشعار درج کیے گئے ہیں۔ اس میں بہت سی

ایسی عبارات ہیں جو مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ۔ اس نسخے میں مندرجہ ذیل اشخاص کے نام ہمایوں کے خطوط موجود ہیں جو دوسری تاریخوں یا مجموعہ ہائے مکاتیب میں محفوظ نہیں :

۱ - حیدر مرزا مصنف تاریخ رشیدی

۲ - عبدالرشید حاکم کاشغر

۳ - ابوالمعالی

۴ - اکبر کا بیان جس میں وہ اتفاقیہ گرنے کا حادثہ بیان کرتا ہے ۔

اس نسخے میں بہت سی ایسی اہم تفاصیل درج ہیں جو بعد کے نسخوں میں حذف کر دی گئیں ۔ مثال کے طور پر کامران کی ایک غزل اس نسخے میں موجود ہے جو اس نے ہمایوں کو اس وقت لکھی جب سلطان آدم نے اسے ہمایوں کے حوالے کیا تھا ۔ اس میں دو عبارتیں ایسی مندرج ہیں جن میں وہ تاریخیں مذکور ہیں جن پر "اکبر نامہ" لکھنے کا حکم دیا گیا ۔ پہلی تاریخ ۲۲ اسفندارمذ ۳۳ سال جلوس (فروری ۱۵۸۸ع) اور دوسری تاریخ ۲۶ اردی بہشت ۳۴ سال جلوس (اپریل ۱۵۸۹ع) ہے ۔ اس منفرد نسخے کی تفصیل بیورج نے رایل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل سال ۱۹۱۳ع صفحہ ۱۱۵ پر بتائی ہے ۔

کلکتہ والی اشاعت میں تکملہ بھی موجود ہے جس میں اکبر کے سینتالیسویں سالِ حکومت یعنی ۱۰۱۴ع (سالِ وفات تک کے واقعات مندرج ہیں ۔ اس نسخے میں تکملہ کے مصنف کا نام مذکور نہیں ۔ البتہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں "اکبر نامہ" جلد دوم کے مخطوطے میں تمہید موجود ہے جس میں تکملہ کے مصنف کا نام عنایت اللہ محب علی لکھا ہے ۔ مصنف لکھتا ہے کہ "اقبالنامۂ جہانگیری" کے مصنف معتمد خان نے اکبر اور ابوالفضل کے حالات تعصب کے ساتھ توڑ مروڑ کر پیش کیے ہیں ۔ انھی کو دیکھ کر مجھے یہ تکملہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا ۔ مصنف ابوالفضل کا بڑا مداح ہے اور اس نے ابوالفضل کے اسلوب میں لکھنے کی کوشش کی ہے ۔

تکملہ کا ایک اور نسخہ بھی تھا جس کا ترجمہ لفٹنٹ چالمرس (Chalmers) نے کیا تھا اور جس کے اقتباسات ایلیٹ اور ڈاؤسن کی تاریخ ہندوستان جلد ششم میں مندرج ہیں - اس کا اصل نسخہ موجود نہیں - یہ بادشاہ (نام محذوف ہے) کے حکم سے ایک شخص عنایت اللہ نے لکھا : مصنف اپنے آپ کو عنایت اللہ کہتا ہے لیکن اس کی اختتامی سطروں میں وہ عنایت اللہ یا محمد صالح لکھتا ہے - وہ کہتا ہے مجھ سے خواہش کی گئی کہ میں "اکبر نامہ" جلد اول کی طرح یہ تکملہ معروف زبان میں لکھوں نہ کہ "اکبر نامہ" جلد سوم کی زبان کی طرح کہ اس میں بہت سے متروک اور نا قابلِ فہم الفاظ استعمال ہوئے ہیں - تکملہ کا یہ نسخہ کلکتہ اشاعت کے تکملہ سے مختلف ہے - ہودی والا نے اس اختلاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"Perhaps the true explanation is that the brothers (Inayatullah and Muhammad Salih) wrote it not jointly but successively. The version in which Jahangir is exculpated may be the one first drafted and compiled by Inayatullah. It may have been successively revised and recast, in accordance with later opinion on this or other points, by Inayatullah himself or Muhammad Salih Kambuh who speaks of himself as the pupil and protege of Inayatullah in his preface to the Bahar-i-Danish. Jahangir's infatuation for Nur Jahan, his weakness and other defects of character are the subjects of frequent animadversion in the 'Amal-i-Salih'."

اکبر نامہ کے محاسن

"اکبر نامہ" احوال و واقعات کی ایک مستند دستاویز ہے جو ایک ایسے معاصر نے مرتب کی ہے جس کے پاس اطلاعات کے تمام وسائل موجود تھے - ابوالفضل نے ان تمام مآخذ و منابع کا ذکر کیا ہے جن سے اس نے کتاب کی تالیف میں استفادہ کیا ہے - اس کا بیان ہے :

"احوال و واقعات از ملازمان درگاہ و ندیمان این دودمان دولت

1. Studies in Indo-Muslim History, p. 583.

از پیران ہوشمند راست گفتار و جوانان بیدار مغز درست کردار می پرسیدم و بقید کتابت می آوردم[1] ۔"

اس نے دفتر دستاویزات سے معلومات اخذ کیں جو انیسویں سال الٰہی یعنی ۱۵۷۵ع سے قائم کیا گیا تھا ۔ ابوالفضل نے اس مآخذ کے متعلق بتایا ہے :

"دفتر واقعات را بدست آوردم و ازان صحایف دولت تحقیقی تواریخ بس از سوانخ گرامی نمودم ۔ اکثر از مناشیر معلی . . . کہ بحدود اقطاع نفاذ یافتہ بود چہ بجنس و چہ بنقل بدست درآمد ۔ بسیاری از عرایضی کہ اعیان دولت شرح سوانخ اطراف مملکت و تفصیل صوادر اکناف ولایت معروض داشتہ بودند ضمیمہ گنجینۂ معانی شد[2] ۔"

"اکبر نامہ" کے خاتمے پر اس نے اس تاریخ کے لیے معلومات فراہم کرنے کا طریقِ کار بتایا ہے ۔ اس نے بیس دانشمندوں کو ایک ہی واقعہ کی تفاصیل لکھنے کو کہا ۔ بعد میں بڑی احتیاط سے ان کا باہمی تقابل کر کے سب سے معتبر بیان کو قبول کیا ۔ ان بیانات میں واقعات کو تاریخ وار مرتب نہیں کیا جاتا تھا ۔ ابوالفضل ان کو بعد میں خود لکھتا اور پوری صحت کے ساتھ ہجری اور الٰہی تاریخوں کو ثبت کرتا ۔ وہ ابتدائی تحریر پر پانچ مرتبہ نظرِ ثانی کرتا ۔ جملوں میں ترمیم کرتا ۔ زبان کو چمکاتا ۔ عنوان کو درست کرتا اور متن میں اشعار کا اضافہ کرتا ۔ پھر کسی آخری منقح شکل میں تحریر کو اکبر کے سامنے پیش کرتا ۔ اس نے اکبر کے آبا و اجداد کی تاریخ مرتب کرنے میں مندرجہ ذیل کتبِ تاریخ سے استفادہ کیا :

۱ - ترجمہ تاریخ الحکما از مقصود علی ۔
۲ - روضۃ الصفا از میر اخوند ۔
۳ - حبیب السیر از خواند میر ۔
۴ - تاریخ امم و الملوک از محمد بن جریر طبری ۔

---

۱ - اکبر نامہ ، ج ۱ ، ص ۱۰ ۔
۲ - اکبر نامہ ، ج ۲ ، ص ۳۶ ، مکاتبات علامی ، ص ۳۱۶ ۔

۵ - بابر نامہ یا توزک بابری ۔
۶ - ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ۔
۷ - تاریخ رشیدی از حیدر مرزا ۔
۸ - تاریخ شیر شاہ از عباس ۔
۹ - تذکرۃ الواقعات از جوہر ۔
۱۰ - تاریخ ہمایوں و اکبر از بایزید بیات ۔
۱۱ - مرآۃ سکندری ۔
۱۲ - تاریخ گجرات ۔
۱۳ - تاریخ افغانستان ۔

ابوالفضل نے آخری دو کتابوں کے مصنفین کے نام نہیں لکھے ۔

متذکرہ صدر بیانات سے ظاہر ہے کہ ابوالفضل نے معلومات کے اس انبار سے استقرائی اور استخراجی منطق سے کام لے کر صحیح اور درست کو قبول کیا ہوگا اور معاصر واقعات کو تو اور بھی تجربیت طریق سے کام لے کر انتخاب کیا ہوگا ۔

اگرچہ ابوالفضل نے ''اکبر نامہ'' درباری مؤرخ ہونے کی حیثیت سے لکھا تھا اور وہ شہنشاہ اور لوازمات شاہی کو شکوہ و طنطنہ سے ذکر کرتا ہے لیکن کہیں کہیں وہ خاص طور پر اپنے معاملے میں بادشاہ پر بھی تنقید کر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے حاسدوں اور رقیبوں کی باتوں کو بغیر تحقیق کے سن لیا ۔ اور قبول کر لیا ۔ وہ شاہزادہ مراد ، دانیال ، سلیم ، خانخانان ، مظفر حسن مرزا اور دوسرے افسروں پر بھی سخت تنقید کر جاتا ہے اور حق گوئی سے نہیں چوکتا ۔

واقعات بیان کرتے کرتے جہاں اسے موقع ملتا ہے وہ مملکت کے نظم و نسق اور اخلاق ضوابط کے متعلق نہایت مفید مشورے دیتا ہے ۔ اس نے شاہزادوں اور حکمرانوں کو جو ہدایات دی ہیں وہ پرمغز ، عمیق اور مثالی ہیں ۔

کبھی کبھی واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس موضوع کا فلسفہ

بیان کرنا شروع کر دیتا ہے مثلاً جب سلطان مراد کی شادی کے متعلق تجویز منظور ہوئی تو اس نے فلسفۂ ازدواج پر گفتگو شروع کر دی اور بتایا کہ یہ زندگی کی احتیاج ہے خاص طور پر جوانی کے زمانے میں کہ وہ وحشی جذبات اور شدید ہیجانات کا دور ہوتا ہے -

تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے ملکی یا غیر ملکی حکمرانوں کا ذکر آتا ہے - اس خیال سے کہ قاری کے لیے ان واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو اور واقعات کا پس منظر سامنے رہے وہ ان حکمرانوں کے دورۂ حکومت کے متعلق ایک دو پیروں میں مختصراً نوٹ لکھ دیتا ہے مثلاً وہ صفحہ ۸۵۸ پر خاندان صفویہ کے عروج کا مختصر حال لکھتا ہے - صفحہ ۶۳۵ پر تبت کے بادشاہوں کی اصل نژاد اور منگول رسم و رواج بیان کرتا ہے - صفحات ۶۶۳ سے ۶۶۵ تک عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ درج کرتا ہے - صفحہ ۷۳۷ پر عبداللہ خاں ازبک کا نسب نامہ اور اس کے برسرِ اقتدار پہنچنے کا حال بیان کرتا ہے -

نواقص اکبر نامہ

ابوالفضل نے ان تمام مآخذ و منابع کا ذکر کر دیا ہے جن سے اس نے خاص طور پر "اکبر نامہ" جلد اول کی تالیف میں مدد لی - لیکن حیرت ہوتی ہے کہ بعض جگہ سال و ماہ و روز کی تعیین اور اسماء رجال کے بیان میں اختلاف کیسے ہو گیا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن نسخوں سے اس نے معلومات اخذ کی تھیں ان میں ایسے ہی درج ہوں گی - لیکن اب موجودہ نسخوں کے تقابلی مطالعے سے انکشاف ہوا ہے کہ یہ معلومات ان سے مختلف ہیں - "اکبر نامہ" کے فاضل مترجم نے ان اختلافات کی نشاندہی کی ہے - ان میں سے ہم زیادہ نمایاں کا ذکر کرتے ہیں -

اکبر نامہ جلد اول

ص ۴۴ : فخز نسا کو ندیم کوکہ کی بیوی بتایا ہے لیکن وہ ندیم کوکہ کی ماں تھی (ہمایوں نامہ ، ص ۳۲) -

ص ۷۳ : جلال الدین منکبرنی کو رمضان ۶۲۴ھ میں شکست ہوئی۔

"تاریخ جہانکشا" جوینی جلد اول، ص ۱۰۸ کے مطابق یہ تاریخ رجب ۶۱۸ھ ہے۔

ص ۷۸ : تیمور کی پیدائش (۷۳۶ھ) کے وقت ماوراءالنہر میں ترنشیرین حکمران تھا۔ لیکن اصل میں یزون حکمران تھا (۷۳۵--) (محمڈن ڈانسٹیز، ص ۲۴۲)۔

ص ۸۰ : تیمور نے یلدرم کو ۱۰ ذی الحجہ ۸۰۴ھ کو شکست دی۔ لیکن ابن عربشاہ نے ۲۷ ذی الحجہ تاریخ درج کی ہے (عجائب المقدور فی اخبار تیمور، ص ۱۳۰)۔

ص ۸۰ : یلدرم پر فتح کے بعد تیمور ۱۸ مہینے آذربائیجان میں ٹھہرا۔ یہ وقفہ دمشق کی فتح اور جنگِ انگورہ کا درمیانی وقفہ ہے۔

ص ۸۳ : یونس خان عمر شیخ کا علاقہ فتح کرنا چاہتا تھا لیکن وہ نہ کر سکا۔ لیکن اصل واقعہ یوں ہے کہ عمر شیخ کو شکست ہوئی، گرفتار ہوا اور یونس خان نے اپنی فیاضی سے اسے چھوڑ دیا۔

(ترجمہ تاریخ رشیدی، ص ۹۶، ۹۷)

ص ۸۶ : مہر بانو عمر شیخ کی بیٹی تھی۔

شہر بانو عمر شیخ کی بیٹی تھی (ہمایوں نامہ، انگریزی ترجمہ، ص ۳۱)۔

ص ۱۱۱ : بدخشان ہمایوں کو ۹۱۷ھ میں دیا گیا۔ لیکن "تاریخِ رشیدی"، ص ۳۸۷ کے مطابق بدخشان ۹۲۶ھ میں دیا گیا۔

ص ۲۰۱ : زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ کامران نے قندھار پر

قبضہ کیا - "تاریخ رشیدی" کے مطابق اس نے چھ مہینے بعد قبضہ کیا -

ص ۲۰۶ : ہمایوں ہرات میں یکم ذی القعد ۹۴۹ھ میں پہنچا - لیکن اصل تاریخ ۵ شعبان ۹۵۰ھ ہے -

ص ۲۰۷ : شاہ طہماسپ نے سنہری زینوں سے مزین ۱۰۰ گھوڑے دیے -

بایزید بیات نے بتایا ہے کہ پہلے تین گھوڑے بھیجے - بعد میں چھ کا اضافہ کیا - (ہمایوں و اکبر ، ص ۱۴ ، ۱۵) -

نسب نامہ یوں درج ہے : یلدوز ، منگلی ، تنگیر ، ایلخان -

لیکن "روضۃ الصفا" میں یوں مذکور ہے :

یلدوز ، تنگیر ، منگلی ، ایلخان (ج ۵ ، ص ۹۰۸) -

بعض جگہ بیورج نے ابوالفضل کی غلطی بتانے کے لیے خود غلطی کھائی ہے -

ص ۸۳ : ابوالفضل نے عمر شیخ کو ابو سعید کا چھوٹا بیٹا بتایا ہے - بیورج نے کہا ہے کہ وہ چھٹا بیٹا تھا - حالانکہ "توزک بابری" کے مطابق ابوالفضل کا بیان درست ہے (بابر نامہ مترجمہ مسز بیورج ، ص ۱۳) -

"اکبر نامہ" جلد سوم ص ۲۵۵ پر مذکورہ ایک بیان کی توجیہ نہیں ہو سکی - ابوالفضل کا بیان دوسرے معاصر مؤرخین کے بیان سے عین متضاد ہے - ابوالفضل نے لکھا ہے کہ پادریوں نے یہ تجویز کیا کہ پادری سر پر انجیل رکھ کر اور مسلمان قرآن سر پر رکھ کر آگ میں سے گزریں تا کہ فریقین کے بیان کی صداقت کا امتحان ہو سکے لیکن بدایونی نے لکھا

ہے کہ قطب الدین جلیسری نے تجویز پیش کی[1]۔ مونسریٹ نے بھی یہی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی اور پادری اس وحشیانہ تجویز پر راضی نہ ہوئے[2]۔

بیورج نے ترجمہ ''اکبر نامہ'' کے دیباچے میں لکھا ہے :

"Abul Fazal was a great flatterer and unhesitatingly suppressed or distorted facts[3]."

لیکن ابوالفضل نے اپنی دیانت داری پر اصرار کیا ہے وہ کہتا ہے :

''چون در نگارش این داستان آگہی بر خلاف رسمیان عادتی عبادت ایزدی و سپاس نعمت رسیدگی رہنمائی بادیہ، حقیقت است یا چنین کشائش مختلف بعزیمتی درست و فطرتی حق گزین و دل فسیح روی در سر انجام این کار سترگ دارد[4]۔''

ابوالفضل نے ایک اور جگہ اس بات کی آرزو کی ہے کہ کاش میں سرکاری ملازم نہ ہوتا تاکہ ظاہر پرست میری دیانت داری پر شبہ نہ کرتے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

''کاشکی آشنای صوری نبودمی و در سلک ملازمان ظاہر منسلک نگشتمی تا ہر چہ گفتمی و نوشتمی ظاہر پرستان کور باطن این کسی را از گروہ خوشامد گویان نداشتندی و از محرومی صوری من جہانیان پی بمقصود بردہ کامروا گشتندی[5]۔''

اسلوبِ بیان :

ابوالفضل نے جب ''اکبر نامہ'' لکھنا شروع کیا تو اس کے سامنے تاریخ وصاف، جہانکشا جوینی، شرفنامہ یزدی اور مطلع السعدین جیسی تاریخوں کا

---

۱ - منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۹۹ -

2. Commentary, pp. 44-43.

3. Preface to the Translation of Akbar namah, p.

۴ - اکبر نامہ، ج ۳، ص ۱۸۴ -

۵ - اکبر نامہ، ج ۱، ص ۳۴۸ -

پر شکوہ اسلوبِ بیان پیشِ نظر تھا ۔ اس لیے مجبوراً زمانے کی روش کے مطابق اسے ان متقدین کی پیروی کرنی پڑی اور اس نے مرصع پُر تکلف اسلوب اپنایا لیکن وہ زیادہ لفاظانہ اور پر اطناب نہیں تھا ۔ مقابلتاً اس نے لفظ و معنی میں تناسب و توازن رکھا اور معانی کو اقوال و تلمیحات اور جملہ‌ہائے اضافی کی بھول بھلیوں میں گم نہیں کیا لیکن طرزِ تحریر یقیناً مصنوع اور غیر معمولی تھی ۔

دسویں صدی ہجری کے اواخر میں دربارِ اکبری میں ایرانی ثقافت کے احیا کا زور تھا ۔ فارسی زبان کو سادہ اور خارجی الفاظ سے مصفا کرنے کی تحریک بھی ان دنوں چلی ۔ ''آئین اکبری'' کے تمام دفاتر اور ''اکبر نامہ'' کی تیسری جلد اسی نئی زبان میں لکھی گئی ۔ ابوالفضل چونکہ خود اس مہم کا رہنما تھا ۔ اس لیے اس نے خود اپنے مشکل اور پُر تصنع اسلوبِ بیان کو چھوڑ کر سادہ اور مستقیم اسلوب اختیار کیا ۔ ''اکبر نامہ'' جلد دوم کے اختتام پر اس نے لکھا :

''بیشتری حرف گزاران باستانی و بسیاری زمانیان خامہ پرداز (کہ زبان یکتائی دارند و سخن سرائی بیک آئین نہادہ طرز دست فرسودہ روزگار در نمایند) ہمگی بسیچ بر آرایش الفاظ باشد و معنی را پیرو لفظ دانستہ بوارونی روی تگاپو رود و سجع گوئی و فاصلہ آرائی را سرمایۂ فصاحت اندیشند و ہمان یادگار شعر را پیرایۂ نثر شمارند و بر تناسب الفاظ و صنعت اشتقاق و آئین ترصیع و روش تجنیس مدار باشد و باختیار اقتباس و براعت استہلال و نگارش تلمیح و ایراد تعمیہ و گذارش اطراد گرامی انفاس بگذارد ۔ محسنات بدیعی را دست مایۂ بلند پایگی سخن انگارند و بر مزایای بلاغت و جلائل معانی نظر نیفتد ۔ برخی قدمی فراترک نہادہ در جولانگہ معنی چالش نمایند و تدقیقات خیالی و تخیلات واھی نخچیر آن عرصہ پندارند و پیچش عبارت و دوری استعارت (کہ نشان نکوہیدگی شناسندگان صواب اندیش با خود دارد) پیرایۂ کلام اندیشند و دشوار فہمی تازہ طرح (کہ

اکسیر دانائی ازان بر سازند) از نخستیں مشکل شناسی باز ندانند' ۔''

۴۔ ۱۰۰۰ع تک ابوالفضل کی اپنی طرزِ تحریر ان متذکرہ صدر عیوب سے پر تھی لیکن عموماً چار موقعوں پر اس کی نثر شاعرانہ بیان و بدیع سے آراستہ اور پر شکوہ ہے ۔

۱ ۔ اس موقع پر جب وہ بہار یا جشن کی تقریب کے متعلق لکھتا ہے مثلاً :

''گوش و بشارت بگوشوارۂ مراد بر آراستند ۔ چہرۂ آرزو را گلگونۂ عیش زدند ۔ ساعد تمنا را یارۂ مقصود بستند ۔ پای رقص بخلخال جلوہ در آوردہ بجولا نگہ عشرت و شادی در آمدند ۔'' ج ۱ ، ص ۱۷ ۔

۲ ۔ بادشاہ ، شاہزادہ یا کسی اور شہنشاہ سے منسوب شخصیت کے اوصاف بیان کرنے کے موقع پر مثلاً :

''بادشاہ چار بالش ، ہفت منظر ، شہریار سماوی سریر علوی ، افسر بلندی بخش ہمت بلند ۔ سعادت افزای طالع ارجمند ، آسمان بلند ، صفدر ہزبر صولت ، رفیع قدر قوی دولت ۔'' ج ۱ ، ص ۶۷ ۔

۳ ۔ احسان و تشکر کے احساسات بیان کرتے وقت :

''گیتی خدیو خدا پرست پیوستہ نظام نشاء ظاہر را پیرایۂ معنی دانستہ بی غبار آلودہ اغراض بشری آسایش خود را در آسودگی جہانیان می داند و ہموارہ و اہم را از مہم شناختہ در فراہم آوردن پراگندگی ہای روزگار توجہ و الا می گمارد ''' (ج ۲ ، ص ۲۸۵ ۔)

۴ ۔ کسی موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے یا تفکر کے موقع پر مثلاً

''درین تیرگی دل و کشائش خاطر کوکب حقیقت درخشید و بیاوری فطرت گوش ہوش کشودہ آمد ۔ طنز آسمانی لطمہ ای بر نفس کج

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۱ ، ص ۳۸۱ ۔

گرائی زد - پور مبارک ترا کہ در آزرستان نیک اندیشی گزین منزل داده اند چشم آہو بین چرا باز شد ۔" (ج ۲ ، ص ۲۹۱ -)

واقعات بیان کرنے میں کسی حد تک اس کی عبارت پر تکلف ہے لیکن بیان و بدیع کی زینتوں سے آراستہ نہیں - وہ زیادہ سادہ اور مستقیم لکھتا ہے - اس کے بیان میں قوت اور اخلاص کی کمی نہیں - بعض جگہ جملے اور تراکیب مسجع و مرصع ہیں لیکن عام طور پر جملوں کے در و بست میں ایک آہنگ موجود ہے - "اکبر نامہ" کی تیسری جلد میں اس نے خالص فارسی میں عبارت لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ انداز معاصرین نے پسند نہیں کیا - چنانچہ "اقبالنامۂ جہانگیری" کے مصنف نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"جلد سوم را قصد کرده کہ بزبان فرس قدیم نویسد و سخت ناگوار و بیگانہ بگوش میخورد و عوام الناس را خواندن و فہمیدن آن بغایت دشوار - معہذا چون در عہد دولت آنحضرت نوشتہ مصدع تکلفات و تصرفات شده و از جادۂ مدعا نویسی و شاہراه مقصود بیرون رفتہ[۱] ۔"

"آئین اکبری" کے مترجم بلوخمن نے ابوالفضل کی خوشامدگوئی اور حقیقت پوشی کے متعلق اعتراض کرنے والوں کو مناسب جواب دیا ہے ۔ اس نے لکھا ہے :

"Abul Fazal has too often been accused by European Writers of flattery and even of wilful concealment of facts damaging to the reputation of his master. A study of the Akbar nameh will show that the charge is absolutely unfounded ; and if we compare his works with the historical productions of the East, we shall find that while he praises, he does so infinitely less and with more grace and dignity than any other Indian historian or poet[2].

۱ - اقبالنامہ ، ص ۱ -

2. Ain-i-Akbari, Translation, 2nd Edn. p. VIII.

آئین اکبری

آئین اکبری ابوالفضل کی ذہین اور دقیقہ رس طبیعت کا شاہکار ہے - یہ اکبر کے عہد اور اس کی تنظیمات کے متعلق ایک مستقل اور یادگار تالیف ہے - یہ اطلاعات کا مخزن ہے جس میں اکبر کے ممالکِ محروسہ کی حدود سے لے کر گھاس کی پیداوار اور اس زمانے کی منڈیوں میں دستیاب ہونے والی چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کے نرخ مندرج ہیں - اس کتاب سے ابوالفضل کی ذہانت ظاہر ہے کہ اس نے معلومات کے تمام وسایل و ذرایع سے بہت اچھا استفادہ کیا - اس نے تجزیاتی ترکیب سے بے شمار معلومات کو ترتیب دیا - آئندہ نسلیں اس کی احسان مند ہیں کہ اس نے ایسا تاریخی کارنامہ انجام دیا کہ کتبِ تاریخ میں اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی -

مقصد و غایت

ابو الفضل نے خود بتایا ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے اس کے مدِ نظر کیا غرض و غایت تھی :

"سگالش آنست کہ دریا بندگان خجستہ زمان را سترگی دانش و فراخی حوصلہ و گزیدگی کردار آن رموز شناس کونی و الٰہی و ہشیار خرام عرصہ' آگہی دلنشین سازد و نورسان بستانسرای پیدائی را مہین ارمغان سامان دہد - زندگانی بسپاس گزاری پیرایہ گیرد و زاد واپسین سفر سرانجام پذیرد' -"[1]

اس کتاب کے دفترد سوم کے آغاز میں وہ سببِ تالیف کے متعلق مزید لکھتا ہے :

"زمانہ نیر نگساز بر نگارش آین شگرفتامہ باز داشت و سخن را شاخہا پدید شد - چندانکہ خامہ بصوبہ نویسی گرائید و برخی حال ہندوستان برشتہ' قلم در کشید و آہنج دل را ہنگام پیدائی رسید - بہ پیشین

---

۱ - آئین اکبری ، ص ۳ -

شناخت پسند نکردہ بدریوزۂ دلہا رفت و از شناسندگان انصاف گرای بتازہ آموزش برنشست[1] ۔"

مشمولات

"آئین اکبری" اصل میں "اکبر نامہ" کی چوتھی جلد ہے ۔ "آئین اکبری" مزید تین حصوں میں منقسم ہے ۔ پہلے حصے میں خزانہ، مختلف سکے اور ان کی قیمتیں، پیادہ سوار اور ہاتھیوں کی فوج کے متعلق قوانین، بادشاہ کی زندگی، محل کے اندر باہر شاہی تقریبات، دیوانی اور فوجی منصبداروں کے فرایض اور مختلف صوبوں میں انیس سالہ پیداوار کے اعداد و شمار درج ہیں ۔

دوسرے حصے میں تاریخ الٰہی کی تفصیل بتائی ہے اور دوسری تقویموں سے اس کا مقابلہ کیا ہے ۔ اسی حصے میں فوجی منصبداروں کے قواعد بیان کیے ہیں ۔ پھر زمینوں کی اقسام اور سرکاری محاصل کی تفصیلات بتائی ہیں ۔ آخر میں ملک کے تمام صوبوں کا مختصر لیکن جامع جائزہ پیش کیا ہے ۔

تیسرے حصے میں ہندوستان کا حدودِ اربعہ، احوالِ عالم، کرہ ہائے فلک، ارض آباد، ہفت اقلیم اور عالمِ حیوانات کے متعلق تفصیل ہے ۔ اس کے بعد ہندو فلسفہ اور دوسرے مکاتب فکر کا مربوط بیان ہے ۔ ایک باب میں بدھ مت، جین مت اور ہندوستان کے اٹھارہ علوم کا ذکر ہے ۔ اس باب کی ذیل میں اس نے ہندو مت کے تحت چار ورنوں، پیدائش اور وفات کے وقت ہندوؤں کی تقریبات و رسوم بیان کی ہیں ۔ ایک باب میں ان بادشاہوں اور بلند پایہ اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جو آدم کے زمانے سے لے کر عہد ہمایوں تک بیرونی ممالک سے ہندوستان میں آئے ۔ ایک باب میں اولیا کا تذکرہ لکھا ہے ۔ اختتام پر ابوالفضل نے اپنی زندگی کے حالات و واقعات بیان کیے ہیں ۔ اس نے اپنے والد اور اپنے متعلق تفصیل سے ان

---

۱ ۔ آئین اکبری، ج ۳، ص ۲ ۔

تکالیف و مصائب کا ذکر کیا ہے جو انھیں علمائے دربار کے ہاتھوں برداشت کرنی پڑیں - انھی بیانات سے اس پس منظر کی نشاندہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آخر اکبر کے نظریۂ مذہب میں تبدیلی واقع ہوئی اور متعصب و متکبر علماء کو زوال آیا -

"آئین اکبری" حصہ سوم کے آغاز میں ابوالفضل کہتا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ ہندو صرف ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں اور متعدد خداؤں پر ایمان نہیں رکھتے - عبادت کے وقت وہ جو بت اپنے سامنے رکھتے ہیں وہ محض ارتکاز توجہ کا ایک ذریعہ ہے - اس اعتقاد کی بنا پر اس نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے عقاید کو بیان کیا تا کہ مسلمان یہ جان کر ہندوؤں کے ساتھ روا داری برتیں اور ان کو مشرک و بت پرست کہہ کر سراسر ملامت و ندامت کا نشانہ نہ بنائیں - اس طرح ابوالفضل ان دونوں یعنی حاکم و محکوم میں اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کرنا چاہتا تھا اور یہ کام اکبر کی حکمتِ عملی کے عین مطابق تھا -

خدا کی توحید پر ہندوؤں کا اعتقاد ممکن ہے، کسی وید میں مذکور ہو - لیکن عام طور پر ہندو تین خداوؤں پر تو ضرور ایمان رکھتے ہیں - برہما یعنی خالق - وشنو یعنی رب ، مہادیو یعنی ہالک - ان کے ہاں خدائے قیوم و قدیر کا تصور نہیں - ممکن ہے بعض ہندوؤں کا یہ نظریہ ہو کہ عبادت کے وقت بت کا سامنے رکھنا ذہنی انتشار سے بچنے کا ایک وسیلہ ہے لیکن عام یہی عقیدہ ہے کہ وہ دیوتاؤں کو سامنے رکھ کر ان کو پکارتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں - اور یہ توحید کے سراسر منافی ہے - ابوالفضل یہ جانتا تھا چنانچہ وہ "اکبر نامہ" میں ایک جگہ راجہ ٹوڈرمل کی لیاقت اور ذہانت کی تعریف کرنے کے بعد اس کی بت پرستی کا مذاق اڑاتا ہے - اس کا بیان ہے :

"در تقلید دوستی و تعصب اندوزی سر آمد جہانیان ، آئین چنان داشت کہ تا صنم پرستی بطرز خاص نکردی و ہزاران لابہ پیش بت ننمودی بکار دیگر نپرداختی و بخوردن و آشامیدن تن در ندادی ،

ناگہان در جنبش کوچ و مقام صنمہای آن سادہ لوح گم شد ۔ ازان دل نہاد بیدانشی شدہ ترک خواب و آشام گرفت ۔"

(اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۲۲۱)

یقیناً ابوالفضل ایک موحد کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال نہ کرتا ۔

سر ولیم جونز نے "آئین اکبری" میں سنسکرت الفاظ کو عربی خط میں لکھنے کے متعلق اعتراض کیا ہے ۔ وہ کہتا ہے :

"They (Muslim Writers) wholly unable, yet always pretend to write sanskrit words in Arabic letters. From the just severity of this censure I except neither Abul Fazal nor his brother Faidi[1]".

یہ اعتراض درست ہے ۔ البیرونی کو بھی اس مشکل کا احساس تھا ۔ حالانکہ وہ سنسکرت جانتا تھا اور تلفظ سے بھی واقف تھا ۔ البیرونی نے اس مشکل کے متعلق کہا ہے :

"ھی مرکبة من حروف لایطابق بعضھا حروف العربیہ و الفارسیہ و لا تشابھا بل لا تکاد السنتنا و لھواتنا ۔ تتفاد لا خراجھا علی حقیقہ مخرجھا و لا آذاننا تسمع بتمییزھا من لظائرھا و اشیاعھا و لا ایدھا فی الکتبتة الحکایتھا یتعذر بذالک اثبات شیئی من لغتھم بخطنا لماتضظر الیہ من الاحتیال یضبطھا بتغییر النقط والعلامات و تقیسیدھا باعراب[2] ۔"

ابوالفضل کو رسم الخط کی اس خامی کا احساس تھا ۔ اس لیے اس نے بڑی احتیاط سے تلفظ کی صحت کے پیش نظر لفظ کے اعراب کو لفظوں میں لکھ دیا ۔ جیرٹ خود ابوالفضل کی احتیاط اور دقت نظر کا قائل تھا ۔ اس نے لکھا :

"His compilation is extremely careful and carried

1. Translation of the 'Ain, Part III, preface (quotation by Jaret)

۲ - فی تحقیق ما للہند ، ص ۹ -

out with most laborious and marvellous exactitude[1]."

جیرٹ کی تنقید :

جیرٹ نے لکھا ہے :

"Abul Fazal was indebted to Albiruni's Indica and has borrowed the idea and the arrangement of his work from great predecessor[2]."

جیرٹ کا یہ خیال درست نہیں۔ جو شخص بھی ہندوؤں کے فلسفہ، مذہب اور رسوم و رواج کے متعلق لکھے گا ۔ وہ تقریباً ان موضوعات پر ضرور لکھے گا جن پر البیرونی نے لکھا ہے ۔ اگر ابوالفضل نے ان موضوعات پر لکھا ہے تو اس پر فوراً مستعار لینے یا نقل کرنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ۔ ابوالفضل کے بیان کا طریقِ کار مختلف ہے ۔ ابوالفضل نے بعض جگہ ایسی تفصیلات کا اضافہ کیا ہے جو شاید البیرونی کو معلوم نہیں تھیں ۔ مثلاً کسی مقام کے طول بلد کی تعیین ، موسیقی کا باب ابوالفضل کا اضافہ ہے ۔ سانکھیا اور پتنجلی کے فلسفہ پر مضامین خود ابوالفضل نے لکھے ہیں ۔ البیرونی نے پتنجلی کے صرف کچھ اقتباسات دیے ہیں اور سانکھیا کا فلسفہ بیان نہیں کیا ۔

جس طریق سے ابوالفضل نے موضوعات کے متعلق لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ لکھتا تھا ، اسے سمجھتا تھا ۔ وہ سنسکرت کے الفاظ کے ہجے بھی لکھتا تھا ۔ اس سے مزید یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ پہلے فاضل پنڈتوں سے موضوعِ زیرِ بحث کے مطالب سمجھتا تھا پھر ان کو لکھتا تھا ۔

جیرٹ مندرجہ ذیل عبارت پر نوٹ لکھتا ہوا کہتا ہے کہ یہ اطلاع اس نے البیرونی سے سرقہ کی ہے اور حوالہ نہیں دیا ۔

---

1. Preface to Ain-i-Akbari, p. VI.
2. Ibid p. V.

''تاریخ در عرف روزی معین است کہ زمان سپس را بدو نسبت دہند و سر آغازی بدو قرار گیرد و ازین رو روزی بر گیرند کہ پسترک روشناس باشد چون کیش پیدائی و اورنگ نشینی و جوش طوفانی و زمین لرزہ[1] -''

البیرونی کی عبارت یہ ہے :

''التاریخ معلومہ تعد من لدن اول سنة کان فیہا مبعث نبی بآیات و برھان اوقیام ملک مسلط عظیم الشان ، ھلاک امة بطوفان عام مخرب او زلزلہ او خسف مبید او وباء مھلک او قحط مستأصلا او انتقال ملہ او تبدیل ملہ او حادثہ عظیمہ من الایات السماویہ اوالعلامات المتھورة الارضیة التی لا تحدث الا فی دھور متطاولہ از منة متراخیة تعرف بھا الاوقاف المحدودة فلا غنی عنھا فی جمیع الاحوال الدنیاویة والدینیة[2] -''

دونوں عبارتیں ہمارے سامنے ہیں - صاف ظاہر ہے کہ ابوالفضل کی عبارت البیرونی سے مطابقت نہیں رکھتی - دونوں کا بیان بھی مختلف ہے - ابوالفضل نے آغازِ تاریخ کے صرف چار واقعات کا ذکر کیا ہے - البیرونی نے گیارہ حوادث کا ذکر کیا ہے - اگر ابوالفضل چاہتا تو اپنا علم جتانے کے لیے باقی سات چیزوں کا بھی ذکر کرتا - حقیقت یہ ہے کہ اس میں سے سرقہ ثابت نہیں ہوتا -

صوبہ کابل کے واقعات پر نوٹ لکھتے ہوئے جیرٹ نے کہا ہے کہ ابوالفضل نے یہ بیان براہ راست ''بابر نامہ'' سے سرقہ کیا ہے اور کتاب کا نام تک نہیں لیا - دونوں بیانوں کے تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفضل نے ''بابر نامہ'' سے معلومات حاصل کی ہیں لیکن اس کے متعلق وہ خاموش نہیں ہے - اس نے اپنے مآخذ میں ''بابر نامہ'' کا نام لکھا

---

١ - آئین اکبری ، ج ١ ، ص ٢٦٥ -

٢ - آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ ، ص ١٣ -

ہے ۔ کابل کے ضمن میں بھی اس نے کئی مرتبہ فردوس مکانی (بابر) اور ”توزک بابری“ کا نام لیا ہے ۔ ہندوستان سے کابل کو جانے والے پانچ راستوں کا ذکر کرتے ہوئے ابوالفضل کہتا ہے کہ فردوس مکانی نے ان مخصوص پانچ راستوں کے متعلق نہیں لکھا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ ”بابر نامہ“ کے ذکر سے بالکل خاموش نہیں ہے ۔ اگرچہ اس نے کابل کا ذکر مختصر لکھا ہے ، پھر بھی اس نے ایسی ضروری معلومات کا اضافہ کیا ہے جن کا ذکر بابر نے نہیں کیا ۔

اڈورڈ سخاؤ ”فی تحقیق ماللہند“ کے مرتب اور مترجم نے ترجمے کے دیباچے میں لکھا ہے کہ دوسروں کے علاوہ گردیزی[1] ، ابن عقیل[2] اور رشیدالدین فضل اللہ[3] نے البیرونی کی کتابوں سے مستعار لیا ہے یا نقل کیا ہے ۔ اگر ابوالفضل نے بھی ایسا کیا ہوتا تو وہ سخاؤ کی دقیق نظر سے نہ بچ سکتا ۔ اس نے تو ابوالفضل کی تعریف میں لکھا ہے :

"Albirnni never had a suceessor before the days of Emperor Akbar."

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوالفضل نے ایسا کام کیا ہے جو البیرونی کے بعد قابلِ ذکر اور شایان ستایش ہے ۔

---

۱ ۔ گردیزی : ابو سعید عبدالحی بن الضحاک بن محمود گردیز میں پیدا ہوا جو غزنہ سے ایک دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے ۔ وہ زین الاخبار کا مصنف ہے جس میں حضرت رسول‌ؐ سے لے کر ۴۲۳ھ تک کی تاریخ ثبت ہے ۔ اس میں ہندوستان پر بھی ایک باب شامل ہے ۔

(Gardizi in India in B.S.O S., 1948 XII/3)

۲ ۔ ابن عقیل : ابو المعالی محمد بن عقیل کتاب الادیان کا مصنف ہے جو مسعود بن ابراہیم غزنوی کے عہد میں تالیف ہوئی (۱۰۸۹-۱۰۹۹ء) ۔

۳ ۔ رشید الدین فضل اللہ : تقریباً ۱۲۴۷ع کو ہمدان میں پیدا ہوا ۔ مغل بادشاہ اباقا خان ، غازان خان اور الجایتو کے عہدِ حکومت میں حکیم ، صدر اور مؤرخ کی حیثیت سے نامور ہوا ۔ ۱۳۱۸ع میں قتل ہوا ۔ وہ جامع التواریخ کتاب الاحیاء و الآثار اور دوسری کتابوں کا مصنف ہے ۔

''آئین اکبری'' سب سے پہلے ۱۸۵۵ء میں سر سید احمد خاں کے اہتمام سے شائع ہوئی - پھر ۱۸٦۷ - ۱۸۷۷ء کے درمیاں بلوخمن کی تصحیح کے ساتھ کلکتہ میں شایع ہوئی - منشی نول کشور نے بھی اس کے دو ایڈیشن شایع کیے - پہلا ایڈیشن تو سر سید ایڈیشن کی نقل تھا جو راجہ سہندر سنگھ کی فرمایش پر ۱۸٦۹ء میں شایع ہوا - دوسرا ایڈیشن بلوخمن کے مرتب کردہ ایڈیشن کے مطابق شایع کیا - فرانسیس گلیڈون نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو کلکتہ میں ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸٦ء کے درمیان اور لندن میں ۱۸۰۰ء میں شایع ہوا - ۱۸۹۸ء میں اسی ترجمہ کی صرف جلد اول و جلد دوم دوبارہ جگدیش موکلو پادھیا کے اہتمام سے شایع ہوئی - اس کتاب کا دوسرا ترجمہ کلکتہ میں ۱۸٦۸ء سے ۱۸۹۴ء کے درمیان شایع ہوا - جلد اول کا ترجمہ ایچ بلوخمن نے اور دوسری اور تیسری جلد کا ترجمہ ایچ - ایس - جیرٹ نے کیا اور تعلیقات و حواشی کا اضافہ کیا -

اسلوبِ نگارش :

''آئین اکبری'' کا اسلوبِ نگارش وہی ہے جو ''اکبر نامہ'' کی تیسری جلد کا ہے اور تاریخ نویسی میں یہ اسلوب مروجہ انداز سے بالکل مختلف ہے - اس میں طویل اور مرکب جملے نہیں - ابوالفضل نے عربی الفاظ و تراکیب لانے سے عموماً احتراز کیا ہے - اکبر تاریخ وصاف اور شرف نامہ یزدی جیسی تاریخوں کی بھاری بھرکم عربی سے لدی ہوئی تحریروں کو ناپسند کرتا تھا - انوار سہیلی اور اخلاق جلالی کی مرصع و مسجع طرزِ نگارش بھی اسے مرغوب نہیں تھی - اس لیے اس نے انوار سہیلی کی حکمت عام کرنے کے لیے اس کو سادہ زبان میں لکھوایا - گیتا اور انجیل کے ترجموں کو بھی سیدھی سادہ زبان میں لکھنے کی ہدایت کی - اس طرح تاریخ نویسی کا اسلوب بھی متاثر ہوا -

دربار میں ایرانی ثقافت اور پارسی مذہب (زرتشتی) کی مقبولیت نے ایرانی زبان کے احیا میں مدد دی - فارسی زبان سے عربی الفاظ کے اخراج کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اکبر ہندوؤں کو مسلمانوں کے

قریب لانا چاہتا تھا اور مسلمانوں کی عربی سے لدی ہوئی فارسی زبان کو ہلکا کر کے ان کا تعصب کم کرنا چاہتا تھا وہ ہندوؤں کے لیے اس کا سیکھنا آسان کرنا چاہتا تھا کیونکہ اب دفتر مالیات میں ہندو ملازمین کے لیے فارسی کا سیکھنا لازم تھا کیونکہ فارسی سرکاری زبان قرار دی جا چکی تھی -

فارسی نثر کی تاریخ میں ''آئین اکبری'' کی نثر ایک منفرد تجربہ ہے - یہ تجربہ بڑی محنت ، لیاقت اور زبان پر دسترس کا متقاضی تھا - خالص فارسی میں مفہوم کو اس طرح ادا کرنا کہ عبارت میں وضاحت و صراحت ہو اور زبان بھی اجنبی اور غیر فصیح نہ ہو ، آسان کام نہیں تھا - اسی مشکل کے پیشِ نظر بعد میں آنے والے مؤرخین نے اسے پسند نہیں کیا اور پرانے پرتکلف اسلوب پر قائم رہے - ایران میں بیسویں صدی کے پہلے ربع میں تطہیر زبان کی تحریک چلی تھی اور آج تک جاری ہے - لیکن بہت کم لوگوں کو اس میں اطمینان بخش کامیابی ہوئی - غریب اور نامانوس الفاظ کی وجہ سے عبارت ناگوار خاطر ہوتی ہے اور مطالب کے ابلاغ میں بھی قاصر رہتی ہے - ابوالفضل نے بھی بعض سادہ فارسی الفاظ کے بجائے قدیم فارسی اور دساتیری الفاظ استعمال کیے ہیں مثلاً :

مقصد = پسیچ	پیغمبر = وخشور
عاریہ = سپنجی	زبان = زفان
زمین = بوم	جستجو = پژوهش
مرد با شکوہ = فروبیدہ	پاداش = بادافراہ

جیرٹ چونکہ اس نئے اسلوب سے آشنا نہیں تھا اس لیے اس نے اس کو abrupt, close and enigmatic لکھا ہے یعنی بے ربط، گُھٹا گُھٹا اور معمائی لیکن حقیقت میں اس کی عبارت واضح اور وزنی ہے - اس میں ابہام نہیں - ہم ذیل میں ''آئین اکبری'' کی عبارت کا ایک ٹکڑا درج کرتے ہیں جو ابوالفضل کی اس قسم کی تحریر کا واضح نمونہ ہے - اس عبارت میں صرف

ایک عربی لفظ استعمال ہوا ہے :

''این فیل شگرف جانور در تنومندی و استواری کوہ آسا و در دلیری و جان شکری تیر کردار ۔ در شکوہ افزائی و کشور کشائی سترگ‌نیرو و در آبادی سپاہ و ملک را والا دست آویز ۔ شناسندگان ہندی بوم گزیدہ را برابر پانصد سوار بر شمارند و بہم عنان دلیران تیر انداز یک تنہ کار ہزاران کنند ۔ تندخوئی و سبک عنانی چون تازی بارگی ۔ در فرمان پذیری و رموزدانی بسان زیرک مردم و در شورش مستی و آشوب کینہ وری بیشتر ۔''

(آئین اکبری ، ج ۱ ، ص ۱۲۷ ، ۱۲۸)

مکاتبات علاّمی

جلد اوّل

ابوالفضل کے مکاتیب اور دوسری متفرق تحریریں ابوالفضل کے بھانجے عبدالصمد نے تین جلدوں میں مرتب کیں :

۱ - پہلی جلد ان مکاتیب پر مشتمل ہے جو ابوالفضل نے اکبر کی طرف سے بیرونی ممالک کے سلاطین و حکام اور امرائے سلطنت کو لکھے ۔

۲ - دوسری جلد ان مکاتیب پر مشتمل ہے جو ابوالفضل نے اپنی طرف سے شاہنشاہ ، شاہزادگان اور مملکت کے بلند پایہ عہدہ داروں کو لکھے ۔

۳ - تیسری جلد مقدموں ، دیباچوں ، تقریظوں ، کتابوں کے انتخابات پر تعلیقوں ، اور دوسری نگارشات پر مشتمل ہے ۔

یہ مکاتبات ۱۰۱۵ھ میں مرتب ہوئے جیسا کہ ''مکاتبات علامی'' ، سے سالِ تالیف نکلتا ہے ۔ یہ کتاب ''انشائے ابوالفضل'' کے نام سے بھی معروف ہے اور تین دفتروں میں منقسم ہے ۔

پہلی جلد میں اٹھارہ خطوط ہیں ۔ ان میں سے زیادہ اہم وہ ہیں جو توران ، ایران ، کاشغر ، خاندیس ، احمد نگر اور سپین کے حکمرانوں کو لکھے گئے ہیں اور بڑے دوستانہ اور شایستہ لہجے میں تحریر ہوئے ہیں ۔ کاتب سلطنت کی شان و عظمت ، طاقتور فوج ، بادشاہ کی عالی ظرفی ، عالی بختی اور اس پر رب العزت کی عنایات کا ذکر کر کے مکتوب الیہم کو مرعوب کرنا چاہتا ہے ۔ وہ بتاتا ہے کہ سفرا اور تحائف کے باہمی تبادلے سے دوستانہ مراسم کی ابتدا کرنی چاہیے اور جن کے ساتھ پہلے سے روابط قائم ہیں ، باہمی معاہدات کے ذریعے ان کے ساتھ روابط کو اور بھی مستحکم کرنا چاہیے اور مخلصانہ ارادت اور خیر اندیشی کا اظہار کرنا چاہیے ۔

وہ خطوط جو خانخانان ، شہباز خان ، حکیم ہمام اور شاہزادہ مراد کو لکھے گئے ہیں ، ان سے مقصود یہ ہے کہ مخلص اور وفادار خدام کی تعریف و توصیف کی جائے اور انھیں مزید شاہی مراعات کا سزاوار قرار دیا جائے ۔ دانایانِ فرنگ کے نام خط اصل میں سپین کے بادشاہ فلپ دوم کے نام ہے ۔ یہ بات پنجاب پبلک لائبریری ہیں موجود نسخہ٬ خطی شمارہ ج - ۱۰۱ اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ''شرح مکاتبات علامی'' مؤلفہ ملاحت سے بھی ظاہر ہے جہاں یہ خط ان عنوانات کے ساتھ درج ہے ۔

(۱) فرمان شاہنشاہی بوالیِ فرنگ ۔

(۲) نشان والا بہ والی ولایت فرنگ ۔

عبداللہ خان اور سید مظفر اس خط کو مکتوب الیہ کے پاس لے جانے کے لیے مقرر ہوئے تھے ۔ سید مظفر تو دکن میں چھپ گیا ۔ عبداللہ خان اور اور پادری مونسریٹ (جو اس کے ہمراہ تھا) گوا میں پہنچے جہاں سے انھیں سپین روانہ ہونا تھا لیکن عبداللہ خان فتح پور سیکری واپس آ گیا اور یہ خط مکتوب الیہ کے پاس نہ جا سکا[1] ۔

---

1. Commentry by Father Monserrate, p. XI.

ایک خط جو ممالک محروسہ کے ناظموں اور افسروں کو لکھا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر نے جان و مال کی حفاظت اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے کس قسم کے داخلی انتظام کیے تھے - در اصل یہ خط ان تمام عہدیداروں کے لیے ضابطۂ اخلاق اور ہمہ وقتی ہدایت نامہ ہے جن کا ملک کے نظم و نسق سے تعلق ہے -

عبداللہ خان اوزبک کے نام خط مکتوبہ ۹۹۴ھ ''اکبر نامہ'' جلد دوم صفحات ۴۸۷ - ۵۰۱ پر بھی درج ہے - عجیب بات یہ ہے کہ عبداللہ خان کے نام تین خط جو ''مکاتبات علامی'' میں مندرج ہیں ، ان میں سے یہ خط کسی ایک کی ہو بہو نقل نہیں - اس خط کا پہلا پیرا گراف جو 'استشہام گلدستۂ بہار' سے شروع ہوتا ہے اور ''بوضوح پیوست'' پر ختم ہوتا ہے 'مکاتبات' میں مذکور تیسرے خط کے مطابق ہے - یعنی صفحہ ۱۳ پر سطر ۹ سے لے کر آخر تک - یہ دوسرا خط سادہ اور مختصر ہے اور خیال ہے کہ یہی خط حکیم ہمام کے توسط سے بھیجا گیا ہو گا - تیسرا خط اسی دوسرے خط کی توسیع یافتہ صورت ہے - ایک پیرا گراف جو ''تشیید مبانی'' سے شروع ہوتا ہے اور ''سلوک باشد'' پر ختم ہوتا ہے ، دونوں خطوں میں یکساں ہے لیکن تیسرے خط میں تفصیل زیادہ ہے اور عبارت آرائی بھی بہتر ہے - غالباً تیسرا خط پہلے لکھا گیا تھا لیکن بعض وجوہ کی بنا پر وہ بھیجا نہ جا سکا - مصنف نے کسی صاحبِ اختیار کے کہنے پر یا پہلے مسودے پر نا مطمئن ہونے کی بنا پر خود اسے دوبارہ لکھا - مکاتبات کے مرتب کو یہ دونوں خطوط مل گئے اور اس نے دونوں کو شامل کر لیا -

شاہنشاہ ایران اور شاہ توران کے نام خطوط تاریخی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں کیونکہ ان سے دونوں ملکوں کے سیاسی روابط پر روشنی پڑتی ہے - اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ یا ملک کا عمومی مذہب سیاسی روابط پر بہت اثر انداز ہوتا تھا - عبداللہ خان کے نام خط میں جو سُنی مذہب رکھتا تھا ، اکبر اس کو خدا ، رسول اور اسلام پر اپنے پختہ

اعتقاد کا یقین دلاتا ہے اور اسے اپنے ہم مذہب شاہِ عراق کی مدد کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور صفویوں کو اوباش قزلباش کہتا ہے کیونکہ وہ شیعہ ہیں اور شاہِ عراق کے مخالف ہیں ۔ شاہِ ایران کے نام خط میں مروجہ دستور کے مطابق حمد و نعت کے بعد وہ اہلِ بیت کا ذکر کرتا ہے اور انھیں رازدارانِ اسرارِ کبریا لکھتا ہے اور خدا سے دعا کے ساتھ ساتھ استمدادِ ارواحِ ائمۂ معصومین کا امیدوار بنتا ہے تاکہ اس قسم کے کلمات سے بادشاہ اور اراکینِ سلطنت خوش ہو سکیں ۔

عبداللہ خان کے نام تیسرا خط تیسویں سال جلوس یعنی ۹۹۳ھ میں لکھا گیا تھا ۔ اس وقت تک اکبر اسلام کے بنیادی عقاید سے منحرف ہوچکا تھا اور اسلامی ممالک میں اس کے متعلق بدگمانیاں پھیل چکی تھیں ۔ چنانچہ عبداللہ خان نے اپنے خط میں اکبر کے مذہبی عقاید کے متعلق شکوک کا اظہار کیا تھا اور محاسبہ کیا تھا ۔ اکبر اس کے جواب میں اپنے درست عقاید کا یقین دلاتا ہے اور اپنے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے :

" بتخانہای ہندوان بد کیش خانقاہ درویشان خدا اندیش گردید و بجای ناقوسِ بت پرستان بانگ نماز بلندی گرفت[۱] ۔"

حالانکہ واقعات کے لحاظ سے یہ بیان صحیح نہیں ۔ اکبر نے ہندوؤں کے ساتھ دوستانہ و مربیانہ روش اختیار کی ۔ جزیہ معاف کیا ۔ ۹۷۰ھ/ ۱۵۶۲ع میں ہندو راجپوت شاہزادی سے شادی کی اور اسے محل میں بت پرستی کی اجازت دی ۔

اس قسم کے خطوط میں اکبر اور ان کا لکھنے والا ابوالفضل دونوں سیاسی حکمتِ عملی کے ماہر نظر آتے ہیں اور انھوں نے مخالفین کے اعتراضات کو دور کرنے کے لیے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ ان خطوط کے الفاظ بھی پر شکوہ اور با رعب ہیں تاکہ قاری یا سامع کو

---

۱ ۔ مکاتبات علامی ، ص ۲۳ ۔

مرعوب کر کے نفسیاتی طور پر بھی متاثر کیا جا سکے ۔ اگرچہ یہ خط اکبر کی طرف سے لکھے گئے ہیں لیکن ان کے پیچھے ابوالفضل کا ذہن کام کر رہا ہے ۔ ان خطوط کو پڑھ کر ہر شخص ، دبیر و منشی کی حیثیت سے ابوالفضل کی لیاقت کا معترف ہوتا ہے ۔ اکبر کا ذہن اور ابوالفضل کا قلم متفق و متحد ہو کر کام کرتے ہیں ۔ ابوالفضل مملکت کا صاحبِ اختیار ترجمان تھا ۔

اسلوب :

مشرقی مصنفین تو متفق اللفظ ہو کر ابوالفضل کی مکتوب نگاری کی تعریف و تحسین کرتے ہیں مثلاً "مآثرالامرا" کا مصنف لکھتا ہے :

"در فن انشا طرفہ سحری بکار بردہ ۔ با آنکہ از تکلفات منشیانہ و تصلفات مترسلانہ عاری است اما متانت سخن و استخوان بندی کلمات و نشست مفردات و تراکیب مستحسنہ و فقرات بیگانہ قسمی است کہ دیگری را تتبع بد شواری میسر است[1] ۔"

لیکن ایک انگریز فاضل فلٹ کے پیشِ نظر :

"Each letter must be regarded as a riddle, couched in veiled language[2]."

جیرٹ کا خیال ہے :

"These epistles which form one of his monuments to fame, consist of interminable sentences involved in frequent parenthesis difficult to unravel[3]."

فلٹ نے ایرانی اخبار کے ایک مدیر و منتظم کا نام لیا ہے ۔

"Who declared his inability to fathom the meaning of even two consequent lines[2]."

---

۱ ۔ مآثر الامرا ، ج ۲ ، ص ۶۲۲ ۔

2. Translation of a letter by D.C. Phillot, p. ?

3. Introduction to the Translation of 'Ain-i-Akbari, . Vol. II.

ہمارا خیال ہے کہ ایرانی صاحب کلاسیکی فارسی اور عربی سے نا آشنا ہوں گے تبھی تو وہ ابوالفضل کی دو سطروں کا بھی مفہوم نہیں سمجھ پائے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ خط ایک وسیع المعلومات فاضل شخص نے لکھے ہیں۔ ان کو سمجھنے کے لیے زبان و ادب، ذہانت اور مشرقی علوم سے واقفیت کا ہونا ضروری ہے۔ ایک متوسط درجے کا تعلیم یافتہ شخص ابوالفضل کو نہیں سمجھ سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے انگریزی زبان میں معمولی سدھ بدھ رکھنے والا شخص شیکسپیئر، ملٹن اور براؤننگ کو نہیں سمجھ سکتا۔ ہربرٹ سپنسر نے بھی اس قول کی تائید کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

"The question may sometimes be decided by considering the capability of the persons addressed. A greater grasp of mind is required for the ready comprehension of thoughts[1]."

ابوالفضل کا تخیل واضح تھا اس لیے وہ اپنے خیالات کو صراحت سے بیان کرتا کہ مکتوب الیہم متأثر ہوتے۔ بلوخمن نے کہا:

"If his letters addressed to Abdullah Khan Uzbuk had been obseure, involved, peurile, he could not have said, "I am more afraid of Abul Fazal's pen than of Akbar's arrow.[2]"

ان خطوط کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے مندرجہ ذیل نکات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

۱ - یہ خطوط شہنشاہ کی جانب سے ازمنہ وسطیٰ کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف لکھے گئے تھے۔

۲ - وہ تکلفات کا زمانہ تھا۔

۳ - بادشاہ کی شخصیت بڑی محترم و گرامی تھی۔ لوگ اسے سجدہ بھی کرتے تھے۔

---

1. Philosophy of style, p. 19
2. Preface to Ain-i-Akbari, p. ?

۴ - سیاسی نگارشات میں پرتکلف اسلوب بیان میں لکھنا ضروری تھا -

۵ - کسی بادشاہ کو صرف اتنا لکھنا کہ 'نامہ' شما و اصل شد' اس کی توہین کے مترادف ہوتا - انھی امور کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابوالفضل دور اندیش اور معاملہ فہم تھا کہ اس نے خیالات کو پرتکلف انداز میں لکھا -

شاہِ ایران اور حکمرانِ توران کے نام خطوط پرتکلف ہیں اور ابوالفضل نے طویل مرکب جملے استعمال کیے ہیں لیکن اس کا تخیل غیر واضح نہیں ہے - وہ سمجھتا ہے طویل جملوں سے عبارت میں وقار پیدا ہوتا ہے اور غور و فکر کی طرف رجحان بڑھتا ہے - جب وہ واقعات بیان کرتا ہے تو اس کا انداز سادہ تر اور صریح تر ہوتا ہے - عبداللہ خان کے نام ایک خط کے آغاز میں جو ''استشمام گلدستہ' بہار'' سے شروع ہوتا ہے - اس کا بیان پیچدار ہے لیکن خط کے درمیانی حصے میں اس کا بیان سادہ ہے - چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں مثلاً کاشغر ، خاندیس اور احمد نگر کے حکام کے نام خطوط میں تکلف بہت کم ہے اور جملے بھی چھوٹے استعمال کیے ہیں -

اپنے خیالات و افکار بیان کرنے میں ابوالفضل موقع و محل کے مطابق نہایت موزوں و مناسب الفاظ و مرکبات استعمال کرتا ہے - مترادفات بے مزہ اور خستگی آور نہیں بلکہ ایمائیت کے حامل ہیں - بعض اوقات مسجع جملے بھی آ جاتے ہیں اور اکثر جملوں میں الفاظ کا دروبست توازن و آہنگ پیدا کرتا ہے - اس کا اسلوبِ نگارش صنایع و بدایع سے آراستہ ہے - لیکن اس کی تشابیہ و استعارات معنی خیز ہیں اور محض زینت و آرایش کے لیے استعمال نہیں ہوئے - مستشرقین میں سے صرف بلوخمن ابوالفضل کے فنِ تحریر کو سمجھ سکا ہے - وہ لکھتا ہے :

"His letters are perfect models... His composition stands unique and though every where studied, he cannot be, and has not been imitated[1]".

---

2. Prefaee to 'Ain-Akbari, p. Li

مکاتیبات علامی جلد دوم

اسی جلد میں ایک سو خطوط شامل ہیں ۔ ان میں سے نامور مکتوب الیہم کے نام اور خطوط کی تعداد حسبِ ذیل ہے :

اکبر	...	۲
دانیال	...	۲
خانخانان	...	۳۷
اعظم خاں کوکہ	...	۲
شیخ مبارک	...	۲
فیضی	...	۵
راجی علی خان	...	۲
میر شریف آملی	...	۷

ابوالفضل نے ان میں سے بعض خطوط وزیر یا منشی یا مدار المہام دکن کی حیثیت سے لکھے ہیں ۔ خطوط کا لہجہ دوستانہ لیکن باوقار ہے ۔ عبدالرحیم خانخانان کے نام ۳۷ خطوط کے ابتدائیہ کلمات سے ظاہر ہے کہ ابوالفضل کے دل میں اس کا بڑا احترام تھا ۔ ایک خط سے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کسی مسئلے پر اتفاق رائے نہیں ۔ ابوالفضل نے ذہنی توازن قائم رکھا ہے اور اس مشکل کو حل کرنے کی تجویز پیش کی ہے ۔ وہ اپنی دفاع میں دستاویزی ثبوت پیش کرتا ہے اور پرانی دوستی کو یاد دلاتا ہے ۔ ان خطوط سے ابوالفضل کی قدرتِ زبان اور نامہ نگاری میں فنی مہارت آشکار ہے ۔ ہر خط نئے القاب اور نئے اشعار سے شروع ہوتا ہے ۔ سترہ صفحات پر مشتمل خانخانان کے نام ایک طویل خط نظری و عملی اخلاق پر ایک مبسوط رسالہ ہے ۔ ابوالفضل کو انسان کی معاشرتی اقدار کا گہرا شعور ہے ۔ اور وہ زندگی کے پیچیدہ مسائل پر پختہ مشورے دیتا ہے ۔ میر شریف آملی کے نام ایک طویل خط میں سماجی اور ملکی اخلاق پر بحث کی ہے ۔ اس کا نظریہ مشرق ہے اور وہ شاہزادہ دانیال ، خانخانان اور دوسروں کو "اخلاق جلالی" ، "اخلاق ناصری" ، اور "کیمیائے سعادت"

کا دوسرا نصف حصہ پڑھنے کی سفارش کرتا ہے ۔

ان خطوط کو پڑھ کر قاری ابوالفضل کے اخلاق و کردار سے متأثر ہوتا ہے کہ ابوالفضل دیانت داری سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوشاں ہے ۔ وہ اپنے خطوط میں دوسروں کو فرض کا احساس دلاتا ہے ۔ خلقِ خدا سے بھلائی کرنے اور دوسروں کے خیالات کو تحمل سے سننے کی تلقین کرتا ہے ۔

وہ خطوط جو ابوالفضل نے مہماتِ دکن کی انجام دہی سے متعلق اکبر ، دانیال ، خانخانان ، شیر خواجہ ، بادشاہِ گولکنڈہ ، صادق اور دوسرے اشخاص کو لکھے ہیں ، تاریخی نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہیں ۔ کیونکہ اس مشکل دور میں دکن کے صحیح حالات کے متعلق یہ خطوط ایک غیر سرکاری حقیقت پر مبنی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

دوستوں کے نام خطوط میں وہ ایک صوفی کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ وہ ان کو اصلاحِ باطن کی طرف متوجہ کرتا ہے ۔ دنیاوی تعیشات سے دور رہنے کی نصیحت کرتا ہے ۔ وہ "حدیقۂ سنائی" اور "مثنوی مولانا روم" کے مطالعے کی سفارش کرتا ہے اور ان کے اشعار بھی لکھتا ہے ۔ ان خطوط سے اس کے عجز و انکسار اور قناعت و ایثار کا اظہار ہوتا ہے ۔

اسلوب

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفضل بلند پایہ انشا نگار ہے ۔ جو لوگ بالعموم اس کے طرزِ نگارش کو مشکل اور مبہم قرار دیتے ہیں ، انھوں نے شاید ان خطوط کا مطالعہ نہیں کیا ۔ ان خطوط میں کہیں لفاظی اور بے جا عبارات آرائی نہیں ۔ یہاں تک کہ بادشاہ اور شاہزادوں کے نام خطوط میں بھی اس کا اسلوب صریح اور مستقیم ہے ۔ ان خطوط میں پیچیدہ ، طویل اور مرکب جملے نہیں جو ہمیں ان خطوط میں نظر آتے ہیں جو اس نے بیرونی ممالک کے حکمرانوں کو لکھے ہیں ۔ بعض جگہ مطالب سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے ۔ کیونکہ قاری مخاطب یا شخص مذکور کی شخصیت یا واقعات ما قبل سے واقف نہیں ہوتا ۔ کہیں کہیں مصنف اپنے لیے اور

مکتوب الیہ کے لیے ضمیرِ غائب استعمال کرتا ہے اس لیے جو شخص اس انداز سے آشنا نہیں وہ جملوں کے معانی سمجھنے میں دقت محسوس کرتا ہے۔

ابوالفضل کے اسلوب کی جذباتی صفت اس کے زورِ بیان اور اخلاص سے ظاہر ہوتی ہے۔ خانخانان کے نام خطوط میں ہمدردی، محبت اور ظرافت متحرک نظر آتی ہے۔ خطوط میں موزوں اشعار کے استعمال نے ان کو دلچسپ اور خوشگوار بنا دیا ہے۔

اس کے اسلوب کی تخیلاتی صفات میں تجسیم اور ایمائیت ہے۔ الفاظ و مرکبات غائر مطالب کے حامل ہیں۔ وہ ہر لفظ کی انفرادیت کو جانتا ہے اور مرادفات کو بے سوچے سمجھے استعمال نہیں کرتا۔

اس کے اسلوب کی جمالیاتی کشش اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ الفاظ کو اس نہج پر استعمال کرتا ہے کہ ان سے میٹھی صدا پیدا ہوتی ہے۔ جملے میں حروفِ علت یا حروف صحیح کی تکرار سے ترنم پیدا ہوتا ہے۔ ابوالفضل اس تکنیک کو سمجھتا تھا۔ مثال کے لیے یہ جملے دیکھیے:

اثباتاً و نفیاً۔ وجوداً و عدماً چہ میگوید۔ (ص ۸۵)

سبحان اللہ وامغیشا۔ واغوثا۔ زیادہ چہ نویسد۔

ای سالک مسالک طریقت از کج رویہا و نادرستیہا این نفس چہ نویسد۔

کشان کشان بعالم بیان می آرد۔

ان خطوط میں مقفی و مسجع الفاظ و مرکبات کا استعمال بھی عام ہے۔ اس قسم کے الفاظ کا در و بست صوتی آہنگ پیدا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ کا تقابل دیکھیے:

مجالست روحانی و مطارحت معنوی (ص ۱۳۸)

عتاب و خطاب، مباسطت و ملاعبت در نزہتگاہ طبیعت (ص ۱۳۵)

طراوت بخش دل پژ مردہ و نضارت دہ خاطر افسردہ (ص ۱۳۸)

مکاتبات علامی جلد سوم :

تیسری جلد ان کتابوں کے دیباچوں اور خاتموں پر مشتمل ہے جو اس نے خود تالیف کیں ۔ یا مرتب کیں ۔ باقی متفرق تحریریں ہیں ۔ تبصرے اور تقریظیں ہیں جو اس نے دوسروں کی نگارشات کے متعلق قلم بند کیں ۔

ان میں سے اکثر تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف ابوالفضل کا خاص موضوعِ مطالعہ رہا ہے ۔ صوفی شعرا کے علاوہ اس نے تصوف کے تمام مکاتبِ فکر کو غور سے پڑھا ہے ۔ وہ ''آداب المریدین'' اور اس کی شرح ''مکتوبات شرف الدین منیری'' اور ''طبقات صوفیہ'' مصنفہ عبدالرحمٰن سلیمی کے نام لیتا ہے ۔ ان کتابوں میں سے اس نے انتخاب کیا ہے اور ان پر تبصرہ لکھا ہے ۔ تقریباً ۹۹۰ھ سے ۱۰۰۳ھ تک کی مدت میں یہ تمام تحریریں معرض وجود میں آئیں ۔ اس عرصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بار بار خدا سے دعا مانگ رہا ہے اور اپنے مکار نفس کے پنجے سے رہائی چاہتا ہے ۔ وہ اغراضِ نفسانی ، احمقانہ خواہشات اور حسد و نفرت سے خلاصی حاصل کرنے کا آرزو مند ہے ۔ اس کی منتہائے آرزو ہے کہ مخلوق سے صلحِ کل و اتحاد حاصل کر کے وہ روحانی ارتقا کی منازل طے کرے اور عشقِ مطلق سے رضائے مطلق میں داخل ہو اور فنائے نفس سے نکل کر فنا فی اللہ کے آخری مقام تک پہنچ جائے ۔

ابوالفضل کو مطالعے کا بڑا شوق تھا ۔ اپنی درباری زندگی میں مصروفیات کے باوجود مطالعے کے لیے وقت نکال لیتا ، اشعار جمع کرتا اور دوسرے بزرگ مصنفین کی نگارشات سے اقتباسات کرتا ۔ اس طرح اس کے پاس بہت سی بیاضیں جمع ہو گئی تھیں جن پر اس نے کتابوں کے دیباچے اور خاتمے لکھے ہوئے تھے ۔

اس نے ایک ''کجکول'' مرتب کیا تھا جس میں اس نے صوفیہ کے وہ اقوال و الفاظ درج کیے تھے جو انھوں نے وجد و کیفیت کی حالت میں کہے تھے ۔ اس نے ایک ''کجکول بزرگ'' کا ذکر کیا ہے جس کا اس نے دیباچہ بھی لکھا تھا ۔ یہ ''کجکول'' مرتب کے وسیع مطالعے کا آئینہ دار

اور معلومات کا مخزن تھا ۔ اس نے "کجکول" کو علوم عقلی ، نقلی ، الہامی ، شعری اور متفرقات میں منقسم کیا تھا ۔ محمد حسین آزاد نے یہ "کجکول" ابوالفضل کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا تھا[۱] ۔

ابوالفضل نے ایک اور رسالہ مرتب کیا تھا جسے وہ "بیاضِ معاملات" کہتا ہے ۔ اس نے اس کا مقدمہ بھی لکھا تھا ۔ بیاض میں فریقین کے درمیان لین دین کے معاملات کے متعلق عمومی اصول بتائے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے ملک میں منڈیوں کو نظم و ضبط میں رکھنے کے لیے قوانین وضع کیے گئے تھے ۔ ابوالفضل لکھتا ہے کہ یہ دستاویز تیار کر کے میں نے بادشاہ کے لیے ایک اہم خدمت انجام دی ہے اور ان حساد کے لیے یہ مسکت جواب ہے جو کہتے ہیں کہ میں ایک معمولی طالب علم اور سپاہی ہوتا ہوا کیسے دربار کے اعلیٰ منصب تک جا پہنچا ۔

ابوالفضل کا حاسۂ انتقاد :

ابوالفضل نے صوفی شعرا کا عمومی مطالعہ کیا تھا لیکن وہ شعرا خاص طور پر اسے محبوب تھے جنھوں نے زندگی میں صدمات اٹھائے ، انھیں دنیاوی مال و متاع کی بے ثباتی کا احساس ہوا اور انھوں نے محسوس کیا کہ انھوں نے جھوٹی اور غیر حقیقی خواہشات کے تعاقب میں اپنی قوتوں کو ضائع کیا ۔ اس قسم کے شعرا میں خاقانی ، سنائی ، کمال ، اسماعیل ، ظہیر فاریابی اور رومی ہیں ۔ رومی کے سوا باقی سب اپنی زندگی کے ابتدائی حصے میں دربار سے وابستہ تھے ۔ بعد میں انھوں نے درباری زندگی کو ترک کیا ۔ ابوالفضل نے ان کے ایسے اشعار منتخب کیے ہیں جن میں زندگی کا نتیجہ خیز تجزیہ اور عمیق مطالعہ ہے ۔ وہ ان پر عمل کر کے اصلاحِ احوال کرنا چاہتا تھا ۔ خاقانی اور سنائی کا مقابلہ کر کے وہ کہتا ہے کہ میں نے ان دونوں کے اشعار انتخاب کر کے مسرت حاصل کی ہے لیکن "حدیقہ سنائی" کے اشعار نے اسے ناقابلِ بیان سرور بخشا ہے ۔

ابوالفضل کو شعر کے استحسان کا اچھا ملکہ حاصل تھا ۔ شعرا کے

---

۱ ۔ نگارستان فارس ، ص ۱۲۲ ۔

بارے میں اس کی رائے بڑی جامع ہے۔ بعض اوقات شاعر کے متعلق ایک مرکبِ ناقص شاعر کی پوری شخصیت کو سامنے لے آتا ہے مثلاً خاقانی کے لیے 'دانش پذیر کلمات قدسیہ'، "دیوان انوری" کے لیے 'نگار خانۂ معنی و نقش آرای صورت' انوری کے لیے 'ابوالمدیح' اور 'ہجابندہ' اور سنائی کے لیے 'مثنوی گر کیمیا گر' نہایت موزوں مرکبات ہیں جو شاعر یا اس کی شاعری کو بیان کرتے ہیں۔

ابوالفضل کا جمالیاتی احساس:

ابوالفضل نے "مرقع شاہی" پر جو خطبہ لکھا ہے اس سے خطاطی کے متعلق اس کا احساسِ جمال واضح ہے۔ مرقع یعنی البم خطاطی کے بہترین نمونوں کا منفرد مجموعہ تھا جو شاہی وسایل سے اکٹھے کیے گئے تھے۔ ان کے جمع کرنے کا آغاز شاہزادہ سلیم نے کیا تھا۔ ابوالفضل نے اس خطبے میں ہر رسم الخط کی تعریف کی ہے۔ پھر اسلامی ممالک میں خصوصاً اس کے ارتقا کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس نے حروفِ تہجی کی تخلیق، تکوین اور مختلف مدارج میں ان کے ارتقا کا سراغ لگایا ہے۔ وہ نئے رسم الخط کے موجد بزرگ خطاطین کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اس نے اپنے عہد کے ان خطاطین کا بھی ذکر کیا ہے جنھیں شاہانہ سرپرستی حاصل تھی۔

وہ فنونِ لطیفہ کا بڑا نقاد نظر آتا ہے۔ اس نے خط کے حسن، تناسب، توازن اور توافق کے استحسان میں حسنِ نظر کا مظاہرہ کیا ہے۔ شاعری کے متعلق اس کا حاسہٴ انتقاد نہایت بلیغ ہے جیسا کہ اس کے منتخبہ اشعار سے ظاہر ہے جو اس نے اپنے مکاتبات میں استعمال کیے ہیں۔ موسیقی کی تاثیر کے متعلق اس کا خیال ہے کہ موسیقی غم اور مسرت دونوں پیدا کرتی ہے لیکن عام تأثر یہ ہے کہ غم و اندوہ زیادہ پیدا کرتی ہے۔ رات کے وقت جب موسیقار راگ چھڑتا ہے تو بھولی بسری یادیں دوڑتی آ جاتی ہیں۔

اس جلد کا کافی حصہ ''اکبر نامہ'' کی پہلی، دوسری اور تیسری جلد

کے خاتموں پر مشتمل ہے ۔ آخری حصے میں ابوالفضل نے اپنے اور اپنے آبا کی زندگی کے حالات قلم بند کیے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود نوشت حالات ''اکبر نامہ'' جلد سوم کا خاتمہ ہے نہ کہ ''آئین اکبری'' کا خاتمہ ۔ ''مرکزِ ادوار'' کے خاتمے سے ظاہر ہے کہ اکبر نے فیضی کو ''خمسۂ نظامی'' کی تقلید میں پانچ مثنویاں لکھنے کی فرمایش کی تھی ۔

اسلوب :

متفرق تحریروں کے اِس مجموعے میں موضوع کے ساتھ ساتھ اسلوب بھی بدلتا جاتا ہے ۔ اکثر تحریریں ان مصنفین کے کلام پر تبصرے ہیں جن کے متعلق وہ سوچتا اور غور کرتا ہے اس لیے قدرتاً بات کہنے کا انداز شاعرانہ اور تخئیلی ہے ۔ وہ اپنے گہرے احساسات کے اظہار کے لیے الفاظ تلاش کرتا ہے اور صحیح و واضح ابلاغ کے لیے نئے الفاظ تراشتا ہے ۔ وہ تصوف و فلسفہ کی اصلاحات استعمال کرتا ہے ۔ اس لیے زبان مشکل ہو جاتی ہے ۔ لیکن مبہم و پیچیدہ نہیں ہوتی ۔ زورِ بیان اور اخلاص ہر جگہ موجود ہے ۔ اس کے وضع کردہ نئے مرکبات خیال افروز ہیں ۔ مثال کے لیے یہ مرکبات دیکھیے :

''ابوالحرص ، ابن الدنیا ، نگارخانۂ معنی ، غنودہ بختان ، عبدالدیناری عبدالطبعی ، تحسین پذیر ، تحسین گر ، ہجابندہ ، ابوالاجدادِ عبارت ، پردگیانِ آسانی ۔''

جب وہ بادشاہ ، شاہزادوں اور اپنے محبوب اشخاص کی صفات بیان کرتا ہے تو شاعرانہ طرز اختیار کرتا ہے اور مقفٰی و مسجع نثر لکھتا ہے ۔ اس کے الفاظ و مرکبات کا انتخاب نہایت عمدہ ہے ۔ وہ الفاظ کے استعمال میں ماہر فن کار ہے ۔ مقفٰی و مسجع عبارت لکھنے میں توازن و تناسب کا قائم رکھنا بہت ضروری ہے ۔ شاہزادہ سلیم کی تعریف میں مندرجہ ذیل مرکبات مثال کے لیے پیش کیے جاتے ہیں :

غرۂ ناصیہ سعادت و اقبال ، قرۂ باصرۂ عظمت و جلال ، درۃ التاج

سلطنت کبریٰ ، خلف الصدق خلافت ِ عظمیٰ ، فروغ ِ دودمان ِ اجلال نور پرور نیر افضال ۔

رقعات ابوالفضل

اس مجموعے میں باون خطوط شامل ہیں ۔ چالیس خطوط اپنے خاندان کے افراد ، احباب اور علماء و مشایخ کو مخاطب کر کے لکھے ہیں ۔ مشمولات سے ظاہر ہے کہ ابوالفضل کے دل میں ان مرشدان ِ معنی کے لیے کتنا احترام ہے ۔ وہ ان سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کی بخشش اور نجات کے لیے خدائے غفور و رحیم سے دعا مانگیں وہ انھیں یقین دلاتا ہے کہ وہ اعلیٰ منصب اور افراط ِ دولت کے باوجود ان کے حقوق سے غافل نہیں ۔ وہ اکثر ان کی مدد کرتا ہے اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر انھیں زمین یا وظیفۂ معاش دلاتا ہے ۔

ان رقعات سے ابوالفضل کی اصل حقیقت اجاگر ہوتی ہے ۔ وہ فیاض ، مرنجان مرنج اور "بھولو اور بخشو" طبیعت کا مالک نظر آتا ہے ۔ اگر کوئی شخص اس سے ناراض ہو جاتا تو وہ اس سے معافی کا خواستگار ہوتا اگرچہ وہ شخص منصب و مرتبت میں اس سے چھوٹا کیوں نہ ہوتا جیسا کہ عرفی اور حسین ثنائی کے نام خطوط سے ظاہر ہے ۔

رقعات کو کسی خاص ترتیب سے مدون نہیں کیا گیا ۔ صرف چار خطوط پر تاریخ ِ کتابت درج ہے ۔ سب سے متأخر تاریخ ۱۰۰۴ھ ہے ۔ بہت کم خطوط کے آخر میں مقام ِ کتابت درج ہے ۔ تاریخ کے نہ ہونے سے زندگی کے متعلق معلومات استخراج کرنا اور اس کے معتقدات کا ارتقا معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ مندرجہ ذیل خطوط کے مشمولات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قیام ِ دکن کے زمانے میں لکھے گئے تھے :

۱ ۔ شکر النساء دختر اکبر کے نام ۔
۲ ۔ مادر ِ دانیال کے نام ۔
۳ ۔ مادر ِ اکبر کے نام ۔
۴ ۔ شاہزادۂ سلیم کے نام ۔

۵ - شاہزادۂ مراد کے نام -
٦ - شاہزادۂ دانیال کے نام -
۷ - اکبر کے نام -

ان خطوط میں مصنف نے عبدالرحیم خانخانانِ کے متعلق ناشایستہ زبان استعمال کی ہے اور اسے اس کے باپ بیرم خان کی طرح خاندانِ تیموری کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے مثلاً اکبر کے نام خط میں اس کے متعلق یوں رقم طراز ہے :

"از فریب و مکرهای عبدالرحیم بیرم چگوید و چه نویسد - اگر تمام عمر از ذوفتون او تسوید نماید ، عشر عشیر آن ننوشته باشم - در عالم چاپلوسی و فن فریب همچو ابلیس یگانۀ آفاق و بی بدل است - این چه طراری و مکاری که ایزد تعالی بدو کرامت کرده است لیکن درین وضع پارۀ دل می ایستد که ظاهراً درمشیت حق تعالیٰ سهوی شده و خطای رفته که باوجود آن نادرۀ روزگار و بوا لعجوبۀ اعصار که مستحق شیطنت و سزا وار لعنت بود ، عزازیل بیچاره را که طفل دبستان این تواند بود ، بملعونی برگزید -" (ص ۱۰۴)

اگرچہ ان خطوط میں مندرج بعض معلومات درست اور مفید ہیں لیکن دقیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان خطوط کا مصنف ابوالفضل نہیں - ان خطوط کے جعلی ہونے کے متعلق میرے دلایل حسبِ ذیل ہیں -[1]

مندرجہ ذیل افراد کے نام خطوط میں عبدالرحیم خانخانان کے خلاف پروپیگنڈا مشترکہ موضوع ہے :

۱ - شکر النسا بیگم -
۲ - مادرِ دانیال -
۳ - شاہزادہ سلیم -

---

۱ - برٹش میوزیم میں موجود "رقعات ابوالفضل" کے نسخے میں غالباً یہ خطوط موجود نہیں - ریو ، ص ۸۳۸ ب -

۴ - مادر اکبر۔
۵ - اکبر ۔
۶ - شاہزادہ دانیال ۔

یہ خط پڑھ کر فوراً خیال آتا ہے کہ ابوالفضل جیسے مہذب و مخلص شخص کے لیے ہرگز شایانِ شان نہیں تھا کہ وہ عبدالرحیم خانخانان جیسے معزز و محترم سالارِ سپہ ، ادیب و مربیِ فن کے خلاف غلیظ و رکیک کلمات استعمال کرتا ۔ ''مکاتبات علامی'' جلد دوم میں عبدالرحیم کے نام سینتیس میں سے چھتیس خطوط میں ابوالفضل نے اسے عزت و احترام اور محبت سے خطاب کیا ہے ۔ ایک خط میں اس نے لکھا ہے :

''این ماجرای میان فطرت من و فطرت شماست و اِلا طبیعت من باطبیعت شما نہایت موافقت و خرسندی دارد ۔''[1]

محمد حسین آزاد کو ان رقعات کی اصالت پر شبہ نہیں ہوا ۔ اس لیے اس نے اس اختلاف کو دونوں اشخاص کی باہمی رقابت پر محمول کیا ہے کہ دکن کی مہمات میں ابوالفضل فتح و کامیابی کا امتیاز خود حاصل کرنا چاہتا تھا ، اس لیے ان کے مفادات میں تصادم ہوا[2] ۔ لیکن آزاد کا یہ خیال درست نہیں ۔ اصل واقعات یوں ہیں :

''خانخانان ، سلطان مراد کے تحت فوج کا کمانڈر تھا ۔ مراد سے اختلاف رائے ہونے کی وجہ سے اسے واپس بلایا گیا ۔ ۲۵ دسمبر ۱۵۹۸ء کو ابوالفضل عبدالرحیم کی بجائے مہماتِ دکن کا سربراہ بنا کر بھیجا گیا ۔ وہ ۲۱ اپریل ۱۵۹۹ء کو برہان پور میں تھا ۔ ۳۰ اکتوبر ۱۵۹۹ء کو دوبارہ عبدالرحیم کو شاہزادہ دانیال کی معیت میں دکن کی طرف بھیجا گیا ۔ اس نے فروری ۱۶۰۰ء میں چارج سنبھالا ۔ ابوالفضل ۲۰ مارچ ۱۶۰۰ء کو کور گاؤں کے مقام پر اکبر سے جا ملا ۔ اس کے بعد ابوالفضل

---

۱ - مکاتبات علامی ، ج ۲ ، ص ۱۳۵ ۔
۲ - دربار اکبری ، ص ۳۸۲ ۔

اسیر گڑھ کی تسخیر میں مصروف ہو گیا اور عبدالرحیم احمد نگر کی فتح میں مشغول ہو گیا ۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ نام اور شہرت کے لیے ان دونوں کا کہیں تصادم نہیں تھا ۔ ان دونوں کے معرکوں کے میدان الگ الگ تھے اسیر گڑھ کی فتح کے بعد ابوالفضل کو جنوری ۱۶۰۱ع کو راجو کی شورش فرو کرنے کے لیے نامزد کیا گیا ۔ تھوڑے عرصے کے بعد اسے واپس بلا لیا گیا ۔ اور اسے کہا گیا کہ عبدالرحیم کی معیت میں پسر شاہ علی کو مغلوب کرے ۔ وہ ۱۶ فروری ۱۶۰۱ع کو ورن گاؤں کے مقام پر خانخانان سے ملا ۔ تھوڑے عرصے بعد خانخانان و نکو بومی کے خلاف نبرد آزما ہوا ۔ اور ابوالفضل پسر شاہ علی کو مغلوب کرنے میں مصروف ہوا ۔ ۳ اکتوبر ۱۶۰۱ع کو خانخانان کی درخواست پر ابوالفضل عنبر کے خلاف معرکے میں شریک ہوا ۔ یہ آخری واقعہ ہے جس کا ذکر ابوالفضل نے "اکبر نامہ" میں کیا ہے ۔

ان تفاصیل سے ظاہر ہے کہ اس تاریخ تک ایک دوسرے کے ساتھ ان کے روابط دوستانہ تھے ۔ ان دونوں کے درمیان ایک مرتبہ سوء تفاہم پیدا ہوا ۔ اس نے ایک خط میں خانخانان کو لکھا :

"چنانچہ پیش ازین عرضداشت فرستادہ ام و سرگرانی کہ از شما داشتم بشما نوشتہ بودم ۔ اکنون اگر آمدن شاہزادہ والا اقبال دیر ترک باشد خود زود تشریف آورند تا لشکر و خزانہ سپردہ بعض سخنان گفتنی و ناگفتنی درمیان نہد ۔"[1]

یہ خط ۱۶۰۰ع کے آغاز میں لکھا گیا تھا ۔ جب وہ دکن چھوڑ کر برہان پور کی طرف جا رہا تھا اور خانخانان کو معاملات سمجھانا چاہتا تھا ۔

مندرجہ بالا چھ خطوط میں عبدالرحیم کے خلاف ہتک آمیز رویہ ان کے جعلی ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ بھی ان خطوط میں تاریخی اغلاط ، سنین کا اختلاف اور زبان و بیان کی خامیاں موجود ہیں جن سے

---

۱ ۔ رقعات ، ص ۳۶ ۔

ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا لکھنے والا ابوالفضل نہیں ہو سکتا ۔ اب ہم ایک ایک خط کا تجزیہ پیش کرتے ہیں ۔

اکبر کے نام خط

(i) اس خط کا مصنف دکن میں راجہ مان سنگھ کی خدمات کی تعریف کرتا ہے اور ارتفاع منصب اور اعطائے جاگیر کی سفارش کرتا ہے ۔ خط میں ان خاص تھانوں کا ذکر ہے جہاں راجہ نے سامانِ رسد میں رکاوٹ کے باوجود بہادری سے دفاع کیا اور ان کی حفاظت کی لیکن ان تمام تفاصیل کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ راجہ مان سنگھ دکن میں ابوالفضل کے تحت کسی خدمت کے لیے نامزد نہیں ہوا ۔ راجہ مان سنگھ پہلے سے پنج ہزاری منصب رکھتا تھا وہ اپنے سے کم رتبہ شخص کے تحت خدمات انجام دینے کے لیے نہیں بھیجا جا سکتا تھا ۔ ابوالفضل کے دورانِ قیامِ دکن یعنی ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ع سے ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۱ع تک وہ اجمیر یا بنگال میں تھا ۔

(ii) یہ خط یقیناً اپریل ۱۵۹۹ع اور فروری ۱۶۰۰ع کے درمیان لکھا گیا ہوگا یعنی ابوالفضل کے پہلے قیام کے دوران میں ۔ مصنف خود اس علاقے میں چھ ماہہ قیام کا ذکر کرتا ہے ۔[1] اس عرصے میں ابھی احمد نگر فتح نہیں ہوا تھا ۔ اس مدت میں خانخانان دکن میں موجود نہیں تھا اور ابوالفضل مدار المہام تھا لیکن اس خط میں مذکور ہے کہ خانخانان وہاں موجود ہے ۔ دشمن کا ساتھ دے رہا ہے اور مہم کی ہموار کامیابی میں رکاوٹ بن رہا ہے ۔ اس خط کا مصنف شاہنشاہ سے التجا کرتا ہے کہ خانخانان کو ملازمت سے برطرف کر

---

۱ - رقعات ، ص ۴۰ -

دیا جائے یا وہ میرے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائے۔
یہ سب باتیں واقعات کے خلاف ہیں اور ابوالفضل کے علاوہ
ہی کوئی اور شخص ایسا خط لکھ سکتا ہے۔

(iii) اس خط میں مصنف اپنی تعریف کرتا ہے اور ان خدمات کا ذکر کرتا ہے جو اس نے شاہزادے کی اصلاح کے لیے انجام دیں۔ یہ شاہزادہ دانیال ہی ہو سکتا ہے کیونکہ شاہزادہ مراد تو ابوالفضل کے پہنچنے سے ایک دن بعد فوت ہوگیا۔ لیکن شاہزادہ دانیال تو اس پہلے دور میں دکن میں موجود ہی نہیں تھا۔ اس نے کس کو مشورہ دیا اور کس کی اصلاح کی۔ شاہزادہ دانیال فروری ۱۶۰۰ع خانخانان کے ہمراہ آیا۔ یہ غلط حوالہ بھی اس خط کے جعلی ہونے کا ثبوت ہے۔

(iv) اس خط میں بیان کیا گیا ہے کہ عنبر نے دس ہزار سواروں کے ہمراہ بیر پر حملہ کر کے شیر خواجہ کا محاصرہ کر لیا۔ شیر خواجہ نے بہت کم اشخاص کے ہمراہ قلعے سے باہر آ کر اس کا مقابلہ کیا۔ اسے شکست دی اور اس کا پرچم اور نقارہ چھین لیا۔ یہ بیان مشتبہ ہے۔ اگر شیر خواجہ نے اس قسم کی فتح حاصل کی ہوتی تو ابوالفضل ''اکبر نامہ'' میں ضرور اس کا ذکر کرتا۔ ابوالفضل نے دکنیوں اور شیر خواجہ کے درمیان اگست ۱۵۹۹ع کی ایک جنگ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ انھوں نے بیر پر حملہ کیا۔ اگرچہ شیر خواجہ نے بہادری سے مقابلہ کیا لیکن وہ زخمی ہوا اور قلعے کے اندر واپس چلا گیا۔

(v) اس خط کا مصنف ایسا لہجہ اختیار کر لیتا ہے جو گستاخی کے مترادف ہے مثلاً وہ اکبر کو ان لفظوں سے سرزنش

کرتا ہے :

"صاحب بندہ کار بادشاہی بدین گونہ نمی چلد"

یا

"از بی پروائی کار نمی چلد"

اکبر بہادر سپاہی اور اعلیٰ منتظم تھا ۔ وہ دکن کی مہمات سر کرنے کے لیے خود برہان پور پہنچا ۔ ابوالفضل اس کا وفادار ملازم اس کو بے پروائی کا طعنہ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا ۔

شاہزادہ دانیال کے نام خط

(i) یہ گیارہ صفحات کا طویل خط ہے ۔ تاریخی غلطیوں کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط جعلی ہے ۔ یہ خط ۱۹ شہر یور ۴۲ سال جلوس کو آگرہ میں لکھا گیا ۔ حالانکہ ابوالفضل ان دنوں اکبر کے ہمراہ کشمیر میں موجود تھا[1] ۔

(ii) خط کا مصنف شاہزادہ دانیال کو مے نوشی کے آداب سکھاتا ہے اور مستی و مدہوشی کے بارے میں تنبیہ کرتا ہے ۔ اور اس میخواری کی وجہ سے اسے شاہزادہ مراد کی موت یاد دلاتا ہے ۔ یہ بیان تاریخی واقعہ کے خلاف ہے ۔ شاہزادہ مراد ۴۳ سال جلوس یعنی ۱۵۹۹ع میں مرا[2] اور یہ خط ۱۵۹۷ع میں لکھا گیا ۔

(iii) خط لکھنے والا شاہزادہ دانیال کو دسترخوان پر سجانے کے لیے کھانوں کی مختلف اقسام بتاتا ہے ۔ وہ اس کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ چار آدمیوں کی صحبت میں شراب پیے کیونکہ

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، واقعات ۴۲ سال جلوس ۔
۲ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۵۳ ۔

جسم انسانی کی ترکیب بھی چار عناصر پر مشتمل ہے اور رسولِ اکرم کے چار صحابی تھے۔ وہ شاہزادہ کو بتاتا ہے کہ وہ "ماہ رو خورشید چہرہ مسلسل موی عنبربوی غزالہ چشم کبک رفتار لالہ عذار سیمیں ساق سروقد نو خط چار ابرو نیکو گوی"[۱] ساقی کے ہاتھ سے شراب پیے۔ میرا خیال ہے کہ اس خط کا لکھنے والا ابوالفضل نہیں ہو سکتا جو اس قدر بے احتیاطی اور ناسمجھی سے دانیال جیسے بالغ اور باشعور شاہزادے کو کھانے اور شراب پینے کے آداب سکھاتا ہے۔

(iv) اس خط میں لکھا ہے کہ اکبر خود دکنی معاملات کے نظم و نسق کے لیے جائے گا یا ابوالفضل کو بھیجے گا۔ اگر ابوالفضل گیا تو شاہزادہ دانیال ہر حالت میں اس کے احکام کی اطاعت کرے گا۔ یہ بیان تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ ابوالفضل ۱۵۹۹ع کو شاہزادہ مراد کو واپس لانے کے لیے بھیجا گیا تھا اور اسے کہا گیا تھا کہ اگر حالات اجازت دیں تو وہاں کا نظم و نسق بھی سنبھالے۔ بعد میں دانیال اور خانخاناں کو بھیجا گیا تا کہ وہ ابوالفضل سے نظم و نسق سنبھال لیں۔ واقعات کے خلاف لکھنے والا اس خط کا مصنف ابوالفضل نہیں ہو سکتا۔

(v) اکبر نے دانیال کی شادی خانخاناں کی بیٹی سے کی تا کہ وہ اس رشتے سے منسلک ہونے کے بعد اتفاق و اتحاد سے دکن کی مہم کو سنبھالیں۔ ابوالفضل اکبر کی اس حکمتِ عملی کو سمجھتا تھا۔ وہ اس قدر بے احتیاطی اور عاقبت نا اندیشی سے شاہزادہ دانیال کو اس کے خسر کے خلاف یوں نہیں لکھ

۱۔ رقعات ابوالفضل، ص ۴۴-۴۵۔

سکتا تھا کہ :

''خانخانان خاندانِ تیموری کا دشمن ہے اور اس وقت وہ عنبر کا جاسوس ہے ۔''

(vi) ابوالفضل نے شاہزادہ دانیال کے نام ایک اور خط لکھا تھا (مکاتبات علامی ، ص ۸۲) جس میں چند ایک کتابیں پڑھنے کے متعلق مشورہ دیا تھا ۔ اس قسم کا مشورہ اور اس نوعیت کی کتابیں اس خط میں بھی درج ہیں ۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کون سا خط ابوالفضل نے لکھا ہے ۔ دونوں کے متحد المعنی ٹکڑے ملاحظہ کیجیے :

رقعات ابوالفضل ، ص ۳۲	مکاتبات علامی ، ص ۸۲
بامردم خوب صحبت دارند و خلوت گزینند چنانکہ اکثر کتابہای تواریخ و قصص مثل تیمور نامہ و سکندر نامہ و ہمایون نامہ و اکبر نامہ و شاہنامہ و تاریخ طبری و تاریخ میر خجند و حبیب السیر و ظفر نامہ و اخلاق ناصری و جلالی در مجلس خوانده باشند تا معلوم شود کہ بزرگان ماتقدم چسان سیر و سلوک نموده اند و چہ نوع کار زار فرموده اند ۔ چہ از خواندن اینہا دل را قوتی و جگر را ہمتی بہم می رسد بخلاف لیلی مجنوں و خسرو شیرین و یوسف زلیخا کہ در مغز خللی بہم می رسد و از عشق سودای حاصل می آید ۔	در شبا نروز لختی بشنودن داستانہای ہوش افزا از باستانیان نامزد فرمایند ۔ کتاب بسیار و داستانہا بی شمار ۔ ہماں باید شنید کہ بکار آید ۔ برای عبرت پذیری و طرز دانی شاہ نامہ و ظفر نامہ و واقعات بابری و کلیلہ دمنہ را بشنوند ۔ نہ شنوائی کہ کلانان آنرا سرمایۂ خوب دانند ۔ برای آنکہ سر رشتۂ نیک و بد بدست افتد و رہزنان درونی و بیرونی چیرہ دستی ننمایند ۔ اخلاق ناصری و جلالی و نصف آخر کیمیای سعادت را مقصود انگاشتہ اندک یاد بگیرند و مثنوی معنوی و حدیقہ و جام جم نیز در محفل ہمایون باشد ۔

ایک خط میں مشورہ اور اس کی اہمیت واضح ہے۔ کتابیں دو قسم کی بتائی ہیں اور ان کے مطالعے کے فائدے بھی بتائے ہیں۔ دوسرے خط میں تاریخ و اخلاق پر کتابوں کے نام یکجا لکھ دیے ہیں۔ جب ابوالفضل ایک مختصر سا جامع خط اس موضوع پر پہلے لکھ چکا تھا اسے دوبارہ انھی مطالب کو دہرانے کی کیا ضرورت تھی۔ دونوں خطوں کا اسلوب خود پکار رہا ہے کہ اس میں کون سا خط ابوالفضل کا ہے۔

شاہزادہ مراد کے نام خط

(i) اس خط میں بھی بعض ایسی باتیں ہیں جن کی بنا پر اس کو جعلی کہا جا سکتا ہے۔ یہ پندرہ صفحات کا طویل خط ہے۔ اس میں بے سروپا قصے کہانیاں ہیں جو شاہزادہ مراد جیسے تعلیم یافتہ شخص کو سنانا ہرگز مناسب نہیں۔ ہمایوں کی زندگی کے حالات شیر خاں کے ہاتھوں شکست سے لے کر ایران جانے، واپس آنے اور دوبارہ تخت حاصل کرنے تک تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس خط میں یہ تفاصیل بیان کرنے کی مناسبت اور ضرورت نظر نہیں آتی جب کہ ابوالفضل نے ''اکبر نامہ'' جلد اول میں یہ تمام تفاصیل پہلے لکھ دی ہوئی تھیں۔

(ii) یہ خط ابوالفضل کے پہلے دور یعنی ۱۵۹۹ء میں لکھا گیا ہے (ص ۲۷) لیکن دوسری جگہ مذکور ہے کہ اکبر کی تخت نشینی کو پچاس سال ہوتے ہیں۔ اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت پر بیٹھا۔ پچاس جمع کرنے سے ۱۶۰۶ء کا سال ہوتا ہے جو اکبر کی وفات کا سال ہے۔ ابوالفضل اپنے بیان میں اس قسم کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔

(iii) ابوالفضل اکبر کی والدہ کو مریم مکانی کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اس خط میں اسے ''مادر اکبر بادشاہ'' کہا گیا ہے۔ ابوالفضل اکبر کو حضرت شاہنشاہی ظلِ الٰہی لکھتا ہے۔

اس خط میں صرف اکبر بادشاہ کہا گیا ہے۔ ابوالفضل اپنی تحریروں میں ہمایوں کو 'جنت آشیانی' کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اس خط میں وہ 'بادشاہ ہمایوں' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ایک جگہ شیر خان غاصب و غالب کو 'شیر مردی' کہا گیا ہے۔ دوسری جگہ اس کے نام کے ساتھ 'علیہ الرحمہ و الرضوان' کے دعائیہ کلمات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس قسم کے اختلافات سے ظاہر ہے کہ اس خط کا لکھنے والا ابوالفضل نہیں۔

(iv) ابوالفضل کی تحریروں میں ہندوستانی الفاظ بہت کم استعمال ہوئے ہیں لیکن اس خط میں کسی جھجک کے بغیر الفاظ استعمال کیے گئے ہیں:

تنبو، مرغن، نہاری ص ۱۶، شامیانہا ص ۱۱، چلمچی لالچی ص ۲۲، کلابتوباف ص ۲۴۔

(v) اس خط میں فارسی روزمرہ، محاورہ اور قواعد کے خلاف الفاظ و مرکبات استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ ابوالفضل کو فارسی زبان پر اس قدر قدرت و مہارت تھی کہ اس سے اس قسم کی غلطیوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً:

دربار عام می نشست۔ امرایان۔ برامرائیکہ در دیار او بود۔ انصار او کردی۔ پیش انداز ھای قیمت ہا۔ صاحبِ سلامت۔

شاہزادہ سلیم کے نام خط:

(i) اس خط میں مصنف اکبر بادشاہ کی والدۂ محترمہ مریم مکانی کی وفات کا ذکر کر کے شاہزادہ سلیم کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ ایسے اندوہناک سانحے پر باپ کے پاس تعزیت کے لیے جائے۔ مریم مکانی ۱۰۱۳ھ میں فوت ہوئی۔ ابوالفضل ۱۰۱۱ھ میں فوت ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس خط کا لکھنے والا ابوالفضل

نہیں ہو سکتا ۔

(ii) اس خط میں بھی اور مادرِ اکبر بادشاہ کے نام خط میں بھی مصنف لکھتا ہے کہ میں نے اکبر بادشاہ کو بہت سے خط لکھے ہیں ۔ ان میں دکن کے صحیح حالات بتائے ہیں ۔ بعض سفارشات کی ہیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا ۔ شاہزادہ سلیم سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے اور اس مخلص خادم کی طرف بادشاہ کی توجہ مبذول کرے ۔ یہ بیان مشتبہ ہے ۔ ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اکبر اپنے ایک مخلص اور وفادار ملازم سے بے رخی اختیار کرے جسے اس نے نہایت اہم مہم پر خود بھیجا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابوالفضل اور سلیم کے روابط دوستانہ نہیں تھے اِس کو تو وہ سفارش کے لیے نہیں لکھ سکتا تھا ۔ سلیم تو اس کا دشمن تھا جیسا کہ بعد کے حالات سے معلوم ہوا اور وہی ابوالفضل کی ہلاکت کا باعث بنا ۔ تیسری بات یہ ہے کہ اکبر خود شاہزادہ سلیم کی روش پر مطمئن نہیں تھا ۔ اس لیے شاہزادہ سلیم کو سفارش کے لیے کہنا تو بالکل نا مناسب تھا اس خط کا لکھنے والا ابوالفضل نہیں ہو سکتا ۔

اکبر بادشاہ اور مادرِ اکبر بادشاہ کے نام :

ان دونوں خطوں میں ایک شخص جانش خان بہادر کا ذکر ہے جسے 'میر الامرا' اور 'فیروز جنگ' لکھا گیا ہے ۔ ان دونوں خطوں میں اسے 'فلاکت در آغوش کثافت' ، 'یار غار پینکی' ، 'مونس اعتبار تنباکو' ، 'قوت لا یموت تریاک' کہا گیا ہے[۱] ۔ لیکن "آئین اکبری" میں اس کا نام پنج صد سوار کے منصبداروں کی فہرست میں درج ہے ۔ وہ کبھی 'امیر الامرا' نہیں تھا ۔ وہ دکن میں عبدالرحیم خانخانان کے ساتھ خدمات انجام دیتا رہا

---

۱ ۔ رقعات ، ص ۵۲ ۔

اور ۱۰۰۹ھ میں رامپوری میں فوت ہوا ۔ ابوالفضل نے اس کے متعلق لکھا : 'از گزین سپاہیان بود' ۔[1] شاہزادہ دانیال کے نام خط میں اسے 'شیر بیشۂ مردانگی' کہا گیا ہے[2] ۔ اگر یہ خط ابوالفضل نے لکھا ہوتا تو وہ ایک جگہ اس کی تعریف کرتا اور دوسری جگہ اسے فوجی خدمت کے لیے ناکارہ نہ لکھتا ۔

عبداللہ خان ازبک کے نام :

ایک سرکاری خط عبداللہ خان ازبک کے نام بھی اس مجموعے میں شامل ہے ۔ اس کے مشمولات کا تجزیہ کرنے اور زبان کا مطالعہ کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط بھی ابوالفضل کا لکھا ہوا نہیں ۔

(i) عبداللہ خان کو ان القاب سے مخاطب کیا ہے :

"سلطان ابن السلطان الخاقان بن خاقان ۔" (ص ۲)

تخاطب کا یہ انداز ان خطوط کے متضاد ہے جو ابوالفضل نے لکھے ہیں اور "مکاتبات علامی" جلد اول میں محفوظ ہیں ۔

(ii) یہ خط اکبر کی طرف سے لکھا گیا ہے لیکن متن میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا نام لیا گیا ہے ۔ صفحہ ۳ پر یوں ذکر ہے :

"شربتِ وصال جلال الدین محمدی را بہریک تشنہ لبان بادیۂ مفارقت چشاند ۔ در آنجا خطبہ جلال الدین اکبر بادہی خوانده ۔"

(iii) ایک جگہ خوشامدانہ انداز میں عبداللہ خان کی یوں تعریف کی ہے :

"زمین را در جوف سبع سملوات مانند نون عبداللہ خان

---

۱ ۔ اکبر نامہ ، ج ۳ ، ص ۷۸۲ ۔

۲ ۔ رقعات ، ص ۳۰ ۔

استحکام کرامت فرمودہ ۔"(ص ۲)

دوسری جگہ گستاخانہ لہجے میں کہا گیا ہے ۔

"پارۂ عقل خود را ہم کار فرمایند ۔" (ص ۱)

(iv) یہ خط اکبر نے تب لکھا ہو گا جب وہ اسیر گڑھ فتح کرنے کے بعد واپس آ چکا ہو گا کیونکہ وہ دکن کی مہم میں اپنی شمولیت کا ذکر کرتا ہے (ص ۸) اور خاندیس ، برہانپور اور اسیر گڑھ کو مفتوحہ علاقوں میں شمار کرتا ہے (ص ۱۰) ۔ ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد اکبر ۲۱ اپریل ۱۶۰۰ع کو آگرہ کی طرف روانہ ہوا ۔ عبداللہ خان ۱۵۹۸ع میں فوت ہو چکا تھا ۔ کیا یہ خط ایک مردے کو لکھا گیا ؟ معلوم ہوتا ہے ۔ کسی منشی نے ابوالفضل کا مقابلہ کرنے کے لیے مشق کے طور پر یہ خط لکھا ہے ۔

(v) پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں رقعات کا ایک مخطوطہ شمارہ Api IX ، 3 پر موجود ہے ۔ اس میں عبداللہ خان کے نام یہ خط موجود نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے ۔

رقعات کا اسلوب :

اس مجموعے کے خطوط میں ابوالفضل کا اسلوبِ نگارش "مکاتبات علامی" سے مختلف ہے ۔ الفاظ و مرکبات با موقع ، مناسب اور ضروری ہیں ۔ استعارات محض آرایشی نہیں بلکہ توضیحی ہیں ۔ صرف شروع کے الفاظ مرصع و مسجع ہیں ۔ بیان کا زور اور روانی افکار کے مطابق ہے ۔ مرکب جملے اور الجھے ہوئے فقرے موجود نہیں ۔ طرزِ اظہار صریح اور مستقیم ہے ۔ تخیل واضح اور افکار کا ابلاغ مؤثر ہے ۔ جذباتی اخلاص تمام رقعات سے جھلکتا ہے ۔

عیار دانش :

"عیار دانش" ، حسین بن علی الواعظ کاشفی کی کتاب "انوار سہیلی" کا

آرایشاتِ لفظی سے معرا سادہ روپ ہے اور "انوار سہیلی" سنسکرت کی کتاب "کلیلہ دمنہ" کا پر تکلف فارسی نقش ہے - اصل کتاب جن مراحل سے گزر کر "عیار دانش" تک پہنچی، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

کتاب کی اصلیت :

"کلیلہ دمنہ" "پنچ تنتر" پر مبنی ہے - "پنچ تنتر" کے دیباچے میں مذکور ہے کہ دکن کے راجہ امر شکتی کے تین احمق بیٹے تھے ۔ اس نے پنڈت وشنو شرما کو ان کی تعلیم کے لیے مقرر کیا - اس نے کہانیوں کے ذریعے ان کو سیاسی معاملات کی تعلیم دی - اس طرح اس نے یہ کتاب تالیف کی - یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل تھی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے - بعد میں ہندوستان کی دوسری کتابوں سے اس میں کہانیوں کا اضافہ کیا گیا - "کلیلہ دمنہ" مرتبہ دساسی میں تین کہانیاں یعنی نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، "مہا بھارت" کی بارھویں کتاب سے لی گئی ہیں[1] - "کلیلہ دمنہ" "پنچ تنتر" کی ارتقا یافتہ صورت ہے - ایک ویشنو برہمن نے کشمیر میں اسے ۳۰۰ قبل مسیح میں لکھا - اصل نسخہ ناپید ہے - بعد کے مرتب شدہ نسخے کشمیر، نیپال اور دکن میں ملتے ہیں - پروفیسر ایڈ گرٹن امریکی نے جو نسخہ شایع کیا ہے وہ اصل نسخے سے قریب تر ہے - اس کے پانچ ابواب "پنچ تنتر" سے مماثل ہیں - کتاب کا نام اس کے دو بڑے کرداروں کرتک اور دمنک (گیدڑ اور لومڑ) کے نام سے منسوب ہے جو بعد میں "کلیلک دمنک" یا "کلیلہ دمنہ" کے نام سے مشہور ہوا -

تراجم[1] :

"کلیلہ دمنہ" کا پہلا ترجمہ خسرو انوشیروان کے عہد میں (۵۳۱ - ۵۷۹ع) پہلوی زبان میں ہوا - حکیم برزویہ ہندوستان میں گیا اور رائے تلہند (نا شناختہ بادشاہ) کے دربار سے "کرتک دمنک" لایا - ابھی تک یہ بات یقینی نہیں کہ اس کا ترجمہ برزویہ نے کیا یا وزیرِ اعظم بزرگ مہر

---

1. Encyclopaedia of Islam, pp. 695 – 698.

نے ۔ حکیم برزویہ کی خدمات کا تذکرہ دیباچے میں کیا گیا ہے ۔ اصل پہلوی ترجمہ ناپید ہے وگرنہ بہت سی مشکوک باتیں حل ہو جاتیں ۔

بود (Bud) نامی ایک شخص نے ۵۷۰ع میں "کلیلہ دمنہ" کا سریانی میں ترجمہ کیا ۔ جی بکل نے ۱۸۷۶ع میں اسے جرمن زبان میں ترجمہ کے ساتھ شایع کیا ۔ اِس میں "پنچ تنتر" کے پانچ ابواب کے علاوہ پانچ دیگر باب شامل ہیں ۔ ڈاکٹر ہرٹل نے ۱۹۱۴ع میں اسے دوبارہ تحقیق و تشریح کے ساتھ شایع کیا ۔ اس نے دنیا کی مختلف زبانوں میں "کلیلہ دمنہ" کے تراجم کی فہرست بھی مرتب کی[۱] ۔

خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور (۷۵۳-۷۷۵ع) کے حکم سے عبداللہ بن مقفع نے ۷۵۹ع میں پہلوی سے عربی میں اس کا ترجمہ کیا ۔ اس میں اٹھارہ ابواب ہیں ۔ چودہ ابواب میں تو کہانیاں ہیں ۔ باقی چار ابواب کی تفصیل یوں ہے :

۱ ۔ علی بن الشاہ کا مقدمہ ۔
۲ ۔ "کلیلہ دمنہ" لانے کے لیے ہندوستان میں برزویہ کی مہم ۔
۳ ۔ عبداللہ بن مقفع کا دیباچہ ۔
۴ ۔ حکیم برزویہ کے احوالِ زندگی ۔

ابنِ مقفع کے مترجمہ نسخوں میں اختلاف ہے اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے اصلی اور مستند نسخہ کون سا ہے ۔ سلوستر دساسی نے ۱۸۷۶ع میں فرانسیسی مقدمے کے ساتھ اسے شایع کیا ۔ اسے سریانی ترجمے کے متعلق معلوم نہیں تھا ۔ پادری Jesus نے چودھویں صدی میں سریانی کتابوں کی فہرست میں ذکر کیا ہے کہ بود (Bud) نے ہندوستانی زبان سے "کلیلہ دمنہ" کا ترجمہ کیا ۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ بود نے اس کا پہلوی میں ترجمہ کیا ۔

فارسی میں "کلیلہ دمنہ" کا پہلا ترجمہ سامانی بادشاہ نصرین احمد

---

۱ ۔ گیان چند ، اردو کی نثری داستانیں ، ص ۲۵۶-۲۶۴ ۔

(۹۱۴ - ۹۴۳ع) کے حکم سے شاعر رودکی نے کیا ۔ ابوالفضل بلعمی وزیر عربی متن پڑھتا اور رودکی اس کو منظوم کرتا ۔ اصل نسخہ ناپید ہے ۔ صرف چند اشعار لغت کی کتابوں میں ملتے ہیں ۔ فصیح و بلیغ فارسی میں سب سے عمدہ ترجمہ ابوالمعالی نصراللہ بن محمد نے کیا اور غزنوی بادشاہ ابوالمظفر بہرام شاہ (۱۱۱۸ - ۱۱۵۲ع) کے نام منسوب کیا اور کتاب ''کلیلہ دمنہ'' بہرام شاہی کے نام سے معروف ہوئی ۔ ابن المقفع کے ترجمے میں برزویہ کا حال بزرگ مہر نے لکھا تھا لیکن ابوالمعالی کے ترجمے میں برزویہ نے خود واحد متکلم میں اپنا حال بیان کیا ہے :

''کلیلہ دمنہ'' بہرام شاہی میں مندرجہ ذیل دس کہانیاں ہندی الاصل ہیں :

۱ - شیر اور گائے ۔
۲ - لومڑ کے معاملات کی تحقیق ۔
۳ - کالر والا کبوتر ۔
۴ - الو اور کوا ۔
۵ - بندر اور کچھوا ۔
۶ - درویش اور نیولہ ۔
۷ - بلی اور چوہا ۔
۸ - شاہزادہ اور پرندہ ۔
۹ - شیر اور گیدڑ ۔
۱۰ - شیرنی اور اس کے بچے ۔

ذیل کے دو باب اور چار کہانیاں ایرانیوں نے شامل کیں :

۱ - کلیلہ دمنہ کا مقدمہ ۔
۲ - حکیم برزویہ کا حال ۔
۳ - درویش اور اس کا مہمان ۔
۴ - بار بر اور برہمن ۔

۵ - سیاح اور سنار -

۶ - بادشاہ اور اس کا ساتھی -

ملا حسین واعظ کاشفی نے ''کلیلہ دمنہ'' بہرام شاہی کو بیان و بدیع سے آراستہ زبان میں دوبارہ لکھا اور سلطان بایقرا کے ایک درباری نظام الدولہ امیر شیخ احمد المتخلص بہ سہیلی کے نام پر اس کا نام ''انوار سہیلی'' رکھا - اس نے ابن المقفع کے پہلے چار باب حذف کر دیے اور صرف برزویہ کا ''سفر نامہ ہندوستان'' شامل کیا - ملا نے اپنی طرف سے ایک فرضی مقدمہ لکھا ہے جس میں چین کے بادشاہ ہمایوں فال اور اس کے وزیر خجستہ رائے کا ذکر کیا ہے - یہ داستان بھی ملا کی اختراع ہے کہ رائے دابشلیم نے حکیم بیدپا سے وصیت ہوشنگ کے معانی سمجھنے کے لیے لنکا کی طرف سفر کیا - پہلے باب میں پہلی چار کہانیاں بھی ملا نے بڑھائی ہیں -

ابوالفضل نے اکبر کے حکم سے ۱۰۹۶ھ/۱۵۸۷ع میں ''انوار سہیلی'' کو سادہ و سہل زبان میں لکھا (تا کہ عام آدمی اسے سمجھ سکے) اور اس کا نام ''عیار دانش'' رکھا - دیباچے میں ابوالفضل نے ''کلیلہ دمنہ'' کے عربی فارسی ترجموں کی تاریخ بتائی ہے - اس نے لکھا ہے کہ رودکی نے سلطان محمود غزنوی کے حکم سے ترجمہ کیا جو غلط ہے - اس کتاب میں پہلا باب وہی ہے جو بزرگ مہر نے لکھا ہے - دوسرا باب حکیم برزویہ کی خود نوشت سرگذشت ہے - ابوالفضل نے دو باب بڑھائے ہیں جو عربی ترجمہ میں موجود تھے اور حسین واعظ کاشفی نے چھوڑ دیے تھے -

کتاب کا موضوع سیاسیات مملکت ہے - ملک کے نظم و نسق سے متعلق معقول اور عملی مشورے دیے گئے ہیں - بادشاہ کو فیاض و مہربان ہونے کی حیثیت سے عوام کی شکایات دور کرنے اور اپنے وزرا کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحتیں کی ہیں - راجا دابشلیم حکیم بیدپا سے مسائل کے متعلق مشورہ لیتا ہے - بیدپا ان کی توضیح میں حکایات بیان کرتا ہے - حکایات جانوروں سے متعلق ہیں - ایک جانور کہانی بیان کرتا ہے - سننے والا اس کے جواب میں ایک اور کہانی کا حوالہ دیتا ہے اور بیان کرنے

والا اپنی باری پر نئی کہانی سناتا ہے ۔

ابوالفضل نے ''عیار دانش'' کے آخر میں اختتامیہ لکھا ہے ۔ اس میں عہدِ اکبری کے سیاسی و معاشرتی حالات بیان کر کے ''کلیلہ دمنہ'' کے زمانے کے حالات سے مقابلہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ شہنشاہ اس بادشاہ سے دانا تر ، ذہین تر اور خود مختار تر ہے جو کتاب میں مذکور ہے ۔

راجہ دابشلیم سؤال کنندہ اور بیدپا جواب دہندہ ناشناختہ اشخاص ہیں وولسٹن نے ترجمۂ انوار سہیلی (۱۸۷۸ع) کے دیباچے میں لکھا ہے کہ بیدپا ۳۰۰ قبل مسیح کا آدمی ہے ۔ سکندر نے راجہ پورس کو شکست دے کر یونانی گورنر مقرر کیا اور دابشلیم کو تخت پر بٹھایا ۔ اس کے ملک میں ایک عالم برہمن بیدپا تھا ۔ ایک دن بادشاہ نے بیدپا کو بلا کر علمِ نجوم کے کچھ مسائل پوچھے ۔ بادشاہ نے جوابات سے مطمئن ہو کر اس سے کہا کہ وہ آدابِ سیاسی کے متعلق کہانیوں کی صورت میں کتاب لکھے ۔ بیدپا اپنے ایک شاگرد کے ہمراہ ایک کمرے میں بند ہو گیا ۔ اس نے ایک سال بعد کتاب مکمل کی ۔ انعام کے معاوضہ میں بیدپا نے درخواست کی کہ کتاب کی اس طرح حفاظت کی جائے کہ وہ ہندوستان سے باہر نہ جا سکے ۔ یہ بیان سب افسانہ ہے ۔ پورس کے بعد موریا خاندان کا تسلط قائم ہوا ۔

ملا واعظ نے لکھا ہے کہ راجہ دابشلیم سومنات کا حاکم تھا ۔ ایک رسالہ میں اسے ہوشنگ کا وصیت نامہ ملا ۔ اس کے معانی سمجھنے کے لیے وہ سیلون میں بیدپا کے پاس گیا ۔

ایک پہلوی کتاب ''چترنگ نامہ'' میں لکھا ہے کہ راجہ دیو آشرم نے شطرنج اور مہروں کے ساتھ اور تحائف بھی انوشیرواں کو بھیجے ۔ ممکن ہے دابشلیم ، دیو آشرم کی تحریف شدہ صورت ہو ۔ براؤن کا خیال ہے کہ ''کلیلہ دمنہ'' اور شطرنج دونوں اکٹھے ہندوستان سے لائے گئے[1] ۔

---

1. Literary History of Persia, Vol. I, p. 110.

ابوالفضل نے نہ صرف "انوار سہیلی" کا خلاصہ کیا ہے بلکہ اسے سادہ و سہل زبان میں لکھا ہے ۔ اس نے تقریباً تمام اشعار کو حذف کر دیا ہے اور صرف نہایت موزوں اشعار کو باقی رکھا ہے ۔ اگرچہ ابوالفضل نے اسے اپنی زبان میں لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض جگہ وہ حسین واعظ کے الفاظ رکھنے پر مجبور ہو گیا ہے ۔ تقریباً چار صفحات کو دو صفحوں میں مختصر کیا ہے ۔ مندرجہ ذیل جملوں کے تقابلی مطالعہ سے واضح ہوگا کہ ابوالفضل نے کہاں تک حسین واعظ کی عبارات مستعار لی ہیں اور کہاں کہاں تبدیلیاں کی ہیں :

"عیار دانش" باب سوم ص ۴۳-۴۴ مطبوعہ نولکشور	"انوار سہیلی" باب اول ، ص ۶۵-۱۰۷ (مطبوعہ کانپور)
۱ - از شراب کامرانی سرخوش ۔	۱ - از نشۂ کامرانی سرخوش ۔
۲ - پیوستہ بطرب و نشاط مشغول بودند ۔	۲ - بطرب و نشاط مشغول بودندی ۔
۳ - چون دولتِ بی وفا روی از فرزندان من برتابد ۔	۳ - چون دولت بی وفا و جاه بی بقا روی از فرزندان من برتابد ۔
۴ - چنان فرا نمود کہ خزانۂ خود را اینجا پنہان می سازد ۔	۴ - چنان فرا نمود کہ خزانۂ خود را آنجا مدفون سازد ۔
۵ - تمام مال و جہات را در تصرف خود آورد ۔	۵ - تمامی جہات بتصرف خویش گرفت ۔
۶ - در قصر پدر خیالی می بست ۔ ہرچہ بدست آوردی تلف می کردی ۔	۶ - در قصر پدر خیال می بست و ہرچہ بدست آوردی تلف کردی ۔
۷ - ہر دو لشکر پریشان ماندند ۔ نزدیک بود کہ آتش فتنہ فرو گیرد ۔	۷ - ہر دو لشکر پریشان و مہمل بماندند ۔ نزدیک بود کہ آتش فتنہ افروختن گیرد ۔
۸ - بدیگران نفع تواند رساند ۔ حیف باشد کہ کاہلی ورزد ۔	۸ - نفع بدیگر رساند ۔ حیف باشد کہ کاہلی ورزد ۔

ابوالفضل نے اپنا خاص اسلوبِ نگارش بالکل اختیار نہیں کیا۔ کہانیوں میں ربط و تسلسل قائم ہے۔ سادگی زبان اور اختصار کی وجہ سے دلچسپی میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا ہے۔

گیتا :

فارسی میں ''گیتا'' کے دو قسم کے ترجمے ملتے ہیں اور دونوں ابوالفضل سے منسوب ہیں۔ ''گیتا'' کے مندرجہ ذیل مخطوطات ایک دوسرے سے مماثل ہیں ، ان کا آغاز اس طرح ہے :

''دھرت راشٹر گفت کہ کور کھیت کہ مزرعہ نیکو کاریست۔''

۱ - برٹش میوزیم ، شمارہ ۷۶۷۶ Add ۔
۲ - انڈیا آفس لائبریری ، شمارہ ۱۹۳۹ -
۳ - کنگ کالج ، کیمبرج لائبریری ، شمارہ ۱۳ -
۴ - میونخ لائبریری ، فہرست صفحہ ۱۴۰ پر مذکور نسخہ ۔
۵ - پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۱ ,Pc III ۔

ایٹے کے سوا باقی تمام فہرست نگاروں نے اسے ابوالفضل کا ترجمہ بتایا ہے لیکن اس نے انڈیا آفس کے نسخے میں برگ ۱ (الف) پر ایک نوٹ سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ترجمہ دارا شکوہ نے کیا ہے۔ اس ترجمے کی زبان سست اور بے کیف ہے یعنی، فصیح ، پختہ اور جاندار نہیں۔ حالانکہ ابوالفضل ہر لحاظ سے زبان و بیان کے تقاضوں سے واقف تھا اور خاص اسلوب کا نمایندہ تھا۔

''گیتا'' کے مندرجہ ذیل مخطوطات مذکورہ بالا نسخوں سے مختلف ہیں اور آپس میں مماثل ہیں :

۱ - برٹش میوزیم ، شمارہ ۵۶۵۱ .Add ۔
۲ - سر ولیم جونز کا نسخہ شمارہ Lxx vi ۔
۳ - پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ ۱ P pc, III ۔

اس نسخے کا ابتدائیہ یوں ہے :

"این نسخہ "گیتا" کہ در انکشاف سرایر قدرت ذوالجلال و استکشاف حقیقت معرفت لایزال است ۔ آں را باجازتِ سلطان عادل و برہان کامل جلال الدین اکبر . . . بندہ شیخ ابوالفضل از زبانِ سنسکرت بعبارت فرس و عربی در آورد ۔"

اس کی فصیح و بلیغ زبان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اغلب یہی ابوالفضل کا ترجمہ ہے ۔ ترجمے کے آخر میں ذیل کی عبارت درج ہے :

ہر کہ کنہ ماہیت این "گیتا" از دہن نیلوفری سری کرشن جیو بر آمدہ و جمیع حقایق عرفان و أفسانۂ دقایقِ معرفت دران مندرج است ، بوجہ احسن خواہد فہمید ۔ باز بعالم وجود نخواہد آمد و او را احتیاج دانستن علوم پشرح وبسط نیست[1] ۔"

ابوالفضل کا ترجمہ نہایت موزوں اور مناسب ہے ۔ اس نے اصل مطالب کو صحت سے فصیح فارسی میں منتقل کیا ہے ۔ ترجمہ کا اپنا انفرادی اسلوب بھی ہے ۔ مندرجہ ذیل ترجمے کی دو عبارتوں سے ترجمے کی خرابی واضح ہوگی ۔

(i) "Harmlessness, truth, absence of anger, renunciation, peace, absence of spite, kindness towards all beings, absence of fickleness." (p. 243 of Vishwas's translation).

ابوالفضل کا ترجمہ یوں ہے :

"عدم ایذای خلق ، راست گفتن ، فرو خوردن غصہ ، ترک ہمۂ چیز ، جمعیت خاطر ، پوشیدن عیب دیگران و رعایت شیوۂ مہربانی جہانیان

---

۱ ۔ گیتا مترجمہ ابوالفضل ، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ P pc III, 1 ۔ برگ ۴۵ ۔

و قناعت و ملائمت و حیا و وقار ۔"

(برگ ۱۳۳ الف) نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

(ii) Junior is superior to practice (abhyssa), meditation is superior to knowledge, and the abandonment of action superior is attained uninterrupted peace. (p. 219 of Vishawas translation).

ابوالفضل نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :

"دانش از ورزش بہتر و از دانش مراقبہ و ترک نتیجۂ اعمال خوشتر از مراقبہ کہ آرام دل حاصل می شود ۔"

(برگ ۱۳۸ (الف) ۔ نسخۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

ترجمے کی صحت و درستی کے بارے میں ابوالفضل پر پوری ذمہ داری عاید نہیں ہوتی ۔ کیونکہ سنسکرت کے ماہر پنڈتوں نے الفاظ کے معنی سمجھانے میں اسے مدد دی ہوگی ۔ سنسکرت الفاظ کے ہجوں اور تلفظ میں اختلاف موجود ہے ۔

''گیتا'' کا ایک اور فارسی ترجمۂ "پوتھی سری گیتا جی" کے نام سے ۱۹۶۳ع میں لاہور سے شایع ہوا ۔ ترجمہ رائے مول چند اور دیگر اصحاب نے ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ع میں کیا ۔ دیباچہ میں مذکور ہے کہ مترجمین صوفیہ و عرفا ہیں اور یہ ترجمہ سادہ زبان میں کیا گیا ہے کیونکہ موجودہ ترجمے مبہم اور پیچیدہ ہیں ۔ لیکن اس ترجمے کا ابوالفضل کے ترجمے کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ ابوالفضل کے ترجمے کی بالکل نقل تو نہیں البتہ ابوالفضل کے ترجمے سے بہت استفادہ کیا گیا ہے ۔ اضافوں اور ترمیموں سے خواہ مخواہ اصلی ترجمے کا حسن ضایع ہو گیا ہے ۔ چند جملوں کے تقابلی مطالعہ سے بیان کی وضاحت ہو جائے گی ۔

نسخۂ رائے مول چند	نسخۂ قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری
۱ - پسران را کہ گرفتار کمند اجل شده اند و مرگ پای خود در ریشۂ دل و جگرشان فرو برده اند (ص ۱۰) -	۱ - پسران را کہ گرفتار کمند اجل شده اند و مرگ پنجۂ خود در ریشۂ دل و جگر ایشان فرو برده (ص ۲) -
۲ - در بہم رسیدن فوجہای عنبرین و نگہت شمیم گل و نسرین از کدام جانب بظہور آمد (ص ۱۱) -	۲ - در زمان مقابلۂ فوجہا بوی عنبرین و نگہت گل و نسرین از نصرت و ظفر بمشام کدام از طرفین رسید (ص ۲) -
۳ - صدای بوق و نقاره آنچنان در زیر این گنبد اخضر بہ پیچید کہ آوازۂ بزن و بکش و بگیر و بدار و بده و بستان ہمہ بریک دیگر پوشیده شد (ص ۱۱) -	۳ - صدای بوق و نقاره آنچنان در زیر گنبد اخضر پیچید کہ گوش افلاکیان کر گردید و آوازۂ بزن و بکش و بگیر و بده آنقدر تصاعد گرفت کہ جگر زمینیان از رعب شگافت (ص ۲) -

بعض جگہ یہ ترجمہ ابوالفضل کے ترجمے سے زیادہ موزوں اور بہتر معلوم ہوتا ہے -

"گیتا" کا ایک اور عمدہ ترجمہ ۱۹۳۶ع میں تہران میں شایع ہوا - اس کے مترجم میسور یونیورسٹی کے سابق پروفیسر عباس شوستری ہیں - انھوں نے بتایا ہے کہ میں نے "بھگوت گیتا" ایک برہمن سے پڑھی - بعد میں اسے اپنے الفاظ میں فارسی میں لکھا - یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے - مترجم کا مقصد تھا کہ کتاب کا فلسفۂ زندگی اور علم و حکمت سادہ و با محاورہ فارسی میں قاری تک پہنچ جائے اور وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں -

مجموع اللغات

یہ ایک چھوٹی سی لغت ہے جو ابوالفضل نے ۹۹۴ھ/۱۵۸۵ع میں مرتب کی ۔ دیباچہ میں حمدِ خدا و نعتِ رسول کے بعد اس نے لکھا ہے کہ میں الفاظ کے معانی اپنے اساتذہ سے پوچھا کرتا اور آئندہ استفادہ کے لیے قلمبند کر لیتا تا کہ وہ ضایع نہ ہو جائیں ۔ چونکہ علما کا خیال ہے کہ لغت کلیدِ علم ہے ۔ اس لیے میں نے ان یادداشتوں کی مدد سے لغت مرتب کی اور دوسری مشہور لغات سے بھی استفادہ کیا ۔ میرا مقصد یہ تھا کہ طلبہ کے لیے درسی کتابوں میں مشکل الفاظ کے معانی تلاش کرنے میں آسانی ہو ۔ خاتمے پر اس نے لکھا ہے : جس کی دسترس میں یہ کتاب آئے گی وہ دوسری لغات کا محتاج نہیں رہے گا ۔

اصولاً یہ عربی فارسی لغت ہے ۔ فارسی کے بہت تھوڑے الفاظ ہیں ۔ الفاظ کے ریشوں کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ عربی لغات کا دستور ہے ۔ الفاظ خواہ اسم ہوں یا فعل ، حالت فاعلی میں ہوں یا مفعولی میں ، مذکر ہوں یا مؤنث ۔ واحد ہوں یا جمع ۔ صفت ذاتی ہوں یا صفت تفضیلی ۔ غرض جس طرح کتابوں میں استعمال ہوئے ہیں ، اسی طرح شامل کیے گئے ہیں ۔ عام مروجہ الفاظ بھی دیے گئے ہیں مثلاً اتی ۔ دادن ۔ آت ۔ بیار ۔ اب ۔ باپ ۔ آبا ۔ پدران ۔

عموماً ایک لفظ کا ایک معنی دیا گیا ہے ۔ الفاظ مختلف علوم سے متعلق ہیں مثلاً نجوم ، طب ، حیوانات ، نباتات ، ادب و دینیات ، طبیعیات وغیرہ ۔ بعض غریب اور نادر الفاظ بھی شامل کیے گئے ہیں مثلاً :

حضر = گردش ، احاش = دریافتن ، بہتہ = حرامزادہ ، دمض = تودۂ ریگ ، زب = کیر ۔

الفاظ دقیق ہجائی ترتیب سے درج نہیں کیے گئے ۔ مثلاً الف کے تحت یہ الفاظ :

ارسان ، ابدال ، ابتلال ، ایطا ، ابول ۔ اور دال کے تحت یہ الفاظ

اس ترتیب سے آئے ہیں : داع ، دروان ، درفش ، درمان ۔ الفاظ کا تلفظ بھی واضح نہیں کیا گیا ۔

جیسا کہ ابوالفضل نے بتایا ہے کہ اس نے دوسری لغات سے استفادہ کیا ہے لیکن صرف کلمہ آس کے معنوں کے متعلق ایک جگہ فرہنگِ جہانگیری کا ذکر ہے ۔ یہ حوالہ بھی بعد کا الحاق نظر آتا ہے ۔ کیونکہ یہ لغت ۱۰۱۷ھ میں مکمل ہوئی اور جہانگیر سے منسوب ہونے کی وجہ سے اس کا نام "فرہنگِ جہانگیری" رکھا گیا ۔ ابوالفضل ۱۰۱۰ھ میں قتل ہوا ۔ وہ خود تو اس لغت کا یہ نام استعمال نہیں کر سکتا تھا ۔ کیونکہ یہ نام بعد میں تجویز ہوا ۔

مولوی غیاث الدین نے اپنی مرتبہ فارسی "غیاث اللغات" (۱۲۴۲ھ) کے دیباچے میں اپنے ماخذ میں "مجموع اللغات" کا نام بھی لکھا ۔

اس کتاب کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۱۹۴ھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ دوسرا نسخہ آصفیہ لائبریری حیدر آباد (دکن) میں محفوظ ہے ۔

محمد تقی بہار نے "سبک شناسی" جلد سوم ، ص ۲۹۰ پر "مجموع اللغات" کا ذکر کیا ہے مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے اس کا نسخہ کہاں دیکھا ہے ۔ ابوالفضل کے متعلق بہار کی معلومات ناقص ہیں ۔ وہ اسے دکنی لکھتا ہے ۔ اس کی وفات ۱۰۱۱ھ کے بجائے ۱۰۱۳ھ بتاتا ہے اور اس کی کتاب "عیار دانش" کے بجائے "بہار دانش" لکھتا ہے ۔

مقدمہ مہا بھارت :

ابوالفضل نے "مہا بھارت" کے فارسی ترجمہ پر ایک طویل مقدمہ لکھا ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

دو صفحوں میں خدا کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد سترھویں صفحے تک شہنشاہ اکبر کے گوناگوں اوصاف پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ

بادشاہ کی فیاضانہ حکمتِ عملی اور رواداری سے جو فائدہ پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ علما نے پورے غور و خوض کے بعد یہ سمجھ لیا کہ تمام مذاہب کے اصول حق پر مبنی ہیں اور بادشاہ مذہبی رہنماؤں کی تنگ نظری اور تعصب کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو نفرت اور بیگانگی پائی جاتی ہے ، اسے دور کرنے کا آرزو مند ہے ۔ اس لیے اس نے ایک قوم کی مذہبی کتابوں کے ترجمے کرانے کے لیے قدم اٹھایا تاکہ دوسری قوم کے افراد ان کتابوں کی خوبیوں کو خود دیکھ سکیں ۔ اس مقصد کے لیے سہل و سادہ فارسی میں ''مہا بھارت'' کا ترجمہ کرایا گیا ۔ اس ترجمہ کے انتخاب سے دوسرا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو دنیا اور انسان کی قدامت کا علم ہو کیونکہ ان کے نزدیک دنیا صرف پانچ ہزار سال قدیم ہے ۔ وہ مزید اس کتاب کی نمایاں خصوصیات بیان کرتا ہوا بتاتا ہے کہ دنیا کی تاریخ دو حصوں میں منقسم ہے ۔ ست یگ اور کل یگ ۔ ست یگ مزید تین منازل میں منقسم ہے ۔ ہندوستان کے علما کا عقیدہ ہے کہ کائنات اور زمان کا آغاز نہیں ۔ دنیا پانچ عناصر سے مرکب ہے ۔ پانچواں عنصر آسمان ہے ۔ اجرامِ فلکی حکما و عرفا کی روحیں ہیں ۔ برہما نے انسان کو پیدا کیا اور ان کو چار قومیتوں میں تقسیم کیا ۔ برہمن ، کشتری ، ویش اور شودر اور سماج میں ان کے لیے مختلف فرایض متعین کیے ۔ برہما نے ہدایت کے لیے انھیں وید بھی دیے ۔

ابوالفضل اس کتاب کے متعلق اپنی رائے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس میں ایسی عجیب و غریب حکایات اور افکار بیان کیے گئے ہیں کہ میں اپنی لیاقت اور یونانی فلسفے میں اپنی علمی فضیلت کے باوجود ورطہ حیرت میں غرق ہو جاتا ہوں ۔

چھبیسویں صفحہ سے آگے مہا بھارت کی کہانی کا خلاصہ دیا ہے ۔ ہستنا پور کے راجہ دھرت کا ایک بیٹا تھا جس کے آگے دو بیٹے ہوئے ۔ دھرت راشٹ اور پانڈو ۔ دھرت راشٹ اندھا تھا ۔ اس لیے بادشاہت پانڈو کو ملی جس کے پانچ بیٹے بعد میں پانڈوا مشہور ہوئے ۔ دھرت راشٹ کے ایک سو ایک بیٹے تھے جو کورو کے نام سے معروف ہوئے ۔ پانڈوا کی

وفات پر سلطنت دھرت راشٹ کے خاندان میں منتقل ہوئی ۔ لیکن دونوں خاندانوں میں شدید رقابت رہی ۔ بزرگوں نے مشورہ دیا کہ پانڈوا دارالسلطنت سے دور جا کر رہیں تا کہ آپس میں تصادم نہ ہو ۔ دھرت راشٹ کے بڑے بیٹے جریودھن (دریودھن) نے ایک ایسا مکان بنایا جس میں مسالے کے اندر لاکھ اور تارکول استعمال کی تا کہ ذرا سی اشتعالک سے آگ لگ جائے اور مکینوں کو تباہ کر دے ۔ پانڈوا کے لیے وہ محل تجویز ہوا لیکن ان کو اس سازش کا پتہ چل گیا اور وہ مکان چھوڑ کر چلے گئے اور اپنی جگہ ایک دوسری عورت پانچ بیٹوں کے ہمراہ چھوڑ گئے ۔ وہ سب جل کر خاک ہوگئے ۔

پانڈوا نے سفر و گردش کے دوران میں ایک راجہ کی بیٹی دروپدی سے شادی کی جسے وہ مساوات و یکرنگی کی خاطر بیوی کے طور پر استعمال کرتے رہے ۔ کچھ عرصہ بعد ان کی شجاعت و جرأت اور شکوہ و جلال کا چرچا دور دور تک پہنچا ۔ دریودھن کو جب معلوم ہوا کہ بانڈوا زندہ ہیں تو اس نے ایک اور منصوبہ بنایا ۔ انھیں اپنی دوستی اور شفقت کا یقین دلایا اور ھستنا پور واپس بلایا ۔ ان کو سلطنت کا آدھا دیا ۔ بانڈوا نے حکومت کا نظم و نسق اچھی طرح چلایا اور ان کے پاس بہت سے لوگ جمع ہوگئے ۔ کوروا کی شہرت ماند پڑ گئی ، اس لیے انھوں نے اپنی بحالی کے لیے ایک اور تدبیر کی ۔ انھوں نے ایک بڑا جشن ترتیب دیا جس میں بیرونی ممالک کے سلاطین اور پانڈوا کو بھی دعوت دی ۔ جب ضیافت ختم ہوئی تو کوروا نے پانڈوا کو قمار بازی میں شریک کیا ۔ جس میں پانڈوا اپنا تمام مال و متاع ہار گئے ۔ آخری داؤ میں یہ طے پایا کہ جو بازی ہار جائے وہ حکومت چھوڑ کر بارہ سال بن باس ہو جائے ۔ بن باس سے واپسی پر وہ شہروں میں گمنام اور ناشناس زندگی گزارے ۔ اگر وہ پہچانا جائے تو بارہ سال کے لیے دوبارہ بنوں میں جائے ۔ پانڈوا شرط ہار گئے ۔ انھوں نے معاہدے کی پابندی کی لیکن بن باس سے واپسی پر کوروا نے شرایط کی پابندی نہ کی اور ان کو سلطنت واپس نہ کی ۔ آخر دونوں کے درمیان سخت معرکہ ہوا ۔ کوروا کو شکست ہوئی ۔ صرف در یودھن اپنے چار

ہمرائیوں کے ساتھ بچ کر نکلا ۔ پانڈوا میں سے پانچ بھائی ، کرشنا اور دو اشخاص بچے ۔

اس کہانی سے مربوط کرشنا کی داستانِ حیات اور راجہ کنس پر اس کی فتح ہے ۔ چھتیس سالہ حکومت کے بعد پانڈوا تخت سے دست بردار ہو گئے ۔ پانڈوا کے ایک بھائی ارجن کے جانشینوں میں سے ایک حکمران نے اپنے دربار کے ایک فاضل شخص ویاس سے کہا کہ وہ ان اسباب کی نشاندہی کرے جن کی وجہ سے اس کے آباء و اجداد تباہ ہوئے ۔ اس نے اس تمام تاریخ کو قلمبند کیا اور ضمناً مواعظ و نصائح بھی لکھے ۔ کتاب کا نام مہا بھارت رکھا ۔

کتاب ایک ایک لاکھ اشعار پر مشتمل ہے ۔ اس کے سترہ ابواب اور ایک ابتدائیہ ہے ۔ ابوالفضل نے ہر باب کے مشمولات کا اختصار سے ذکر کیا ہے اور اشعار کی تعداد بتائی ہے ۔ مقدمہ کے اختتام پر اس نے لکھا ہے کہ ان حیرت انگیز کہانیوں کو ناقابلِ اعتبار نہیں سمجھنا چاہیے ، کیونکہ ممکن ہے کہ گذشتہ زمانے میں اس قسم کے واقعات رونما ہوئے ہوں ۔

"۱۰ × "۵ کی تقطیع اور پندرہ سطری نسخہ خطی میں مقدمہ بیالیس صفحات پر مشتمل ہے ۔ فارسی ترجمۂ مہا بھارت کے قلمی نسخے دنیا کے مشہور کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ مقدمہ ۹۹۵ھ میں لکھا گیا ۔ ۹۹۰ھ میں نقیب خان ، ملا شاہ ، محمد سلطان تھانسیری اور عبدالقادر بدایونی کو مہا بھارت کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا گیا ۔ فیضی نے اس پر نظر ثانی کی اور عبارت کی آرایش و پیرایش کی اور اس کا نام رزم نامہ رکھا[1] لیکن خطی نسخے میں یہ نام مذکور نہیں ۔

برٹش میوزیم کے مخطوطہ شمارہ ۵۶۳۲۱ میں برگ ۳۸۱ ب پر مرقوم ہے کہ یہ سارا ترجمہ نقیب معروف بہ ابن عبداللطیف الحسین نے ۱½ سال

---

1. E & D. Vol. V, p. 537.
Ain-i-Akbari, Blochman's Translation, p. 184.

کی مدت میں شعبان ۹۹۲ھ میں مکمل کیا - اس کام میں مندرجہ ذیل پنڈتوں نے تعاون کیا -

دیبی مصر - ستاودان - مدھسودن - چتر بھوج - بھاون -

ابوالفضل کے مقدمے کا آغاز یوں ہے :

''ای بژدہ ہزار عالم از شوق تو مست - سر در رہ جست و جوی و جان بر کف است - بس تختہ سیاہ گشت - بسی خامہ شکست - نقشی نہ نگاشتند زانگونہ کہ ہست -''

طوطی نامہ

اس کتاب کا اصلی مأخذ سنسکرت کی کتاب ''شک سپ تتی'' ہے یعنی طوطے کی ستر کہانیاں - ''شک سپ تتی'' نام کی دو کتابیں ہیں - ایک کا مصنف چنتا منی بھٹ ہے - اس کا اسلوب بیان آرائشی اور تزئینی ہے - دوسری کتاب کا مصنف سویتمبر جبن ہے - یہ سادہ اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے - ان دونوں کتابوں کے سالہائے تصنیف معلوم نہیں - ہیم چند نے اپنی کتاب یوگ شاستر مؤلفۂ قرن دہم عیسوی میں شک سپ تتی کہانیوں کا ذکر کیا ہے - اس کتاب کا ایک مرہٹی ترجمہ بھی موجود ہے - دیودت نے مشرقی راجستان میں اس کا ترجمہ کیا اور اس کا نام ''شک بتری'' رکھا - پھیروں پرشاد نے سنسکرت سے برج بھاشا میں اس کا ترجمہ کیا - یہ ترجمہ ''شک بتری'' کے نام سے لکھنو میں نولکشور نے شایع کیا -[1]

شک سپ تتی کی بعض کہانیاں ''پنج تنتر'' ، ''بیتال پچیسی'' اور ''ہتواپدیش'' سے مأخوذ ہیں -

فارسی تراجم

اس کتاب کا ایک ترجمہ فارسی میں ہوا لیکن مترجم کا نام معلوم

---

۱ - مجلہ سہ ماہی 'اردو' شمارہ جولائی ۱۹۵۰ع -

نہیں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ کس سال اس کا ترجمہ ہوا ۔ ضیاء الدین نخشبی نے بتایا کہ اس نے اس ترجمے کو ۷۳۰ھ/۱۳۳۰ع میں دوبارہ سادہ اور واضح اسلوب میں لکھا ۔ ضیاء نخشبی پہلے ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں :

"درین وقت کتابی مشتمل بر پنجاه و دو حکایت ، بزرگ ، از عبارتی بعبارت دیگر برده است و از اصطلاح ہندوی بزبان فارسی آورده است اما اینست که مقال در مضمار اطالت دوانیده است و سخن درازی باقصیٰ غایت رسانیده و قاعده ترتیب ذوق و قانون ترکیب شوق را اصلاً مراعات نکرده است و از آغاز داستان انجام حکایت از جا بر داشته و فرو گذاشته ۔ چنانچہ قاری از مقصود راحت باز می ماند و سامع را مطلوب استراحت فوت می شود ۔"[1]

نخشبی نے متن میں بھی رد و بدل کیا ۔ اس نے عورتوں کے متعلق بعض نامانوس اور اخلاق سوز حکایات کو حذف کیا ۔ اس نے بعض کہانیاں دوسری کتابوں سے اخذ کیں ۔ پچاسویں اور اکیونویں کہانی بختیار نامہ[2] سے لی ۔ اب اس میں کل باون کہانیاں ہیں ۔ یہ کتاب طوطی نامہ کے عنوان سے ۱۸۹۵ع میں امرتسر سے شائع ہوئی ۔

نخشبی کا طوطی نامہ بھی پرتکلف اور ثقیل زبان میں تھا ۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کے حکم سے ابوالفضل نے سادہ و سلیس زبان میں اس کا خلاصہ کیا ۔ . . .

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں شمارہ ۱۰۵۸۹ پر موجود ہے ۔ (فہرست مخطوطاتِ فارسی ' ص ۷۵۳) ۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہے :

"بعد سپاس خداوند زمان و زمین و ستایش دادار زمان . . . ۔"

---

۱ ۔ طوطی نامہ نخشبی ، امرتسر ، ۱۸۹۵ع ، ص ۳ ۔

۲ ۔ بختیار نامہ : سند باد جہازی کی طرح یہ کتاب اخلاقی اور معاشرتی موضوعات پر کہانیوں کا مجموعہ ہے ۔ اصل کتاب پہلوی میں تھی ۔ اس کا فارسی ترجمہ ۱۳۱۰ھ تہران سے شائع ہوا ۔

طوطی نامہ کا اصل قصہ یوں ہے : "ایک دولت مند شخص ہر دت تھا ، اس کا بیٹا مدن سین تھا ۔ مدن سین کے پاس طوطوں کی ایک جوڑی تھی ، نر و مادہ ۔ مدن سین کام انجام دینے سے پہلے ان سے مشورہ لیتا تھا ۔ اتفاق سے ایک ریاست کے راجا نے اسے جواہرات خریدنے کے لیے بھیجا اور تاکید کی کہ وہ یہ خدمت انجام دے کر بہتر دن میں واپس آ جائے ۔ روانہ ہوتے وقت اس نے اپنی حسین و جمیل بیوی پاربتی کو تاکید کہ وہ طوطوں سے اجازت لیے بغیر کسی کام کے لیے گھر سے باہر قدم نہ رکھے ۔ چند دنوں میں ہی پاربتی وزیر زادہ کے عشق میں مبتلا ہو گئی ۔ ایک دلالہ کی معرفت ملاقات کا انتظام ہوا ۔ جب وہ اپنے چاہنے والے کی ملاقات کے لیے روانہ ہونے لگی تو اسے اپنے شوہر کی نصیحت یاد آئی ۔ اس نے مادہ طوطی سے باہر جانے کی اجازت طلب کی ۔ اس نے اجازت نہ دی ۔ پاربتی نے بر افروختہ ہو کر اسے وہیں ہلاک کر دیا ۔ پھر اس نے نر طوطی کو مخاطب کر کے باہر جانے کی اجازت طلب کی ۔ وہ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ چکا تھا ، اس لیے اس نے حکمتِ عملی سے کام لے کر اس کو جانے کی اجازت دے دی لیکن اس نے یہ ترکیب نکالی کہ اسے ایک عجیب دلکش اور طویل کہانی سنانا شروع کی اور اسے ذہنی طور پر اس قدر مصروف رکھا کہ رات کا کافی وقت گزر گیا اور ملاقات نہ ہو سکی ۔ اس طرح جب دوسری رات اجازت حاصل کرنے کے لیے طوطی کے پاس آئی تو اس نے ایک اور دلچسپ کہانی سنانی شروع کر دی اور ملاقات کا وقت گزار دیا ۔ اس طرح اس نے کہانیاں سنا سنا کر بہتر دن گزار دے ۔ یہاں تک کہ پاربتی کا شوہر اپنا کام سر انجام دے کر واپس آ گیا ۔ پاربتی نے یہ قصہ اپنے شوہر کو خود سنایا اور طوطی کی دانائی اور حکمتِ عملی کی تعریف کی ۔ اس طرح دونوں میاں بیوی حوش و خرم رہنے لگے ۔ طوطا پہاڑ کی طرف اڑ گیا اور اس نے اپنے آپ کو آسمانی مخلوق میں تبدیل کر لیا اور جنت میں اپنی رفیقہ حیات سے جا ملا ۔ اپنی سابقہ زندگی میں یہ پرندے آسمانی مخلوق تھے ۔ ایک رشی کی بد دعا سے حیوانی قالب میں تبدیل ہو گئے تھے ۔

فارسی ترجمے میں ہندوستانی نام تبدیل کر دیے گئے ہیں ۔ بردت کے لیے مبارک ۔ مدن سین کے لیے میمون اور پاربتی کے لیے خجستہ کا نام اختیار کیا گیا ہے ۔ ان تینوں کلمات کے معنی مبارک کے ہیں ۔ فارسی "طوطی نامہ" میں کہانی کا انجام مختلف ہے ۔ سفر سے واپسی پر طوطی کی زبانی میمون کو اپنی بیوی کی بے وفائی کا علم ہوا چنانچہ اس نے غضبناک ہو کر پاربتی کو قتل کر دیا ۔

انجیل :

ابوالفضل نے ۹۸۵ھ میں فارسی میں انجیل کا ترجمہ کیا ۔ عبدالقادر بدایونی نے بتایا ہے کہ ابوالفضل نے بسم اللہ کی بجائے یہ کلمات لکھے :

"ای نام وی ژژو گرستو ۔"

فیضی نے دوسرا مصرع یوں لکھا :

"سبحانک ما سواک یا ہو ۔"

بدایونی نے ژژو کرستو کے معانی ، مہربان و بسیار بخش لکھے ہیں گویا یہ رحمٰن و رحیم کے مقابل الفاظ ہیں[۱] ۔ اصل میں ژژو کرستو ۔ جوزف یا جیسس کرائسٹ ، کا لاطینی تلفظ ہے ۔ ابوالفضل نے پادریوں سے سن کر اس کو اسی طرح فارسی میں لکھ دیا ۔ فیضی نے بھی دوسرا مصرع لگا کر غلطی کی اور بشر کے متعلق ایسے الفاظ کہے جو صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں ۔ یعنی تو پاک ہے اور تیرے سوا اور کوئی نہیں ۔

ابھی تک فارسی انجیل کا یہ نسخہ خطی دستیاب نہیں ہوا ۔ معلوم ہوتا ہے دستبرد زمانہ کی نذر ہو گیا ۔

مناجات :

خدا کے حضور ابوالفضل کی یہ پر سوز مناجات ہے ۔ اس نے یہ

---

۱ ۔ منتخب التواریخ ، ج ۲ ، ص ۲۶۰ ۔

مناجات ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں تحریر کی جیسا کہ مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ سے ظاہر ہے :

بحمد اللہ این فرخندہ نامہ | کہ از کلک ارادت شد فراہم
بفرمانِ شہنشاہی ست کز عقل | برو اسرار غیبی نیست مبہم
پی تاریخ این اتمام ہجر یست | ارادت نامۂ سلطان عالم
۹۹۳ھ

مناجات ابھی تک شایع نہیں ہوئی ۔ عموماً نسخہائے خطی کی صورت میں دستیاب ہوتی ہے ۔ لطیفۂ فیضی کے بعض نسخوں میں رقعات کے ساتھ موجود ہے ۔ مناجات کا عنوان یہ ہے :

"مناجات قدسی فایض البرکات شیخ ابوالفضل علامی فہامی عطر اِللہ روحہ ۔"

اس کی ابتدا اس طرح ہے :

"الٰہی الٰہی ہر سو کہ می نگرم ظہورتست و رو بہر سو کہ می آرم نورتست ۔ کعبۂ گل یکسواست اما قبلۂ دل ہمہ سو است ۔ سبحان‌اللہ و لا الہ الا ہو ۔"[1]

باید برہِ صدق تکاپو کردن | پیوستہ بخورشید ازل رو کردن
زیرا کہ بود ظہور حق در ہمہ سو | کفر است رخ نیاز یکسو کردن[2]

مناجات تین حصوں میں منقسم کی جا سکتی ہے ۔ پہلے حصے میں خدا کی حمد و ثنا ہے اور اس کی رحمانیت ، رحیمیت اور دیگر اوصاف کا ذکر ہے ۔ دوسرے حصے میں شہنشاہ کی مدح و ستایش ہے اور خدائے رب العزت سے دعا کی گئی ہے کہ وہ اس نیک و نجیب شاہ کو عمر دراز عطا کرے اور رعایا کو توفیق دے کہ وہ جذبۂ تشکر و امتنان کے ساتھ اس کی اِطاعت بجا لائے ۔ ابوالفضل خود بارگاہِ خداوندی سے متمنی ہے کہ اسے

---

۱ - منہاج التواریخ ، ص ۱۹۱ -
۲ - لطیفہ فیضی -

چہار گونہ اخلاص کی نعمت نصیب ہو[۱] - تیسرے حصے میں خداوند تعالیٰ کو مخاطب کر کے اپنی مناجات کے لیے دعائیں مانگی گئی ہیں - خدا تعالیٰ کو یوں مخاطب کیا ہے :

''آرزو بخشا - فریاد رسا - ضعیف پرورا - ہدایت بخشا -''

مناجات ایک مخلص اور دردمند روح کی پاکیزہ فریاد ہے - اکثر جملے مقفی و مسجع ہیں - درمیان میں رباعیات کا استعمال تحرک پیدا کرتا ہے - مناجات کی تمام عبارت اپنی سادگی اور جوش کی وجہ سے ایک اچھی متوازن نثر کا نمونہ ہے - ابوالفضل کی مندرجہ ذیل دعا اس کے درد مند دل کی پکار ہے :

''ای مرہم جراعت دل ریش - ای مونس و راحت بر درویش - از تقلید نجاتم ده و در تحقیق مرامم بخش - ہدایت بخشا - راه تاریک است و شب تاریک و گر بنا دانستگی در راه ضلالت قدم زده ام یا بسہو و نسیان خلاف رضای تو دم زده ام ، بر من مگیر و عذر من پذیر -''

———:o:———

۱ - دیکھیے باب بعنوان ''ابوالفضل اور دین الٰہی -''

کتابیات :

ماخذ معاصر (فارسی)

ابوالفضل : اکبر نامہ مرتبہ احمد علی و عبدالرحیم ، کلکتہ ۔ ۱۸۹۶ع ۔
تین جلد ۔

انگریزی میں ترجمہ از بیورج ۔ ایچ ۔

تتمۂ اکبر نامہ از عنایت اللہ ۔

آئینِ اکبری مرتبہ بلوخمن ۔ ایچ ۔ کلکتہ ، ۱۸۶۷ع ۔ ۱۸۷۷ع ۔

انگریزی ترجمہ ، جلد اول از بلوخمن ۔ کلکتہ ۔

جلد دوم و سوم از جیرٹ ۔ ایچ ۔ ایس ۔ (۱۸۶۸ ۔ ۱۸۹۴ع) ۔

جلد دوم نظر ثانی از جادو ناتھ سرکار ۔ کلکتہ ۔ ۱۹۴۸ع ۔

مکاتبات علامی یا انشائے ابوالفضل تین دفتر یا جلد ۔ نولکشور ۔
لکھنؤ ۔ ۱۸۶۳ع ۔

رقعات ابوالفضل ۔ علوی پریس ۔ ۱۲۷۰ھ ۔

مقدمۂ مہا بھارت مترجمہ فارسی از عبدالقادر بدایونی و دیگر ۔ مخطوطہ
پنجاب پبلک لائبریری لاہور ، شمارہ ۹ ۔ ۵ ۔ ۹۴ ۲ ۴ مہا ۔

گیتا (فارسی ترجمہ) ۔ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۔

عیار دانش ۔ مطبوعہ نولکشور ۔

مجموع اللغات ۔ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۔

طوطی نامہ ۔ مخطوطہ برٹش میوزیم ۔

مقدمہ تاریخ الفی مرتبہ ملا احمد و دیگر ۔ مخطوطات برٹش میوزیم و انڈیا آفس لائبریری ۔

احمد و دیگر : تاریخ الفی ، مخطوطات انڈیا آفس لائبریری و برٹش میوزیم ۔

بابر ، ظہیر الدین : توزک بابری ترجمہ فارسی از عبدالرحیم خانخانان ، ۱۸۲۶ع ۔
انگریزی ترجمہ لز جون لیڈن اور ولیم ارسکن ، ۱۸۲۶ع ۔
نظر ثانی ، تعلیقات از کنگ ۔ ایل ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ، ۱۹۳۱ع ۔

بایزید بیات : تذکرہ ہمایوں و اکبر مرتبہ ہدایت حسین ، کلکتہ ۱۹۵۱ع ۔

جہانگیر ، نور الدین : توزک جہانگیری ، غازی پور ، ۱۸۶۳ع ۔

جوہر : تذکرۃ الواقعات ، انگریزی ترجمہ از چارلس سٹوارٹ ۔ لنڈن ۱۸۳۲ع ۔

حسین علی بلگرامی : سوانح اکبری ۔ مخطوطہ خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ ۔

خافی خان ، محمد ہاشم : منتخب اللباب جلد اول مرتبہ کبیرالدین ، ۱۸۶۹ع ۔
جلد دوم ، مرتبہ کبیر الدنن ، ۱۸۷۴ع ۔
جلد سوم مرتبہ ولزے ہیگ ، ۱۹۳۵ع ۔ کلکتہ ۔

ذوالفقار اردستانی ۔ دبستان المذاہب ، لکھنؤ ، ۱۸۷۷ع ۔

سکندر بیگ ۔ عالم آرای عباسی ، ۲ جلد ۔ تہران ۔ ۱۳۱۴ھ ۔

عبدالباقی نہاوندی ۔ مآثر رحیمی ، کلکتہ ، ۱۹۲۵ع ۔

عبدالحق ۔ اخبار الاخیار ، دہلی ، ۱۳۳۲ع ۔

عبدالقادر بدایونی ۔ منتخب التواریخ مرتبہ لیس ، کبیرالدین و احمد علی ، کلکتہ ۱۸۶۹ع تین جلد ۔

فرشتہ ، محمد قاسم - گلشن ابراہیمی مرتبہ جون برگز - پونہ - ۱۸۳۲ع -

فزونی استر آبادی - فتوحات عادلشاہی ، مخطوطہ برٹش میوزیم - شمارہ ۲۷۵۱ -

فیضی - لطیفہ' فیضی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری -

گلبدن بیگم - ہمایوں نامہ مرتبہ و مترجمہ بیورج - اے - لندن - ۱۹۰۲ع -

معتمد خان ، محمد شریف - اقبالنامہ' جہانگیری ، لکھنؤ ، ۱۸۷۰ع -

نظام الدین - طبقات اکبری مرتبہ ہدایت حسین - کلکتہ ، ۱۹۲۷- ۱۹۳۵ع -

نورالحق - زبدۃ التواریخ ، مخطوطہ پنجاب پبلک لائبریری ، لاہور -

مآخذ معاصر (انگریزی)

De Laet, The Empire of the Great Mughal, translated by J.S. Hayland, Bombay, 1928.

Du Jarric, Akbar and the Jesuits, translated by C. H. Payne.

Eliot, H. M. & Dowson, J., Translators and Editors of the History of India as told by its own Historians, London, 1875, Vol. VI.

Foster, William, Early Travels in India (1583—1614 A.D.) London, 1921.

Siri Ram Sharma, Translator of Bir Singh Dev Charita (Hindi) by Kesho Dass, portion relating to the murder of Abul Fazal, published in the Calcutta Review, May and June, 1924.

مآخذ ثانوی (فارسی)

بہار ، محمد تقی - سبک شناسی ، جلد سوم ، تہران -

جامی ، عبدالرحمٰن - نفحات الانس ، لکھنؤ ، ۱۹۱۵ -

خافی خان - منتخب اللغات ، ۲ جلد - کلکتہ - ۱۸۶۹-۱۸۷۴ع -

خواند میر - روضۃ الصفا - لکھنؤ - ۱۸۷۴ع -

شاہنواز خان ، مآثرالامرا ، کلکتہ - ۱۳۰۹ھ - ۳ جلد -

صدیق حسن - شمع انجمن ، بھوپال ، ۱۲۹۳ھ -

عباس شوستری ، ترجمۂ گیتا - تہران - ۱۹۳۶ -

عبدالحفیظ - نافع الطالبین شرح مکاتبات علامی ، مخطوطہ پنجاب یونیوسٹی لائبریری -

عطار ، فرید الدین - تذکرۃ الاولیا مرتبہ نیکلسون - لیدن -

علاء الدین عطا ملک جوینی - تاریخ جہانکشا مرتبہ محمد قزوینی ، ۱۹۱۵ع -

غلام سرور - خزینۃ الاصفیاء ، لاہور - ۲ جلد -

محمد حیدر - تاریخ رشیدی مترجمہ ای - ڈی - روس - لندن - ۱۸۹۵ع -

مول چند و دیگر - پوتھی سری گیتا - لاہور - ۱۸۵۴ع -

مآخذ ثانوی انگریزی و فرانسیسی

August, Frederic, Court of Noir. The Emperor Akbar, translated from German into English by A. S. Beveridge, Calcutta, 1890.

Abdul Ghani, History of Persian language and literature at the Mughal Court, Allahabad, Vol. III.

Azra Nizami, Socio-Religous Outlook of Abul Fazal Aligarh.

Bashir Ahmad, Abul Fazal and Shaikh Mubarik (an article in The Oriental College Magazine, May, 1952).

Beni Prasad, History of Jahangir, Madras, 1922.

Browne, E. G. Literary History of Persia, Cambridge, 4 Vols.

Christenson, Arthur. L'Iran Sous les Sassanides, Copenhague, 1936.

Clouston, W. A., Arabic Poetry, 1880.

Elphinstone, History of India, London, 1916.

Habibullah, A.B.M., The Foundation of Muslim Rule in India, Lahore, 1945.

Haig, Wolsely, The Cambridge History of India, Vol. IV, 1937.

Havell, E. B. The History of Aryan Rule in India, London, 1916.

Hearnshaw, F. S. C., Science of History (an article in 'An Outline of Modern knowledge, London, 1934, pp. 773—812).

Hodiwala, Shahpur Shah, Studies in Indian Muslim History, a critical commentary on Eliot and Dowson's History of India as told by its own Historians, Bombay, 1939.

Horten, Father, Memoirs of the Asiatic Society of Bengal, Vol. V.

Hosten and Lords. Travels of S. Manrique.

Ibn-i-Hasan, Central Structure of Mughal Empire, 1936.

Irvine, William, The Army of Indian Mughals, London, 1903.

Ishtiaq Hussain Qureshi, Administration of the Sultanate of Delhi, Lahore, 1941.

Ishwari Prasad, History of Mediaeval India, Allahabad, 1940.

Jainarajadasa, G. Abul Fazal and Akbar, Madras, 1934.

Khosla, R. P. Mughal Kingship and Nobility, Allahabad, 1939.

Lanepool, Stanely, Mediaval India under Muhammaden Rule, London, 1914.

Malleson, Akbar and Rise of the Mughal Empire, Oxford, 1903.

Muhammad Iqbal, Sir, Six lectures on Reconstruction of Religious thought in Islam, London, 1934.

Muhammad Latif, Agra, Calcutta, 1895.

Phillot, D. C. Translation of a letter by Abul Fazal.

Radha Krishman, V. (Editor). History of Philosophy, East and West, London, 1952, 2 Vols.

Read, Herbert, English Prose Style, London.

Roy Chowdhuri, Makhan Lal, The Din-i-Ilahi or the Religion of Akbar, Calcutta, 1941.

Sachau, Edward, Translation of the Atharul Baqiya Anil qurunul Khaliya by Albiruni.

Sachau, Edward, Translation of Indica by Albiruni.

Saran, P. Provincial Government of the Mughals, Allahabad, 1941.

Sarkar, Jadu Nath, Mughal Administration, Calcutta, 1920.

Smith, V. A. Akbar, The Great Mughal, Oxford, 1940.

Siri Ram Sharma, The Religious policy of the Mughal Emperors, Calcutta, 1940.

Tara Chand, Influance of Islam on Indian Culture, Allahabad.

Tavernier, Travels in India, translated by V. Ball, Oxford, 1925.

Vishwas G. Bhat, Bhagwagita, a study, Poona.

Wahed Hasan, Administration of justice during the Muslim Rule in India, Calcutta, 1934.

Wright, T. W. Philosophy of style, Chicago, 1892.

Yusuf Ali, A. The Making of India, London, 1925.

Yusuf Hussain, L'Inde Mystique. Paris, 1929.

عربی

ابن عربشاہ - عجائب المقدور فی اخبار تیمور - قاہرہ -

بیرونی - آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ مرتبہ ایڈورڈ سخاؤ - لیپزگ - ۱۸۷۸ع -

بیرونی - فی تحقیق ما للہند مرتبہ ایڈورڈ سخاؤ - لندن - ۱۸۸۷ع -

جار اللہ زمخشری - تفسیر کشاف - کلکتہ - جلد اول -

جلال الدین سیوطی - تفسیر در منثور - قاہرہ - جلد دوم -

خازن بغدادی - لباب التنزیل - قاہرہ - جلد اول -

عبداللہ محمد بن عمر المکی معروف بہ حاجی الدین دبیر - ظفر الوالہ لمظفر و آلہ مرتبہ ای - ڈی - راس ، ۳ جلد - لندن - ۱۹۲۱- ۱۹۲۸ع -

قرآن مجید -

معجم المطبوعات العربیہ مرتبہ جے - ای سرکس - قاہرہ - ۱۹۳۰ع -

اردو

ابوالقاسم رفیق دلاوری ۔ ائمہ تلبیس یا غارتگرانِ ایمان ۔ لاہور ۔ ۱۹۳۷ع ۔

ابو ظفر ندوی ۔ تاریخِ سندھ ۔ اعظم گڑھ ۔ ۱۹۴۷ع ۔

ابوالحسن ندوی ۔ ہندوستان کی قدیم درسگاہیں ۔ امرتسر ۔ ۱۹۲۰ع ۔

چھیدی رام حلیم ، شاہنشاہ اکبر اور ہندو دھرم ۔ لاہور ۔

گیان چند ۔ اردو کی نثری داستانیں ، کراچی ۔ ۱۹۶۹ع ۔

محمد حسین آزاد ۔ دربارِ اکبری ، لاہور ۔ ۱۹۳۹ع ۔

محمد حسین آزاد ۔ نگارستانِ فارس ۔ لاہور ۔

محمد اسلم : دینِ الٰہی اور اس کا پس‌منظر ۔ لاہور ۔

رسائل (اردو)

اردو سہ ماہی ، جولائی ۔ ۱۹۵۰ع ۔

اوریئنٹل کالج میگزین ، لاہور ۔ مئی ۔ ۱۹۵۲ (مقالہ انگریزی ۔ ابوالفضل اور شیخ مبارک از بشیر احمد) ۔

طلوعِ اسلام ، ماہنامہ ۔ کراچی ۔ مارچ و مئی ۱۹۵۴ع ۔

نگار ، ماہنامہ ۔ لکھنؤ ۔ اپریل ، اگست ، دسمبر ۔ ۱۹۵۴ع ۔

Periodicals (English)

Annual Reports, R. A. S. Eastern Circle, Calcutta, 1907 – 1908, pp. 25, 27.

Calcutta Review, 1924, pp. 445 – 460.

Indian Historical Quarterly, 1933, p. 630.

Journal of Indian History, 1930, pp. 306 – 330 (Genesis of Din-i-Elahi).

Journal of the Panjab Historical Society, Vol. I, p. 31.

J. R. A. S., 1896, p. 109.

J. R. A. S. 1903, p. 115.

J. R. A. S., 1913, p. 1'5.

J. R. A. S., 1924, pp. 591 – 608.

Reference Books

Encyclopaedia of Islam.

Encyclopaedia of Religion and Ethics.

Dictionaire Encyclopaedique de Bibliographic Arabe.

Dictionary of Islam by Huges.

Catalogues of Libranies pertaining to Persian Mss.

Storey, Persian Literature—Bio-Bibliographic Survey, London.

Imperial Gazetteers of India.

Tarikh-i-Elahi by V. S Bandrey, Poona, 1933.

Muhammadan Dynasties by Lanepool, Paris, 1925.

Comparative Tables of Hijri and Christian dates by A.K. Khalidi, Delhi, 1939.

منهاج التواریخ -

فرهنگ جغرافیای ایران–تهران -

اشاریہ

اردو

صفحہ

انگریزی

اختصارات

پ : پا ورق

Foot note : F.n.

اعداد : صفحات ظاہر کرتے ہیں

اشخاص و قبائل و فرقے

(الف)

(ص)

(ض)

(ط)

(گ)

(ل)

(م)

(ن)

(و)

(ہ)

(ی)

o:——:o

کتب و رسائل و کتابخانے

(ن)

(و)

(ھ)

(ی)

مقامات و دریا و کوہ

(الف)

(ب)

-o-

PERSONS

BOOKS, PERIODICALS, LIBRARIES

Places

—:o:—

انتشارات ادارۂ تحقیقات پاکستان

مجلہ

چندہ سالانہ — — — —	۱۵/۰۰
چندہ فی شمارہ — — — —	۴/۰۰

کتب

(۱) انشای ماہرو (فارسی) بتصحیح پروفیسر شیخ عبدالرشید	۱۵/۰۰
(۲) اسرار صمدی (فارسی) بتصحیح پروفیسر شجاع الدین	۷/۵۰
(۳) تقاریر و بیانات قائد اعظم محمد علی جناح (انگریزی) بتصحیح ایم ۔ رفیق افضل	۱۸/۰۰
(۴) تقاریر و بیانات قائد ملت لیاقت علی خاں (انگریزی) بتصحیح ایم ۔ رفیق افضل	۲۰/۰۰
(۵) کلیات فیضی (I) (فارسی) بتصحیح ڈاکٹر اے ۔ ڈی ارشد	۲۰/۰۰
(۶) رقعات حکیم ابوالفتح گیلانی (فارسی) بتصحیح ڈاکٹر محمد بشیر حسین	۱۰/۰۰
(۷) فہرست مخطوطات شیرانی جلد اول (فارسی)	۱۰/۰۰
(۸) " " جلد دوم مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین	۱۰/۰۰
(۹) " " جلد سوم مرتبہ " " "	۱۸/۰۰
(۱۰) کتابیات پنجاب (انگریزی) مرتبہ اکرام علی ملک	۱۵/۰۰
(۱۱) مکتوبات سعد اللہ خاں (فارسی) بتصحیح ڈاکٹر ناظر حسن زیدی	۱۰/۰۰
(۱۲) جناح ارون خط و کتابت (انگریزی) بتصحیح وحید احمد	۴/۵۰
(۱۳) گفتار اقبال (اردو) ایم ۔ رفیق افضل	۱۲/۰۰
(۱۴) فہرست کتب مولانا غلام رسول مہر (انگریزی و اردو)	۴/۰۰
(۱۵) تحریک پاکستان میں خواتین کا حصہ (انگریزی) مصنف سرفراز حسین مرزا	۸/۰۰
(۱۶) دیوان دارا شکوہ (فارسی) بتصحیح احمد نبی خاں	۱۰/۰۰
(۱۷) ملک برکت علی ، سوانح حیات و تقاریر (انگریزی) رفیق افضل	۱۸/۰۰
(۱۸) گل رعنا (فارسی) بتصحیح سید وزیرالحسن عابدی	۱۸/۰۰
(۱۹) اشاریہ کتب و مقالات متعلقہ پاکستان (انگریزی) مرتبہ ممتاز اے ۔ انور و بشیر علی ٹوانہ	۵/۰۰
(۲۰) دیوان دلشاد پسروری (فارسی) بتصحیح غلام ربانی عزیز	۱۳/۰۰
(۲۱) اے بک آف ریڈنگز آن دی ہسٹری آف دی پنجاب ، مرتبہ اکرام علی ملک	۲۵/۰۰
(۲۲) بیان واقع (فارسی) بہ تصحیح و تحقیق ڈاکٹر کے بی نسیم	۱۸/۰۰
(۲۳) تاریخ ارادت خان (فارسی) بہ تصحیح غلام رسول مہر	۱۸/۰۰
(۲۴) آداب عالمگیری (فارسی) بہ تصحیح و تہذیب عبدالغفور چوہدری جلد اول	۱۸/۰۰
(۲۵) " " " " " جلد دوم	۲۰/۰۰
(۲۶) فتاوی جہانداری (فارسی) بہ تصحیح و مقدمہ و حواشی ڈاکٹر مسز اے سلیم خان	۲۰/۰۰